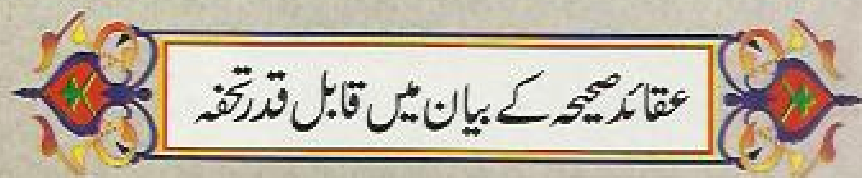


شمع ہدایت

تالیف

علامہ حضرت قاضی عبدالرزاق بھترالوی

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

راولپنڈی۔ پاکستان

Email: ziauloom@isb.paknet.com.pk

نام کتاب: شمع ہدایات

مصنف: علامہ قاضی عبدالرزاق چشتی بھترالوی مدظلہ

ضخامت: 23x36/16 456 صفحات

ناشر: سید شہاب الدین شاہ
ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی

ای میل: ziauloom@isb. paknet.com.pk

ہدیہ: 120 روپے

ملنے کے پتے

- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور، اردو بازار کراچی
- ☆ فرید بکسٹال اردو بازار لاہور
- ☆ جامع مسجد غوثیہ F-6 / 1 اسلام آباد۔
- ☆ مکتبہ رضویہ نزد ستا ہوٹل گنج بخش روڈ لاہور
- ☆ مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لوہاری گیٹ لاہور
- ☆ نیو مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی
- ☆ احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

اور: اپنے قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں۔

انتساب

اساتذہ کرام کے نام جن کی مہربانیوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جہالت کی تاریکی سے نکال کر نور علم وعرفان عطا فرمایا۔ وہ بلند پایہ ہستیاں یہ ہیں۔

حافظ غلام مصطفٰے صاحب (راجڑ) رئیس الاصفیار مولانا غلام یوسف صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب مولانا عبدالاحد صاحب، استاذ العلماء مولانا غلام محمود صاحب دار العلوم جہلم میں ان حضرات سے فیضان حاصل کیا۔ رئیس المحققین والمدققین سید الاتقیار مولانا محب النبی رحمۃ اللہ علیہ، استاذ العلماء مولانا گل اکرام رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں استفادہ کیا۔ حضرت علامہ مولانا عبدالقدوس صاحب، بحر العلوم مخدوم زادہ قاضی اسرار الحق صاحب سے اسرار العلوم راولپنڈی میں تحصیل علم کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب استاذ المحققین والمدققین مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، استاذ المدرسین اشرف الاصفیار والاتقار مولانا عبدالحکیم شرف استاذ الاساتذہ رئیس المحققین والمدققین ابوالحسنات مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی سے جامعہ نعیمیہ لاہور میں اکتساب فیض کیا۔ مؤخر الذکر استاذی المکرم کے بہت انعامات ہیں۔ نیز بحر العلوم مولنا سید افضل حسین شاہ صاحب سے علم توقیت جامعہ قادریہ فیصل آباد میں پڑھا جبکہ میں خود وہاں مدرس تھا۔

فجزاھم اللہ خیر الجزاء

عرض ناشر

اسلام کے آفاقی پیغام کو چار دانگ عالم میں پھیلانا ہر ذی شعور مسلمان اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ درد دل رکھنے والے محسنوں کی کاوشیں قابل ستائش ہوتی ہیں۔ غالباً ۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے کہ بعض علم دوست احباب نے راولپنڈی میں دینی کتب خانہ نہ ہونے کے باعث "مکتبہ" کے قیام کا پر زور مشورہ دیا۔ مالی وسائل اور عدم تجربہ کے باعث یہ ایک بار گراں تھا جسے اٹھانا ہم جیسے ناتواں کے بس کا روگ نہ تھا مگر باہم اصرار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

فضل ایزدی اور کرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا سہارا لئے اس کام کو "مکتبہ ضیائیہ" کے نام سے شروع کر دیا گیا۔ اولاً "جامعہ رضویہ ضیاء العلوم" کے ایک کمرہ سے آغاز کیا گیا۔ مناسب جگہ اور وسائل کی کمی کے باعث ابتدائی سالوں میں کافی مشکلات درپیش تھیں اس کے باوجود بعون اللہ تعالیٰ "مکتبہ ضیائیہ" نے ترقی کی منازل طے کیں مگر راولپنڈی میں اشاعتی اداروں کی کمی کے باعث طباعتی میدان میں قدم نہ رکھا جا سکا۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ یہ پہلی پیش کش آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری آئندہ بھی یہ کوشش ہوگی کہ اعلیٰ کتابت و چھپائی عمدہ کاغذ اور بہتر طباعتی معیار کے ساتھ آپ کے ذوق علمی کو پورا کرتے رہیں۔

دعا ہے کہ اللہ کریم اس خدمتِ دینیہ کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مقبول انام بنائے

آمین بجاہ سید المرسلین

آپ کے مفید مشوروں کے طلبگار

سید شہاب الدین شاہ و رفقائے کار

مکتبہ ضیائیہ۔ بوہڑ بازار راولپنڈی

فہرست

اظہارِ تشکر

عزیزم مولانا محمد الطاف نیروی صاحب موذن مسجد داتا گنج بخش لاہور
عزیزم مولانا ظہیر الدین صاحب، عزیزم مولانا محمد صدیق رضوی صاحب
عزیزم مولانا محمد افضال صاحب، اور عزیزم مولانا محمد اشرف چشتی
کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مسودہ کی تیاری اور کتابت کرانے میں تعاون فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ مصنّف کے بارے میں

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا حافظ قاضی عبد الرزاق صاحب چشتی بھترالوی مدظلہ ابن مولانا قاضی عبد العزیز حطاروی بھترال ضلع راولپنڈی کے ایک عظیم علمی خانوادے (قاضی خاندان) کے چشم و چراغ ہیں آپ کے آباؤ اجداد حطار ضلع چکوال میں رہائش پذیر تھے اور اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار علماء و مدرسین شمار ہوتے تھے۔

خصوصاً حضرت علامہ مولانا قاضی برھان الدین رحمۃ اللہ تو وہ جلیل القدر ہستی ہیں جنہیں سید الاولیاء والاصفیاء حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اسی طرح استاذ النحو والصرف حضرت علامہ قاضی غلام رسول بھترالوی بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ دینی مدارس کے نصاب میں شامل صرف کی متداول کتاب "صرف بھترال" اسی یگانہ روزگار ہستی کی تقریرات کا مجموعہ ہے۔

حضرت استاذ العلماء مولانا عبد الرزاق چشتی نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی اور علم کی جھولی میں پرورش پائی۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں رئیس المتقین مولانا محب النبی الہاشمی، استاذ العلماء قاضی غلام محمود ہزاروی، مفتی عزیز احمد قادری، مولانا گل اکرام، حضرت مفتی محمد افضل حسین (رحمۃ اللہ علیہم) حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی، مخدوم زادہ قاضی محمد اسرار الحق حقانی، مولانا حافظ غلام مصطفیٰ اور حافظ احمد رضا مدظلہم العالی جیسی یگانہ روزگار ہستیوں کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت پر آپ نے علم کے نور سے امت مسلمہ کے دل و دماغ کو منور کرنا شروع کر دیا کچھ عرصہ بعد دیگرے جامعہ قادریہ فیصل آباد، جامعہ اسلامیہ اسرار العلوم راولپنڈی اور حزب الاحناف لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۶ء میں محکمہ اوقاف اسلام آباد میں بحیثیت خطیب آپ کا تقرر ہوا تو اس سے

اگلے ہی سال پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں تدریسی فرائض انجام دینا شروع کر دیئے آج پندرہ سال ہونے کو ہیں مسلسل جامعہ سے وابستہ ہیں۔ ہزاروں طلبہ آپ کے چشمۂ فیض سے اپنی علمی پیاس بجھا چکے ہیں۔

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سے آپ کو والہانہ محبت ہے اپنی اس وابستگی اور قلبی لگاؤ کو اپنی کتاب "ذریعۃ النجاح عربی حاشیہ نور الایضاح" کی تمہیدات میں بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں: "أدرس فی ھذہ الجامعۃ منذ اثنتی عشر سنۃ ولا انکر الحقیقۃ ان ھذہ الجامعۃ لا یکون مثالھا الا ھد بدۃ، ای ھذہ من الجامعات المشہورۃ التدریس"

آپ کے ذوقِ تدریس و تبلیغ اور ترویج و اشاعتِ دین کا یہ عالم ہے کہ جامعہ کے تدریسی وقت سے قبل بھی علم دوست طلبہ کو اضافی اسباق پڑھانے کے لئے اسلام آباد سے آتے ہیں۔ اور جامعہ میں رہائش پذیر طلبہ ابھی تیاری مکمل نہیں کر پاتے کہ آپ پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت استاذی مدظلہ نے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ و ترویج دین بنا رکھا ہے۔ چند سال قبل تقریر و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کو بھی ذریعہ تبلیغ بنا لیا ہے۔ مختصر عرصہ میں گراں قدر علمی شاہکار مرتب فرمائے، جن میں "تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان" اور "ذریعۃ النجاح عربی حاشیہ نور الایضاح" قابلِ ذکر ہیں زیرِ نظر تالیف "شمع ہدایت" اصلاحِ عقائد اور مسلکِ حقہ اہلسنت و جماعت کے دلائل پر مشتمل ایک مسلسل تقریر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت استاذ العلماء کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ اور تشنگانِ علم و حکمت آپ کی زبان و قلم سے فیضیاب ہوتے رہیں۔

آمین بجاہ سید المرسلین

عبدہ الاحقر حافظ محمد اسحاق ظفر

خادم المکتبۃ بالجامعۃ الرضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتداءِ کلام

توحیدِ باری تعالیٰ و رسالتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں اس طرح تلازم ہے کسی کا ایک دوسرے کے بغیر پایا جانا ممکن نہیں۔ اطاعت ربِ ذوالجلال بغیر اطاعتِ مصطفےٰ ممکن نہیں اور اطاعتِ حبیبِ کبریا بغیر اطاعتِ رب قدوس ناممکن و محال ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ حسنِ سید الانبیاء کا انکار جمالِ خداوندی کا انکار۔ اور بارگاہ نبوت میں توہین، تنقیصِ الوہیت ہے۔ یہ کیوں نہ ہو جب کہ ذاتِ نبی الانبیاء آئینۂ جمالِ ربِ ذوالجلال ہے اور صفاتِ مصطفےٰ مظہرِ صفاتِ کبریا ہیں۔ بنا بریں صفات یہ ناممکن ہے کہ ایک کا اقرار دوسرے کے انکار کے ساتھ جمع ہو جائے،

یہ وہ ذات ہے جس نے بھٹکی ہوئی دنیا کو خدا کے ساتھ ملایا اس لیے کہ کائنات عالم کا یہ حال تھا کہ وہ خدا سے بے خبر بلکہ انسان انسانیت سے غافل تھا لوٹ کھسوٹ، ڈاکہ زنی، چوری، قتل و غارت، ایک دوسرے سے باہم دست بگریبان طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب انسان کا وطیرہ اور اس کا طرۂ امتیاز تھا۔

اس وقت حبیبِ کبریا، سید الانبیاء، شفیع المذنبین حامل لواء حمد

نے ورطۂ حیرت میں مبتلا، اجنبی مسافر کی طرح دشوار کن خار دار وادیوں
میں متحیر، ابلیس کے پنجۂ شیطنت میں جکڑے ہوئے، نفس امارہ کی
فریب کاریوں میں پھنسے ہوئے انسان کو رحمٰن سے ملایا۔

یہی وہ شمع رسالت ہے جس نے جمال الوہیت کو آشکار کیا یہی
وہ علم و عرفان کا پیکر ہے جس نے معرفت الٰہی کا درس دیا۔

یہی وہ حبیب خدا مقرب بارگاہ ذوالجلال ہے جس نے قرب
خداوندی کا راستہ بتایا۔

یہی وہ ذات ہے جس کی محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ یہ گہری
اور پاکیزہ محبت ہی اہل ایمان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر ان کو
حلاوت ایمان عطا کرتی ہے۔

یہی وہ جوش مارتا ہوا چشمہ ہے جس سے پاکیزہ زندگی رونما ہوتی
ہے۔ یہی وہ بلند و بالا پہاڑ ہے جو تخریبی طوفانوں کے سامنے سر نہیں
جھکاتا۔ یہی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی بدولت انسان ہندوؤں کی شاطرانہ
مکارانہ چال بازیوں کے خلاف دو قومی نظریہ کا علم بردار نظر آتا ہے۔

یہی محبت رسولؐ ہی تو ہے جس کی وجہ سے انسان قادیانیت کی آندھیوں
کے سامنے چٹان بن جاتا ہے۔

یہی وہ قیمتی اثاثہ ہے جس کی وجہ سے سوشلزم کے زبردست
طوفانوں میں بھی انسان اپنا سر اونچا اور نبی کا جھنڈا اونچا رکھنے کا خوگر
ہوتا ہے۔ جانوں کے نذرانے بغیر محبت مصطفٰےؐ کے پیش نہیں کئے جا

سکتے۔ تاریخ شاہد ہے جمال مصطفٰے کے دیوانے، شمع رسالت کے پروانے
عاشقان انوار رخ مصطفٰے، عاشقان حبیب کبریا جس تحریک میں شریک ہوئے
وہی کامیابی سے ہمکنار ہوئی جن تحریکوں میں محبت مصطفٰے کے متوالوں نے حصّہ
نہیں لیا ان کی ناکامیاں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

یہی وہ قیمتی خزانہ اور بیش بہا سرمایہ ہے جو رب قدوس کے فیضان کرم
سے ہمیں ملا ہے۔ جتنا ہم اس پر فخر کریں کم ہے۔ اس لئے کہ یہ خزانہ دنیا
بھر کی نعمتیں لٹانے سے حاصل نہیں ہوسکتا صرف فضل خدا اور نگاہ مصطفٰے
سے حاصل ہوتا ہے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

عشق مصطفٰے، محبت حبیب خدا ہی مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی اساس
ہے اس کے بغیر اور کوئی دوا نہیں جس سے وسیع تر اختلاف کی مہلک
بیماری کا علاج کیا جائے۔ اسی سے عربی و عجمی اور آقا و غلام کے امتیاز کو
ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہی محبت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء ہی غیروں کو اپنا
اور اپنوں کو غیر سمجھنے کا معیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبش کے بلال روم کے
صہیب اور فارس کے سلمان ایک خاندان بن گئے اور مکہ کے ابوجہل و ابولہب
دوسرا خاندان۔

حسن ز بصرہ، بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ابوجہل کے دل میں عداوتِ مصطفےٰ کا ایک دریا موجزن تھا، اس کا
قلب حلاوتِ محبت حبیب خدا سے یکسر خالی تھا یہی وجہ ہے کہ مسلمان
اس کا نام لیتے ہی اپنے تصور میں لاتا ہے کہ وہ لعنت کا مستحق جہنم کا
ایندھن ہے لیکن بخلاف اس کے جب کبھی ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کا نام
زبان پر آتا ہے تو مسلمان رضی اللہ عنہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کیوں کہ عکرمہ
نے بالآخر دامنِ مصطفےٰ سے لپٹ کر محبت حبیب کبریا کی دنیا دل میں
بسالی تھی یہی وجہ ہے کہ تاقیامت آنے والے مسلمانوں کے وہ محبوب
رہیں گے۔

لپٹا جو دامنِ مصطفےٰ سے وہ یگانہ ہوگیا
جس کے حضورؐ ہو گئے اسکا زمانہ ہوگیا

جن کے دلوں میں محبت مصطفےٰ موجزن ہے وہی مسلک اتحاد میں
منسلک ہو کر ایک خاندان کی حیثیت اختیار کر گئے اور جن کے دل محبتِ
مصطفےٰ سے خالی ہیں اور عیوب تلاش کرنے کے متلاشی رہتے ہیں وہ
علیحدہ ہو گئے۔

محبت مصطفےٰ کی وجہ سے بیگانہ یگانہ بن گیا اور محبت مصطفےٰ کو چھوڑنے
کی وجہ سے یگانہ بیگانہ بن گیا۔

ہاں البتہ اختلافِ رائے اور تحقیق و تدقیق میں اختلاف باعث رحمت
ہے۔ یہی وجہ ہے جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ہارون الرشید نے
اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو میں

آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں لوگوں کو آپ کے مؤطا پر متفق کر دونگا
آپ نے فرمایا کہ میں مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا کیونکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝

مدینہ طیبہ لوگوں کے لیے بہتر ہے کاش وہ جانتے۔

مؤطا پر لوگوں کو مجتمع کرنا یہ غلط سوچ ہے اس لیے کہ نبی کریمؐ
کے صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل چکے ہیں اور آپ کی احادیث کا علم
لوگوں کو حاصل ہو چکا ہے۔ ہر شہر والوں کو علم حاصل ہے اور اختلاف کے
متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ

(میری امت میں اختلاف باعث رحمت ہے)

لیکن یہ فقہی مسائل میں استنباط اور تحقیق و تدقیق میں پایا جانے والا
اختلاف ہے یہ نہیں کہ ضد و عناد، بغض و حسد کی وجہ سے لغویات اور
یاوہ گوئی اس کا شیوا بن جائے۔ اور سخت جمود کی چادر اوڑھ کر خواب
غفلت میں خراٹے لیتے ہوئے اس طرح دوسروں سے مخالفت کرنے
کا خوگر ہو جائے کہ اپنے دامن کو فسق و فجور کی آلائشوں سے آلودہ کرتے
ہوئے ایسی امت کا شیرازہ بکھیر دے اور اس کو کئی گروہوں میں منقسم
کردے جو اتحاد و اتفاق کی برکت سے دشمن کے مقابل میدان
کارزار میں سیسہ پلائی دیوار نظر آتی۔ جب وہ ایک دوسرے کا

سہارا بن کر کھڑے ہوتے تو زمین لرز اٹھتی، ان کے باہم مل کر چلنے
سے پہاڑ کانپ جاتے ان کے احکام کے سامنے شاہانِ عالم کو سرِ
اطاعت خم کرنے کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا ورنہ بصورت دیگر دنیاوی
جاہ وجلال کے مالک بادشاہوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ افتراق
واختلاف پیدا کرنے والے اور اتحاد و اتفاق کی تباہی کا سبب بننے والے وہی تو ہیں
جو اپنے اصولوں کو خود ہی ضد وعناد کی وجہ سے پائمال کر دیتے ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی الشہاب الثاقب ص ۶۴، ۶۵ میں تحریر
فرماتے ہیں۔

مسئلہ نداءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے
ہیں اور یہ حضرات (علماء دیوبند) نہایت تفصیل فرماتے ہیں اور
کہتے کہ لفظ یا رسول اللہ علیہ السلام اگرچہ بلا لحاظ معنی اسی طرح نکلا ہے
جیسے لوگ بوقت مصیبت وتکلیف ماں اور باپ کو پکارتے ہیں تو
بلاشک جائز ہے علیٰ ھذا القیاس اگر بلحاظ معنی درود شریف کے ضمن
میں کہا جائے گا تو بھی جائز ہو گا علیٰ ھذا القیاس اگر کسی سے غلبہ و
محبت وشدت وجد و توفرِ عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے۔ اور
اگر اس عقیدہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے
فضل وکرم سے ہماری ندا کو پہنچا دے گا۔ اگرچہ ہر وقت پہنچا دینا
ضروری نہ ہو گا مگر اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو
اس میں بھی کوئی حرج نہیں علیٰ ہذا القیاس اصحاب ازواج طاہرہ اور

نفوسِ زکیہ جن کو بعد مکانی اور کثافت جسمانی اپنے عرائض کی تبلیغ مانع
نہ ہوں اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

اسی صفحہ پر تھوڑا آگے اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام
علیک یا رسول اللہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت
نفرتیں اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں اور وہ ان کا استہزاء اڑاتے ہیں
اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان
دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب و
ندا کیوں نہ ہوں مستحب ومستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر
کرتے ہیں اور اس تفصیل کو مختلف تصانیف وفتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے
وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ
میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے اور یہ وجہ بھی ان کے نزدیک
مخالفت کا سبب ہے۔

حالانکہ یہ اکابر مقدسان دین متین (علماء دیوبند) اس کو ان اقسام
استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت
ہو۔ ص ۶۶ پر اسی کتاب میں مولانا مدنی فرماتے ہیں۔

وہابیہ خبیثہ کثرت صلوٰۃ وسلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور
قرأت دلائل الخیرات وقصیدہ بردہ وقصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے
پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و ورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ

جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب
کرتے ہیں مثلاً یَا اَشْرَفَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ ○

اے افضل مخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے
بروقت نزول حوادث

حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اپنے متعلقین کو دلائل الخیرات وغیرہ
کی سند دیتے رہے ہیں اور ان کو کثرت درود وسلام وتحزیب وقرأت
دلائل وغیرہ کا امر فرماتے رہے ہیں ہزاروں کو مولانا گنگوہی و مولانا
نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما نے اجازت فرمائی اور مدتوں خود بھی پڑھتے رہے
ہیں اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مثل شعر بردہ فرماتے ہیں ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار ؎
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غمخوار

مولانا حسین احمد مدنی کی مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ
یارسول اللہ عشق ومحبت میں اور درود پاک کی نیت سے جائز ہے لیکن
خدارا انصاف کیجئے۔

کیا اہل سنت وجماعت اسی نیت سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
نہیں پڑھتے ؟ جب درود کی نیت سے ہی پڑھتے ہیں تو موجودہ علماء

دیوبند اپنے اکابرین کے بیان کردہ اصولوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا
کر وہابیہ خبیثہ کے عقائد پر عمل پیرا کیوں ہیں۔ یقیناً یہ ایسا کردار ہی ادا
کر رہے ہیں۔ ان کے اس عمل پر ان کے اپنے ہی سیاہ کارنامے دلالت کر
رہے ہیں۔ مساجد سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کو مٹانے اور
یا محمد ﷺ کو مٹانے کی نازیبا حرکات ان کی خباثت باطنی اور عداوت مصطفیٰ ﷺ
کو اجاگر کر رہی ہیں بلکہ بعض اتنا غلو کرتے ہیں کہ ان کے فرمودات کو
سن کر ایک مسلمان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسی کلام کرنے والا
شخص شاید ہوش وخرد سے عاری ہے اس انسانیت سے دور کلام
کی مثال سنیئے!

" ہمارے گاؤں کے راجہ حشمت خان صاحب کہہ رہے تھے کہ
مجھے ایک مولانا صاحب نے کہا الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
اور یا محمد ﷺ یہودی کہتے تھے مسلمان نہیں کہتے" العیاذ باللہ۔

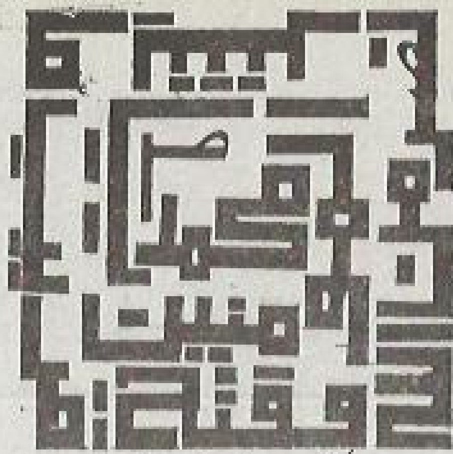
ضد وعناد نے ایک عالم شخص کو کیسا جاہل بنا دیا کہ وہ ایسی کلام
کر رہا ہے جس کی زد میں ان کے اپنے اکابر بھی آ رہے ہیں جیسا کہ میں
علامہ مدنی صاحب کی کتاب سے بیان کر چکا ہوں۔

اس طرح کی حرکات یعنی مساجد سے یا محمد کو مٹانا ان کو محمد بن عبدالوہاب نجدی
کی وراثت سے حصہ ملا ہے کیونکہ یہ اس کی اور اس کے متبعین کی
عادات تھیں۔

مدینہ طیبہ میں جن حضرات کو جانا نصیب ہوا ہے اگر انہوں نے غور

سے دیکھا ہو وہ تو اس بات کی تصدیق کریں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضہ مطہرہ کی جنوبی جانب یعنی قبلہ شریف کی طرف مواجہہ شریف
کی سنہری جالی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ہر حصہ کو دو حصوں
میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان دو حصوں میں سے اوپر تحریر ہے یا اللہ یا محمد ﷺ
نیچے تحریر ہے لا الہ الا اللہ الحق المبین محمد رسول اللہ
صادق الوعد المتین لیکن وہابیہ نے ہر تینوں حصوں میں یا محمد کی یا کو کاٹ
دیا ہے۔ کیونکہ اگر روضہ مطہرہ کی جانب توجہ کریں قبلہ کی جانب پیٹھ
کریں اور مغربی جانب سے مشرقی جانب آئیں تو آپ کو واضح نظر آئے
گا کہ پہلی جالی کے دونوں حصوں سے یا محمد کی یا کو اس طرح کاٹا گیا ہے کہ
صرف الف موجود ہے یا کے نقطے اور اس کے نیچے والا حصہ موجود نہیں
لیکن دوسرے حصہ کے دونوں مقام پر یعنی مواجہہ شریف والے حصہ اور
اس سے مشرقی جانب دونوں حصوں میں یا محمد کی یا کے نیچے والے حصہ کو
صرف کاٹا گیا ہے۔ یا کا الف اور نقطے موجود ہیں۔

جالی شریف سے یا کو کاٹا گیا ہے لیکن شان قدرت اعجاز مصطفےٰ
علیہ التحیۃ والثناء دیکھیں کہ اصحاب صفہ کے چبوترے پر بیٹھیں اور سامنے دیکھیں
روضہ مطہرہ کے دیوار یعنی حجرۂ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دیوار کی مغربی
جانب نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المومنین یا محمد اس طرح تحریر ہے!



مغربی جانب خوخہ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور باب رحمت
کے درمیان دو جگہ تحریر ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا من کرمہ اللہ
باب جبرائیل سے اندر داخل ہو کر شمالی جانب دیکھیں حجرہ کی دیوار
پر مغربی جانب تحریر ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا من شرفہ اللہ

دیوار پر مشرقی جانب تحریر ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا صفی اللہ

باب جبرائیل سے اندر داخل ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھیں تو دیوار پر
تین جگہ ندائیہ کلمات سے درود پاک تحریر کردہ ملے گا۔

- ایک جگہ —— الصلوٰۃ والسلام علیک یا من علمہ اللہ
- دوسری جگہ —— الصلوٰۃ والسلام علیک یا خلیل اللہ
- تیسری جگہ —— الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین

مغربی جانب باب السلام سے اندر داخل ہوں تو باہر کی جانب
ہی یعنی اندر داخل ہونے سے قبل دائیں جانب یا رسول اللہ اور
بائیں جانب سلام علیک کے الفاظ مبارکہ بہت جلی قلم سے تحریر کردہ

نظر آتے ہیں۔ لیکن ترکی دروازہ کے ارد گرد سعودیہ نے نیا دروازہ تعمیر
کر دیا ہے اس لئے باب السلام پر تحریر کردہ عبارات کو مکمل طور پر پڑھنا
ممکن نہیں رہا۔

یہ ان لوگوں کے لئے مقام تفکر ہے جو مساجد سے الصلوٰۃ والسلام
علیک یارسول اللہ کے بورڈ اتار کر اور یامحمد کے لفظ یا کو مٹا کر بغضِ مصطفٰے
اور رسول دشمنی کے مرتکب، سیاہ دل اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے
کے باوجود محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی ذریت معنوی کے اطوار کو اپنے لیے
مشعل راہ سمجھتے ہیں اور اس کے طریقہ کو ہی حق سمجھتے ہیں۔ بڑا سادہ
بھولا بن کر جہلاء کو کہا جاتا ہے دیکھو جی وہاں پاک جگہ جو ہو رہا ہے وہی
کرنا چاہیئے۔

یہ دلیل ناقص ترین ہے کیونکہ اسی پاک جگہ یعنی کعبہ شریف میں بتوں
کو رکھ کر ان کے سامنے سجدہ بھی ہوتا رہا۔ اور زمانہ جاہلیت میں ننگے
طواف بھی ہوتا رہا۔

اب بھی وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی معمولی جھلک دیکھیں۔
قرآن پاک کے ساتھ جوتے رکھے ہوتے ہیں۔ کعبہ شریف کی طرف
پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہیں کعبہ شریف سامنے ہوتا ہے پھر بھی پاؤں کعبہ شریف
کی طرف پھیلائے ہوتے ہیں اور آگے جوتے رکھے ہوتے ہیں۔
پاؤں اور جوتے کے درمیان قرآن پاک رکھا ہوتا ہے سعودی پولیس کے
سپاہیوں کو کئی مرتبہ دیکھا وہ ان الماریوں، کیسوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں

قرآن پاک رکھے ہوئے ہیں باب عبدالعزیز سے اندر جاتے ہوئے قرآن
پاک جہاں رکھے ہوتے ہیں وہاں تین دن ایک سپاہی کو کرسی پر بیٹھے ہوئے
دیکھا جو قرآن پاک کی الماری کے ساتھ کرسی رکھ کر بیٹھا ہوا ہے بلند ہو رہا ہے
اور اس کے پاؤں کو حرکت دینے کی وجہ سے اس کے پاؤں بار بار قرآن پاک
کو مس کر رہے ہیں لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں نماز میں ہاتھ پاؤں کو اس طرح
حرکت دیتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔
لیکن انہیں کوئی پرواہ نہیں کسی کے گلے میں تعویز ہو اسے کاٹ کر
پھینک دیا جاتا ہے۔ خواہ اس پر قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ ہی کیوں
نہ لکھے، ہوں اخلاق کا نام ونشان نہیں۔

یہ دلیل دینے والے کہ جو کام وہاں ہوتا ہے وہی عین ایمان ہے"
شائد بھول جاتے ہیں کہ وہاں تو اقامت میں اشہدان لاالہ الا اللہ اور اسی طرح دو
دو مرتبہ کہنے والے الفاظ ایک ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ ان
کے طرز عمل کے برخلاف ہیں۔
نماز جنازہ میں سلام ایک طرف پھیرا جاتا ہے۔ لیکن یہ حضرات دو طرف
سلام پھیرتے ہیں گویا ہر بات میں یہ بھی ان کی اقتدا نہیں
کرتے۔ ۔ روضہ مطہرہ کی طرف منہ کر کے دعا نہیں کرنے دیتے،

روضہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہو کر زیادہ دیر درود پاک پڑھنا ان کو
ناگوار گزرتا ہے۔ محراب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے قدم مبارک

کی جگہ سجدہ کرنے سے ممانعت اس طرح کی گئی ہے کہ وہاں قرآن پاک رکھ دیئے گئے ہیں ایسی تمام حرکات کو دین سے کوئی واسطہ نہیں یہ صرف محبتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنار کو دلوں سے مٹانے کے ہتھکنڈے ہیں۔

حج کرنے سے بفضلہٖ تعالیٰ میرے ایمان میں پختگی آئی ہے۔ جہلار کا ایمان متزلزل ہوتا ہے اس لیے کہ حج کے مناسک سے عظمت انبیار، عظمت صحابہ کرام اور محبتِ مقبولانِ باری تعالیٰ کا سبق ملتا ہے بخلاف اس کے سعودیہ کے شاہی فرمان کے سامنے سر جھکانے والے اسی عظمت و محبت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔

آفاقی حاجی طواف قدوم میں رمل کرتا ہے یعنی پہلوانوں کی طرح کندھے کو ہلا ہلا کر تیز چلتا ہے ایسا کیوں کرتا ہے جب کہ مسجد میں آرام اور پُروقار طریقہ سے چلنا ضروری ہے اگر جماعت ہو رہی ہو امام رکوع میں چلا جائے پھر بھی جماعت سے ملنے والا آرام سے چلے تاکہ تیز چلنے سے مسجد کی بے ادبی نہ ہو لیکن حاجی اس مسجد میں تیز تیز چل رہا ہے جس میں ایک نماز لاکھ نماز کے برابر ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یاد کو قائم رکھنا مقصود ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مشرکین پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کیا کہ مسلمانوں کی طاقت ایمانی میں کوئی فرق نہیں اگرچہ جسمانی لحاظ پر ضعف آگیا۔ آج حاجی کسی مشرک کو اپنی طاقت نہیں دکھا رہا ہوتا بلکہ صرف عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنار اور عظمت صحابہ کرام کو یاد کر کے اپنے ایمان کو پختہ کرتا ہے۔

اگر میرے پیارے مصطفےٰ اور یارانِ مصطفےٰ ایسا نہ کرتے تو ہم بھی یہ کام کبھی نہ کرتے لیکن آپ نے بیشک کسی وجہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کام کیا ہم تو آپ کی ادا کو یاد کر کے اپنی بگڑی بناتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے فرمایا۔

"میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے ذاتی طور پر تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان لیکن تجھے میرے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چوما اس لئے میں بھی تجھے چوم رہا ہوں"

سبحان اللہ جب حجر اسود کو میرے حبیب نے چوما وہ بھی باعثِ برکت بن گیا حجر اسود کو چومنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکے دینا ناجائز ہے کیونکہ حجر اسود کو چومنا سنت ہے اور لوگوں کو ایذا نہ پہنچانا واجب ہے۔ اسی وجہ سے سید الانبیار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم ایک جسیم آدمی ہو حجر اسود کو چومنے کے لیے کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔ لیکن مقامِ افسوس یہ ہے کہ دین کے ٹھیکیدار توحید کے علمبردار مقام ابراہیم اور رکن یمانی کے پاس کھڑے ہو کر چومنے والوں کو حرام حرام کے فتوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ عورتوں کو اپنے ہاتھوں سے [illegible]یل دھکیل کر امر مباح بلکہ مستحب سے روک کر خود غیر محرمات کو چھو کر مسجد حرام میں حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں لیکن حجر اسود پر ایک دوسرے کو دھکے دینے، کہنیاں مارنے، ادھر ادھر گرانے والے جو فی الواقع حرام کام کر رہے ہوتے ہیں ان کو کوئی روکنے والا نہیں کوئی فتویٰ سنانے والا نہیں عورتیں

مردوں میں دب جاتی ہیں بلکہ پس کر نکلتی ہیں یا حجر اسود تک کئی مردوں کو
گناہگار کر کے رسائی حاصل کرتی ہیں ان کو فتویٰ سنانے والا کوئی نظر نہیں آتا
جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کا کام حرام کاموں سے روکنا نہیں بلکہ
صرف عظمت انبیاء پر ڈاکہ ڈالنا مقصود ہوتا ہے ۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کا منظر بھی ایک عجیب کیفیت کا ہوتا ہے
ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، شاہ و گدا، غنی و فقیر
امیر و غریب تمام ہی دیوانہ وار صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے چکر
لگا رہے ہیں دونوں کے درمیان جہاں سبز رنگ کی بجلی کی ٹیوب روشن
ہیں وہاں مرد دوڑ رہے ہوتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے ۔ اس کی ایک
ہی وجہ ہے زوجہ خلیل علیہ السلام، مادر اسمعیل علیہ السلام کی یاد کو تازہ
رکھنا مقصود ہے ۔

جب وہاں کوئی آبادی نہیں تھی بیابان جنگل تھا، اللہ کے حکم سے حضرت
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچے حضرت
اسمعیل علیہ السلام کو سرزمین حرم میں چھوڑ کر واپس چلے گئے، حضرت
ہاجرہ کے پاس حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرف سے دیا ہوا
توشہ چند کھجوریں اور تھوڑا سا پانی ختم ہو گیا اس وقت بچے کی بھوک و
پیاس کی وجہ سے بے قراری کو دیکھ کر آپ کبھی صفا پہ چڑھتی ہیں کبھی
مروہ پہ کہیں کوئی آدمی نظر آجائے یا کوئی بستی نظر آجائے جب درمیان
میں آتی ہیں جس جگہ سے بچہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے آپ دوڑتی

ہیں ۔ آج حاجی صرف آپ کی عظمت کے پیش نظر آپ کی یاد کو تازہ رکھنے
کے لیے دوڑ رہا ہے ۔ صفا و مروہ کے چکر لگا رہا ہے ۔ بلکہ حج کا یہ واجب
ہے اس کے بغیر حج نامکمل رہتا ہے ۔

حج فقط انبیاء کرام، مقبولان خدا کی یادوں کو تازہ رکھنے کا نام ہے
حقیقت ہے جب یہ تصور کیا جائے کہ یہاں کوئی مکان نہیں تھا آبادی
کا نام و نشان نہیں تھا کسی انسان کا یہاں مسکن نہیں تھا کعبہ شریف کے
پاس آکر تصور کریں صفا و مروہ جبل ابی قبیس، شعب ابی طالب، محلہ
بنو ہاشم غرضیکہ ہر طرف پہاڑوں کا جال بچھا ہوا نظر آئے گا کعبہ شریف
درمیان میں ۔ اس منظر کو دیکھتے ہی بے ساختہ کہنا پڑتا ہے یہ اللہ کے نبی
کا کام تھا ایسے ہولناک منظر میں اللہ کے حکم سے اپنی زوجہ اور اپنے شیر خوار
بچے کو اکیلے چھوڑ جانا عام انسان کا کام نہیں ۔

اسی طرح جمرات پر کنکریاں مارنے کا عجیب منظر ہوتا ہے ہجوم اتنا
ہوتا ہے کہ انسان اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ہی یہ کام کر سکتا ہے لیکن ۔
پھر بھی انسان اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر پتھروں کے بنے ہوئے نشانوں
کو دیوانہ وار کنکریاں مار رہا ہے یہ بڑا شیطان ہے یہ چھوٹے شیطان
ہیں ۔ حالانکہ وہاں شیطان نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے نبی حضرت ابراھیم
خلیل اللہ علیہ السلام کی یاد کو برقرار رکھنے کے لیے یہ کام حج کا واجب
بن گیا جس کے ادا کیے بغیر حج مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت ابراہیم اپنے
خواب پر عمل کرنے کے لیے جب حضرت اسمعیل کو ذبح کرنے کے لیے

لے جارہے ہیں شیطان آپ کو روکنے کے لیے ناصح کی شکل میں آیا کہ آپ
ایک خواب پر بیٹے کو ذبح کر دیں گے ہو سکتا ہے یہ شیطانی وسوسہ ہو
لیکن ابراہیم خلیل اللہ نے شیطان کو چلتے چلتے پتھر مارے اے شیطان
دور ہو جا، رب کے بندوں کو تو دھوکا نہیں دے سکتا۔ سبحان اللہ
حضرت ابراہیم کی یہ ادا کتنی پسند آئی اس کو ہمیشہ کے لیے جاری ساری
کر دیا۔ قیامت تک آنے والے حاجی اس پر عمل کئے بغیر اپنے حج
کی تکمیل نہیں کر سکیں گے۔

میدان عرفات کے ریگستان اور مزدلفہ کی چٹانوں پر امیر و غریب،
ہر مرد و زن کو قیام کیے ہوئے دیکھنے پر بلا تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کو
اپنے مقبولان کی ادائیں کتنی پسند آئیں کہیں حضرت آدم علیہ السلام
اور حضرت حوا کے ملنے اور ایک دوسرے کو پہچاننے کی ادا کو قائم رکھنے
کے لیے ان مقاموں پر حاجیوں کو قیام کرنے کا حکم۔ کہیں حضرت ابراہیم کی
یاد کو قائم کرا دیا۔ کہیں حضرت ہاجرہ کی ادا کو پسند کیا اور کہیں میرے پیارے
حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء اور آپ کے صحابہ کرام کی ادا کو ہمیشہ کے
لیے جاری کر دیا۔

حقیقت ہے کہ حج مقبولان خدا کی عظمت کی یاد کے بغیر کسی اور
عبادت کا نام نہیں لہٰذا یہ دلیل ہمارے لئے قابل قبول ہے کہ وہ کام
کیا جائے جو وہاں پاک جگہ (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ) میں ہوتا ہے۔ سبحان اللہ
وہاں حج ہوتا ہے جو عظمت مقبولان خدا کا سبق دیتا ہے اسی حج کے

دیئے ہوئے سبق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہی ہم ان لوگوں کا مورد طعن و
تشنیع بنتے ہیں جو سعودی باشندوں کے اقوال و افعال کے مطابق عمل کرنا
ذریعہ نجات سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے عقائد محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے حاصل
کئے ہوتے ہیں جو ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہدایۃ المستفید صفحہ ۱۴ تقریظ
پر مولوی محمد اسحٰق صاحب بھٹی تحریر کرتے ہیں،

"محمد ابن (عبدالوہاب) کی صدائے حق پر سعودی خاندان میں جس نے سب
سے پہلے لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پھیلانے کا عہد کیا
وہ موجودہ سعودی سلطنت کے ایک بزرگ امیر محمد بن سعود تھے، آپ نے
باقاعدہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے حلقہ بیعت میں شامل ہونے
کا شرف حاصل کیا۔" صفحہ ۱۵ پر یوں رقمطراز ہیں۔ "انہوں نے شیخ
سے جو پیمان باندھا اس پر نہ صرف وہ ذاتی طور پہ قائم رہے بلکہ آج تک
خاندان سعود اور آل شیخ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں"۔ ان تحریر کردہ
عبارات سے واضح ہوا کہ سعودیہ خاندان کے لوگ اور ان کے متبعین
محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں۔

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق اکابر علماء اور فقہاء کی رائے دیکھیے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا قتل اهل السنة وقتل علمائهم ۝

ردالمحتار جلد ۳ ص ۳۰۹

جیسا ہمارے زمانے میں واقع ہوا محمد بن عبدالوہاب کے متبعین کو دیکھیے کہ وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آ گئے وہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن وہ اپنے عقیدہ میں صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور باقی تمام مشرک ہیں یعنی اپنے مخالفین کو مشرک سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح قرار دیا ہے۔

سید انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند کی رائے یہ ہے۔

امام محمد بن عبد الوهاب النجدی فکانه کان رجلا بلیدا قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ۝

فیض الباری جلد ۱ ص ۱۷۱

یوں معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی بے وقوف شخص اور کم علم تھا دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد باز تھا آج اس کے پیروکار بھی ان صفات کے کامل حامل ہیں بلکہ ان تمام صفات میں اس سے دو قدم آگے ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی کی رائے پہلے تحریر کی جا چکی ہے آپ کی نظر میں اس کے تمام متبعین خبیثہ ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں جابجا وہابیہ خبیثہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ محمد ابن عبدالوہاب اور اس کے گروہ نامسعود کے مظالم کو حضرت علامہ مولانا شاہ فضل رسول صاحب نے سیف الجبار میں مفصل تحریر فرمائے آپ کی اسی کتاب سے چند اقتباس تحریر کیے جاتے ہیں۔

"نجدی بے دین ہے اس کے ساتھ کوئی مقابلہ کریں چاروں طرف سے کمال سفاکی اور بے باکی کے ساتھ مسجد حرام میں گھسے۔ سیف الجبار ص ۴۴ حکم دیا کہ اہل مکہ پہاڑوں سے آ کر اپنے گھروں میں آباد ہوں مگر جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو اس کو مار ڈالو لیکن مکہ کے شریفوں کی قوم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت اور سیادت ان کی صحیح اور تمام عالم میں معتبر کسی کو امان نہیں دیا کیا مرد، کیا عورت، کیا چھوٹا، کیا بڑا جہاں پاؤ مار ڈالو ص ۴۴، ۴۵ لوٹ مار کے سوا مساجد مقدسہ اور مقابر متبرکہ اور آثار صحابہ و اہل بیت سب مسمار کر ڈالے ص ۴۵ یہ غضب دیکھو کہ مسجد قبا میں بھی ان ملحدوں نے کمال بے ادبی کی آخر کو روضہ مقدسہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کہ صنم اکبر نام رکھا تھا۔ ارادہ ڈھانے کا کیا اور ایک جماعت نیت ناپاک سے وہاں گئی چاہی کہ دروازہ کھولا ایک اژدہا کی پھنکار کی آواز آئی کہ سب خاک سیاہ ہو گئے اور روح ناپاک ان کی دوزخ میں پہنچی۔ ص ۴۶

حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے کم علم لوگوں کو اس طرح گمراہ کیا
جاتا ہے کہ بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایجاد کردہ ہے۔
اس سے پہلے یہ مسلک نہیں تھا لہٰذا یہ مسلک نیا ہے اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے دین متین سے کوئی تعلق نہیں۔

باعث تعجب وحیرت یہ بات ہے کہ یہ گمراہ کن دلیل تو ان پر
بھی صادق آئے گی کہ دیوبندی مسلک کی ابتدا مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب
سے ہوئی کیونکہ وہ مدرسہ دیوبند کے بانی و مہتمم تھے لہٰذا یہ مسلک
بھی جدید ہوگا اور دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی واسطہ
نہیں ہوگا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بعض
ناسخ بعض منسوخ کیونکہ بعض اقوال وافعال ابتدائی دور کے بعض اس
کے بعد کے اسی طرح راویوں کے لحاظ پر احادیث کی قسمیں ثبوت احکام
کے لیے معرض وجود میں آئیں۔ ان میں آئمہ کرام نے اجتہاد کیا کہ کس
حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور کس حدیث پر غیر اولیٰ اس طرح آئمہ کرام
کے اجتہاد پر کوئی مذہب حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی کوئی حنبلی کہلانے
لگا۔ معاذ اللہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی،
امام احمد حنبل سے پہلے یہ مذاہب نہیں تھے لہٰذا یہ دین اسلام سے
دور ہیں۔

بلکہ اسی دین کی وضاحت ان مذاہب میں موجود ہے۔ اصول سب

کے نزدیک اتفاقی ہیں فروع میں اختلاف ہے ایسے اختلاف کو
ہی حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء نے باعث رحمت قرار دیا۔

واصل بن عطاء رئیس معتزلہ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی
مجلس سے ہٹ گیا یا راہ راست سے بھٹک جانے کی وجہ سے
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قد اعتزل عنا بیشک وہ
ہم سے دور ہو گیا اس فرقہ کا نام ہی اس اعتزال کی وجہ سے معتزلہ رکھا
گیا۔ وقیل سموبہ لاعتزالھم عن الحق (نبراس)

بعض حضرات نے کہا ان کو دین حق سے دور ہونے کی وجہ سے
معتزلہ کہا گیا ہے۔ اس مذہب کے رد کرنے والے علماء کرام میں سے
ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا
کئی مسائل میں اختلاف ہوا۔ پھر جن حضرات نے ابوالحسن اشعری کی
تحقیق سے اتفاق کیا ان کو اشاعرہ کہا گیا اور جن حضرات نے ابو منصور
ماتریدی کی تحقیق سے اتفاق کیا ان ماتریدیہ کہا گیا دونوں طرف جلیل القدر
علماء کرام ہیں۔

اب اگر کوئی شخص اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ کہے کہ ابوالحسن اور
ابو منصور سے پہلے یہ اشاعرہ اور ماتریدیہ نہیں تھے۔ لہٰذا یہ دونوں
مسلک دین سے معاذ اللہ دور ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی
دین پر قائم ہی نہ ہو کیونکہ معتزلہ تو دین حق سے پھر جانے کی وجہ سے
معتزلہ کہلائے اور اشاعرہ ماتریدیہ معاذ اللہ جہلاء کی باطل دلیل

کی وجہ سے دین دار نہ رہے پھر دین پر کون ہو گا۔ سمجھ آیا کہ یہ
دلیل ہی ناقص ہے اور جہالت و حماقت کی علامت ہے معتزلہ کے
چند عقائد یہ ہیں:

○ بعض معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک میت
پتھر کی طرح ہوتا ہے اسے قبر میں زندگی حاصل نہیں ہوتی۔

○ اعمال کا وزن نہیں ہو گا گویا وہ قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ
والوزن یومئذ الحق کو مؤول کرتے ہیں۔ قیامت کے
دن اعمال کے وزن کئے جانے کے منکر ہیں مومنوں کا اعمال نامہ
ان کے دائیں ہاتھوں میں اور کفار کے بائیں ہاتھوں میں دیئے
جانے کے منکر ہیں۔

○ پُل صراط سے گزرنے کے وہ قائل نہیں بلکہ اس کو عذاب
سے تعبیر کرتے ہیں۔

○ جنّت اور دوزخ ان کے نزدیک ابھی مخلوق نہیں ہیں
بلکہ یوم جزاء کو پیدا کی جائیں گی۔

○ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ان کے نزدیک نہ مومن ہوتا ہے
اور نہ کافر۔

○ کبیرہ گناہ کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بھی معاف نہیں کرے
گا بلکہ فقط توبہ سے معاف ہو سکتا ہے۔

○ بعض معتزلہ کے نزدیک اگر کبائر سے اجتناب کیا جائے

تو صغائر پر مؤاخذہ اور عذاب نہیں ہو گا۔

معتزلہ کے نزدیک کبائر گناہوں کے مرتکبین ایک مرتبہ جہنم میں
داخل ہوئے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

زندہ کی دعا مردہ کو کوئی فائدہ نہیں دیتی یہ معتزلہ کا عقیدہ
قرآن و حدیث کے مخالف ہے۔ انبیاء کرام، شہداء، صلحاء اتقیاء کی
شفاعت اہل کبائر کے لیے احادیث مشہورہ سے ثابت ہے لیکن
وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

بعض فرقوں نے جب معتزلہ کے چند عقائد کو صحیح سمجھ لیا۔
اور اسی طرح بعض وہ احادیث جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی عجز و انکساری والی کلام ہے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
حقیقی شان سمجھنے لگے۔

بعض احادیث کو مشائخ نے موضوع قرار دیا اور بطور رد
اپنی کتب میں درج کیا ان احادیث کو بعض لوگوں نے اپنے باطل
عقائد پر دلائل کے طور پر پیش کرتے ہوئے ان مشائخ کی طرف
ہی منسوب کیا جنہوں نے ان کا رد کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت گھٹیا اور گستاخانہ
عبارات پیش کیں۔

تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان
کا رد کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان کو واضح کیا اور

باطل فرقوں کا رد کیا معاذ اللہ آپ نے کوئی نیا دین نہیں ایجاد
کیا بلکہ شریعت محمدی کی وضاحت فرمائی وہ لوگ جنہوں نے حقیقت
کو سمجھتے ہوئے آپ کی تحقیق کو حق سمجھا اور آپ سے اتفاق
کیا وہ بریلوی کہلانے لگے جس طرح علماء دیوبند کی تحقیقات سے
اتفاق کرنے والے دیوبندی کہلانے لگے۔

میں نے اس کتاب میں تقریباً وہی مسائل تحریر کئے ہیں جو
بریلوی حضرات کے عقائد ہیں لیکن میں نے کوئی حوالہ اعلیٰ حضرت
مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل نہیں
کیا بلکہ قرآن و احادیث اور سلف صالحین کی کتب سے ہی دلائل
پیش کئے یا کہیں کہیں علماء دیوبند کی کتب سے کچھ عبارات
نقل کیں۔

بخوبی واضح ہو جائے گا کہ یہ اعتراض لغو، بے ہودہ اور حقیقت
سے دور ہے کہ بریلوی عقیدہ مولوی بریلوی کا ایجاد کردہ ہے۔
بریلوی عقیدہ قرآن و احادیث کے مطابق ہے سلف صالحین
کے عقائد کے عین مطابق ہے،

اب ذیل میں چند وہ عبارات نقل کی جاتی ہیں جو باعث
نزاع بنیں، جن کو دیکھ کر ہر ذی شعور منصف مزاج پر واضح ہو
جائے گا کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے
ان عبارات کا رد کر کے غلامیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کیا ہے

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جاتا ہے
اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت یہ امر ہے کہ اس غیب سے
مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں
تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو
بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی
حاصل ہے۔ (حفظ الایمان ص ۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو عام انسان، چوپائے،
جمیع حیوانات (یعنی جن میں گدھے، کتے اور بندر بھی شامل
ہیں) کے علم جیسا کہا گیا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپ کے
علم کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینا حماقت و
جہالت نہیں تو اور کیا۔

اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے
کا علم نہیں۔ (براھین قاطعہ ص ۵۵)

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کو متشابہات
سے قرار دیا اور کہا کہ اس میں ہمیں مجال نہیں کہ ہم اس میں
دخل دیں لیکن یار لوگوں نے اسے نفی علم غیب پر دلیل بنا لیا۔ گویا
خود تو اندھے تھے لیکن تمام کو اندھا بنانے کی کوشش کی گئی۔

الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر
علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض

قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے۔ (براھین قاطعہ ص۵۵)

اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک الموت اور شیطان کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ وسیع مانا ہے۔

مصنفِ کتاب کے نزدیک شیطان کا علم نص قطعی سے ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم معاذ اللہ نص قطعی سے ثابت نہیں گویا شیطان کے علم کی وسعت مانی جا سکتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت قابلِ قبول نہیں۔ سبحان اللہ جس سے محبت ہو اسی کا علم وسیع نظر آئے گا۔

(از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوی شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشد بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است
(صراط مستقیم فارسی ص۸۶)

زنا کے وسوسہ سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔ (صراط مستقیم اردو ص۱۲۶)

اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں زنا کے خیال سے اپنی بی بی سے مجامعت کا خیال کرنا بہتر ہے۔ اور کسی بزرگ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال آنے سے بھی بہت برا ہے۔

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے بغیر نماز نامکمل ہے کیونکہ فقہاء کرام کا تقریباً اتفاق ہے کہ نمازی جب السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ پڑھے اس وقت یہ خیال کرے کہ میں اب حضور سے مخاطب ہو کر آپ پر درود پاک بھیج رہا ہوں۔ یہ خیال کرنے کے بغیر نامکمل ہے۔

نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آخری مرض وصال میں جب دوران نماز مسجد میں تشریف لائے تمام صحابہ کرام آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہاتھ پہ ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کرنے لگے لیکن ان کی نماز باطل نہیں ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سجدہ کرنا آپ کی ظاہری زندگی میں بھی منع تھا اور بعد از وصال بھی منع ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وہ سامنے ہے تازہ نو بہار دل ہے سجدہ کو بیقرار
روکئے سر کو روکئے یہی تو امتحان ہے

لیکن اس کے برعکس سر تو کعبہ کی طرف جھکے اور دل حبیب

پاک علیہ التحیۃ والثناء کی طرف متوجہ ہونا عین ایمان ہے اور نماز
کے کامل ہونے کا ذریعہ ہے۔

مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دل جھکا سوئے حرم سر جھکا سوئے کوئے مصطفیٰ
دل کا بھی خدا بھلا کرے یہ نہیں کسی کے اختیار میں

یقین سے جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے
چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان ص ۱۰)

اس عبارت میں معاذ اللہ تمام اولیاء کرام، صحابہ کرام، انبیاء کرام کو
چمار سے ذلیل کہا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رب کے محبوبین عظیم ترین ہیں ان کی
شان کو سمجھنے کے لیے بصیرت ایمانی کی ضرورت ہے اس طرح کی
عبارات سنگ دل، محبتِ محبوبانِ خدا سے دور شخص ہی تحریر کر
سکتا ہے۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویۃ الایمان ص ۴۱)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے تمام
اختیارات کی نفی کی گئی ہے حالانکہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء سے
جب یہ سوال کیا گیا کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے فرمایا
اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا تمہیں اس کے
ادا کرنے کی طاقت نہ ہوتی۔

اولیاء و انبیاء امام و امام زادہ، پیر و شہید جتنے اللہ کے مقرب
بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے
بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان
کی فرماں برداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں۔
(تقویۃ الایمان ص ۴۲)

اس عبارت کی سنگینی کا ہر اردو خوان اندازہ کر سکتا ہے کہ
انبیاء کرام کو اپنا بھائی کہہ کر شان انبیاء کرام میں کتنی گستاخی کی گئی ہے

سوال: بعض لوگوں میں دستور ہے کہ جس وقت موتی کو
دفن کر کے آتے ہیں اس کے گھر والے اس وقت فاتحہ پڑھتے
ہیں۔ یہ فعل فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب: اس فاتحہ کا ثبوت کچھ نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۴۷)

فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مسلک اپنایا
گیا ہے۔ شاید اس لیے یہ مسلک اپنایا گیا ہے کہ کوئی بخشا نہ جائے
فوت شدہ سے بھی عناد۔ نعوذ باللہ من ذالک اس طرح کی
کئی عبارات ایسی ہیں جن میں یا تو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی
گستاخی کا پہلو نکلتا ہے یا وہ سلف صالحین کے مسلک کے خلاف
معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہیں یا عبدالوہاب نجدی کے عقیدہ کے
مطابق ہیں۔

ایسی عبارات کے رد کرنے والے عظیم شخص کا نام مولانا

احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور اس ہستی کی تحقیق کو صحیح سمجھنے والے بریلوی کہلاتے ہیں۔

میں قارئین کرام کو دعوت فکر دیتے ہوئے انصاف کی امید کرتا ہوں کہ وہ خود فیصلہ فرمائیں کہ اس کتاب میں درج شدہ تمام عقائد بریلوی حضرات کے ہیں لیکن کوئی مسئلہ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب سے نہیں ثابت کیا بلکہ قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کی کتب سے مسائل کی وضاحت کی ہے جس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مذہب، مسلک، عقیدہ کو ایجاد نہیں کیا معاذ اللہ جو قرآن و احادیث کے خلاف ہو بلکہ بعض حضرات کی بھول اور غلط استدلالات کو رد کر کے قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم پیش کیا اعلیٰ حضرت کی پیدائش سے پہلے بھی ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ تھا بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ دعا بھی یہی ہے کہ اے اللہ جس طرح تو نے مجھے حق راہ کا علم عطا فرمایا اسی طرح مجھے اس پر تا حیات قائم رکھ مجھے محمد ابن عبد الوہاب نجدی کے عقیدہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور رکھ اور میرے بچوں کو بھی اپنے اسلاف کے عقیدہ پر قائم رکھ (آمین ثم آمین)

(عبد الرزاق بھترالوی حطاروی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبین رحمۃ للعلمین وعلی الہ واصحابہ اجمعین ۰ اما بعد ۰ فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ط تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض منہم من کلم اللہ ورفع بعضہم درجت ط

ترجمہ :۔ یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

اس آیۃ کریمہ میں جس ہستی کو ورفع بعضہم درجت سے ذکر فرمایا وہ ہیں سید الانبیاء محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اس پر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں کئی دلیلیں ذکر کی ہیں جن سے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام انبیاء سے افضلیت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ ان دلائل سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

اس آیۃ کریمہ سے واضح ہوا کہ جو تمام جہان کے لیے رحمت ہو اس کا تمام جہان سے افضل ہونا بھی لازم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی :۔ ورفعنا لک ذکرک ۰

:۔ اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔

ذکر کی بلندی کا یہ عالم کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو ذکر کیا، شہادت میں اذان میں تشہد میں
دوسرے انبیاء کرام کا اس طرح ذکر نہیں یعنی رفعتِ ذکر افضلیت
پر دلالت کر رہی ہے کہ جس کا ذکر سب سے بلند ہو گا وہ سب
سے زیادہ افضل ہو گا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی طاعت کو مقارن کیا،

ارشاد فرمایا مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت کے ساتھ حبیب پاک
علیہ التحیۃ والثناء کی بیعت کو متصل کیا ذکر فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۝

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے
ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ متصل آپ کی
عزت کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ؎

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ۝

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کیلئے ہے۔

اور رب قدوس نے اپنی رضا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
رضا کے اتصال کو ان الفاظ مبارکہ سے ذکر فرمایا۔

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ ۝

اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔

اسی طرح مالک الملک نے اپنی اجابت کے ساتھ نبی مکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی اجابت کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ ۝

اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔

یہ تمام آیات مبارکہ دلالت کر رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
تمام انبیاء کرام اور تمام کائنات سے افضل ہیں۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ لوگوں
سے کہیں کہ اگر تمہیں قرآن پاک میں شک ہے تو قرآن پاک کی ایک
چھوٹی سورۃ جیسی سورۃ بنا کر دکھاؤ۔

ان الفاظ سے چیلنج کیا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ

تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ۔ سب سے چھوٹی سورۃ،
سورۃ کوثر ہے جس کی تین آیتیں ہیں۔ گویا کہ ان کو تین آیات لانے
کا چیلنج کیا گیا۔

تمام قرآن پاک جو چھ ہزار آیات سے زائد پر مشتمل ہے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تو اس طرح اس ایک معجزہ کے ضمن

میں ہی فقط دو ہزار سے زائد معجزات موجود ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کثیر معجزات ہیں تو یقیناً آپ کو فضیلت حاصل ہے۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن پاک ہے جو تمام کلاموں سے افضل ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تمام انبیاء کرام کے معجزات سے افضل ہے تو آپ کو تمام انبیاء کرام پر افضلیت کا حاصل ہونا بھی یقینی امر ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ چلو۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے انبیاء کرام کی اقتدا کرنے کا حکم فرمایا۔

اس کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ آپ کو پہلے انبیاء کرام کی اصول دین میں اقتدار کا حکم دیا گیا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ تقلید ہے آپ نہ ہی دوسرے انبیاء کرام کے مقلد ہیں اور نہ ہی اصول دین میں تقلید ہے۔

اور اگر یہ مطلب لیا جائے کہ آپ کو فروع دین میں اقتدار کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ آپ کی شریعت پہلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اس سے مراد فقط ایک ہی صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ آپ کو محاسن اخلاق کی اقتدار کا حکم دیا ہو گویا اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا مطلب اس طرح ہو گا۔

اِنَّا اَطْلَعْنَاكَ عَلٰى اَحْوَالِهِمْ وَسِیَرِهِمْ فَاخْتَرْ اَنْتَ مِنْهَا اَجْوَدَهَا وَاَحْسَنَهَا ۝

بے شک ہم نے آپ کو ان تمام کے احوال و عادات پر مطلع کر دیا لہٰذا آپ ان کے تمام اخلاق حسنہ عادات جمیلہ اور خصال حمیدہ کو اختیار کریں یعنی آپ ان تمام کی اچھی عادات کی راہ چلیں

وَهٰذَا یَقْتَضِیْ اَنَّهٗ اجْتَمَعَ فِیْهِ مِنَ الْخِصَالِ الْمَرْضِیَّةِ مَا كَانَ مُتَفَرِّقًا فِیْهِمْ فَوَجَبَ اَنْ یَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْهُمْ ۝

اس ارشاد گرامی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام میں متفرق متفرق طور پر جو اخلاق حمیدہ پائے گئے ہیں ان تمام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء میں جمع فرما دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کا رسول بنا کر بھیجا، جس کی وجہ سے آپ کو تمام انبیاء کرام سے زیادہ مشقت حاصل

ہوئی جو آپ کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام
کو فرعون اور اس کی قوم سے ہی فقط خوف حاصل تھا لیکن نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تمام انسانوں اور جنوں کی طرف
رسول بنا کر بھیجا تو آپ نے اکیلے ہی ان کو یا ایہا الکافرون
کے الفاظ سے پکارا جب کہ آپ کے پاس نہ کوئی مال تھا اور
نہ ہی آپ کے کوئی مددگار تھے۔

وہ تمام لوگ آپ کے دشمن ہو گئے لیکن آپ نے ان کی
پرواہ کیے بغیر دین حق کی تبلیغ کو جاری رکھا۔

ایسے حالات میں (جب تمام جن وانس دشمن ہوں)
ارشادات باری تعالیٰ کو اجاگر کرنا آپ کی افضلیت ثابت کرتا ہے

۸- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پہلے تمام دینوں کا ناسخ
ہونے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے زیادتی ثواب کا حامل
ہونے کی وجہ سے تمام دینوں سے افضل ہے۔

لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ آپ کو تمام انبیاء کرام پر افضلیت
حاصل ہے۔

۹- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت
حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۝

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

آپ کی امت کو افضلیت صرف آپ کی متابعت سے ہی حاصل
ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو
تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

جب آپ کی امت کو تمام امتوں پر افضلیت فقط آپ کی اتباع
سے حاصل ہوئی تو ضروری ہے کہ آپ کو تمام انبیاء کرام پر افضلیت
حاصل ہو۔

اس لیے کہ افضلیت تابع افضلیت متبوع کو مستلزم ہے۔

۱۰- بعض انبیاء کرام کو بعض پر کثرت معجزات کی وجہ سے فضیلت
دی گئی کیونکہ معجزات سے انبیاء کرام کے صدق کو دوسروں پر
ظاہر کیا اور ان کی افضلیت معجزات سے ظاہر ہوئی۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو تین ہزار سے زائد معجزات عطا فرمائے
گئے۔ جیسے قلیل طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کرنا، تھوڑے پانی سے
کثیر کو سیراب کرنا، اس قسم کے معجزات کا تعلق آپ کی قدرت
سے ہے۔

بعض معجزات کا تعلق علوم سے ہے جیسے غیبی خبریں دینا اور
قرآن بعض فضائل کا تعلق آپ کی ذات سے ہے جس طرح تمام
عرب سے اعلیٰ نسب والا ہونا سب سے زیادہ شجاع ہونا،

۱۱۔ بیہقی نے فضائل صحابہ میں روایت بیان کی۔
اِنَّہٗ ظَہَرَ عَلِیُّ بْنُ طَالِبٍ مِنْ بَعِیْدٍ فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھٰذَا سَیِّدُ الْعَرَبِ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ اَلَسْتَ اَنْتَ سَیِّدُ الْعَرَبِ ؟ فَقَالَ اَنَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ وَھُوَ سَیِّدُ الْعَرَبِ ۝

حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے سامنے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمام عربیوں کا سردار ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کیا آپ سید العرب نہیں ہیں آپ نے فرمایا میں سید العالمین (تمام جہانوں کا سردار) ہوں اور وہ سید العرب ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر تمام کائنات عالمینؔ میں داخل ہے۔

۱۲۔ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو اس طرح بیان فرمایا۔

ہر حاکم کو اپنی رعیت کے مطابق مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص کو صرف ایک بستی کی حکومت حاصل ہو اسے صرف ان لوگوں کی ضروریات کے مطابق اموال وخزائن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر ایک شخص کو تمام روئے زمین کا حاکم بنا دیا جائے اسے کثیر مال اور خزائن کی ضرورت ہوگی جو تمام روئے زمین کے لوگوں کی ضروریات کی کفالت کر سکے۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو کسی ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جائے تو اسے توحید کے خزائن اور معرفت کے جواہر اس کی رسالت کی ضروریات کے مطابق عطا کئے جائیں گے۔ زمین کے خاص حصہ میں ایک قوم کی طرف بھیجے ہوئے رسول کو روحانی خزانے اس جگہ اور اس قوم کی حاجت کے مطابق عطا کئے جائیں گے۔

وہ ذات مقدس جس کو تمام روئے زمین کے جنوں، انسانوں بلکہ تمام کائنات عالم کا رسول بنایا گیا ہو یقیناً اسے توحید کے خزانے، معرفت کے جواہر، علوم، فصاحت اتنے کثیر عطا کئے ہوں گے جو تمام کائنات عالم کے امور کی کوشش کے مطابق ہوں گے۔

جب تمام انبیاء کرام کو بعض بعض قوموں اور بعض بعض علاقوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات عالم کا رسول بنایا گیا تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو پکارا اس کو ذاتی نام سے پکارا مثلاً آدم علیہ السلام کو کہا یَا اٰدَمُ اسْکُنْ ۝

ابراھیم علیہ السلام کو ان الفاظ سے پکارا۔

وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰاِبْرَاھِیْمُ ۝

موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو یوں ارشاد فرمایا

یَامُوْسٰی اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّکَ ۝

لیکن اس کے برعکس جب بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا تو آپ کو ان کے صفاتی ناموں سے خطاب کیا کہیں فرمایا
یَاَیُّھَا النَّبِیُّ کسی جگہ فرمایا یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام سے زیادہ مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ ہی تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

اعتراض

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی ۝

مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور ارشاد فرمایا۔

لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ ۝

انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ دو ان احادیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

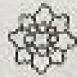
کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

اجمالی جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات عجز و انکساری سے کلام فرمائی اور بعض اوقات اپنا منصب و مقام حقیقتاً بیان فرمایا۔ جن احادیث میں فضیلت دینے سے منع فرمایا ان میں عجز و انکسار ہے اور دوسری احادیث میں آپ نے تمام انبیاء کرام سے اپنی افضلیت کو بھی بیان فرمایا۔

تفصیلی جواب

فضیلت کی نفی میں کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہی ہے جو اجمالی جواب میں بیان کی گئی ہے۔ کچھ وجوہ اور ہیں جن کو تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے۔ ابتداء اسی پہلی وجہ سے کی جا رہی ہے کہ آپ کا کلام بعض اوقات عجز کو ظاہر کرتا ہے اور بعض اوقات حقیقتِ حال کو۔



نبی کریم ﷺ تمام کائنات کے سردار ہیں

عجز وانکسار

لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ ○

انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی ○

مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

بیان حقیقت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ ○

(مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا۔ اس پر کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا۔ اس پر کوئی فخر نہیں۔ اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے سوا میرے جھنڈے کے نیچے ہی ہوں گے۔

تشریح حدیث

سیّد جو تمام قوم سے فضیلت وخیریت میں برتر ہو اسے سیّد کہتے ہیں۔ اسی طرح اور سید کا مطلب یہ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یَفْزَعُ اِلَیْہِ فِی النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ فَیَقُوْمُ بِاَمْرِهِمْ وَیَتَحَمَّلُ عَنْهُمْ مَكَارِهَهُمْ وَیَدْفَعُهَا عَنْهُمْ ○

(نووی شرح مسلم کتاب الفضائل جلد ثانی)

تمام کائنات آپ کی محتاج ہے

سید اسے کہتے ہیں جس کی طرف قوم اپنے مصائب و آلام میں پناہ پکڑے وہ ان کی حاجات کو پورا کرے۔ خود مشقتیں برداشت کر کے ان کی تکالیف کو دور کرے۔

وُلْدِ اٰدَمَ :- ظاہراً اس کا معنی اولاد آدم ہے۔ یعنی تمام اولاد آدم پر مجھے سیادت و فضیلت حاصل ہے۔

اعتراض

اس حدیث پاک سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت آدم علیہ السلام پر نہیں ثابت ہوتی اگرچہ اور انبیاء کرام پر فضیلت ثابت ہو جاتی ہے۔

پہلا جواب

فَاِنَّهُمْ یَسْتَعْمِلُوْنَ وُلْدَ اٰدَمَ بِمَعْنٰی نَوْعِ الْاِنْسَانِ ○

(نبراس)

عربی زبان والے ولد آدم بمعنی نوع انسان کے لیتے ہیں۔ یعنی عام محاورہ کے مطابق صرف اولاد آدم معنی نہیں بلکہ تمام

انسان مراد ہیں جس میں آدم علیہ السلام بھی ہیں اس طرح اب معنی
یہ ہو گا کہ تمام انسانوں پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔

دوسرا جواب اِنَّ لِلْحَدِیْثِ تَتِمَّۃٌ مُوْضِحَۃٌ بِالْمَطْلُوْبِ وَھُوَ قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَمَا مِنْ
نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ ۝

یعنی دوسرا جواب یہ ہے کہ مطلب کو واضح کرنے کے لیے حدیث
پاک کے آخری الفاظ سے تکمیل ہو رہی ہے کہ آدم علیہ السلام اور
آپ کے سوا تمام ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ یعنی
تمام انسان مع انبیاء کرام کے میرے جھنڈے کے نیچے پناہ
لینے پر مجبور ہوں گے۔

یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن کا ذکر فرمایا کہ
مجھے قیامت کے دن سرداری حاصل ہو گی۔ حالانکہ آپ کو دنیا
میں بھی تمام سیادت حاصل ہے پھر قیامت کے دن کے ذکر کرنے
کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت میں آپ کی فضیلت تمام پر
ظاہر ہو جائے گی۔

اِنَّ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یَظْھَرُ سُؤْدَدُہٗ لِکُلِّ اَحَدٍ
وَلَا یَبْقٰی مُنَازِعٌ وَلَا مُعَانِدٌ ۝ (نووی)

بے شک قیامت کے دن آپ کی برتری تمام پر ظاہر ہو جائے
گی کوئی جھگڑا کرنے والا جھگڑا نہیں کرے گا اور کوئی شخص عناد
نہیں کرے گا۔ کیونکہ دنیا میں کفار، مشرکین نے آپ کی افضلیت
کو تسلیم نہیں کیا۔ دنیا میں اگرچہ بہت لوگ آپ کے وسیلہ جلیلہ
کے بغیر براہ راست خدا تک رسائی حاصل کرنے کے دعویدار ہیں
لیکن قیامت کے دن تمام کو ہی حبیب پاک علیہ التحیۃ والثنا کا
وسیلہ تلاش کرنے پڑے گا۔

جب تمام امتوں کو ان کے انبیاء کرام فرمائیں گے
اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
کسی اور کا وسیلہ تلاش کرو۔

اس وقت میرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان
مبارک پر اَنَا لَھَا ہو گا۔

فرمائیں گے اس شفاعت کا میں ہی حق رکھتا ہوں۔ آپ
ہی شفاعت فرمائیں گے۔ اس وقت آپ کی شان رسالت کی
فوقیت واضح ہو جائے گی۔ کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں
ہو گی۔

خلیل و نجی کلیم و مسیح سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کا ذکر کرنا ایسے ہی ہے

جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی اگرچہ آج بھی ہر قسم کی بادشاہی اسی کو حاصل ہے اور تمام چیزیں اسی کی ملکیت ثابت کرتی ہیں اسی طرح مجازاً لوگوں کی طرف ملکیت کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے لیکن قیامت کے دن تمام کی ملکیتیں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی شخص بھی کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ ہی مجازاً کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوگا۔ صرف اللہ تعالیٰ جل وعلاَ کی ہی بادشاہی ہوگی۔ نہ کوئی شخص اس کا انکار کرے گا اور نہ ہی اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکے گا۔

وَلَا فَخْرَ اَیْ وَلَا اَقُوْلُهٗ تَفَاخُرًا بَلْ اِعْتِدَادًا بِفَضْلِهٖ وَتَحَدُّثًا بِنِعْمَتِهٖ وَتَبْلِيْغًا لِمَا اُمِرْتُ بِهٖ ۝

یعنی میں یہ فخر کے طور پر نہیں بیان کر رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت کو بیان کرنے کے لیے ذکر کر رہا ہوں اور جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ امت کو پہچاننے کے لیے ذکر کر رہا ہوں۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیادت کو دو وجہ کے پیش نظر بیان کیا۔

پہلی وجہ

آپ پر اپنے مراتب بیان کرنے ضروری ہوتے ہیں تاکہ آپ کی امت آپ کو پہچان لے اور آپ پر اعتقاد رکھے۔ اور آپ کی عزت وتکریم کرنے کا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اسی طرح اس پر عمل کر سکے۔

دوسری وجہ

اِمْتِثَالًا لِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (نووی)

آپ نے اپنے مراتب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرتے ہوئے بیان فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

اپنے رب کی نعمتوں کو خوب بیان کرو۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی منانا

حصولِ نعمت پر تعریف کرنا باعث شکر ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعًا مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهٖ فَمَنْ اَثْنٰى بِهٖ فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَهٗ فَقَدْ كَفَرَهٗ ۝

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جس شخص کو کوئی عطیہ دیا جائے وہ اگر بدلہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کا بدلہ دے اگر بدلہ دینے کی صلاحیت نہ رکھتا

ہو تو اس کی تعریف کرے۔ یہ تعریف کرنا شکریہ ادا کرنا ہوگا
جس شخص نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حصولِ نعمت پر تعریف کرنا
ذریعہ شکر ہے اور شکر کرنے سے حصولِ نعمت میں زیادتی ہے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ
لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۝

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر احسان
مانو گے (شکریہ ادا کرو گے) تو میں تمہیں اور دوں گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے
شکر کی اصل یہ ہے کہ آدمی نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرے
اور حقیقت شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اس کی تعظیم کے ساتھ
اعتراف کرے اور نفس کو اس کا خوگر بنائے یہاں ایک باریکی
ہے وہ یہ کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے طرح
طرح کے فضل و کرم و احسان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے شکر
میں مشغول ہوتا ہے اس سے نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں اور بندے
کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ مقام بہت
برتر ہے اور اس سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ منعم کی محبت یہاں تک
غالب ہو کہ قلب کو نعمتوں کی طرف التفات باقی نہ رہے۔

یہ مقام صدیقوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں شکر کی توفیق
عطا فرمائے (خزائن العرفان)

اس بیان سے یہ واضح ہوا کہ حصولِ نعمت پر اس کا ذکر کرنا
منعم کی تعریف کرنا شکر ہے اور شکر زیادتی نعمت کا سبب ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد باسعادت بھی نعمت ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۝

جو تم پر اللہ کی نعمت ہے اسے یاد کرو جب تم ایک دوسرے
کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اس
کی نعمت کی وجہ سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ یعنی اسلام
کی بدولت عداوت دور ہو گئی آپس میں دینی محبت پیدا ہوئی
حتیٰ کہ اوس اور خزرج کی وہ مشہور لڑائی جو ایک سو بیس سال سے
جاری تھی اور اس کے سبب رات دن قتل و غارت کی گرم بازاری
رہتی تھی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مٹا
دی اور جنگ کی آگ ٹھنڈی کر دی اور جنگجو قبیلوں میں الفت و
محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ (خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف
لانا بہت بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے صدیوں پرانی عداوتیں

رنجشیں ختم ہو گئیں۔ نعمت کے حصول پر تذکرہ کرنا اور نعمت دینے والے کی تعریف کرنا ضروری ہے تاکہ شکریہ ادا ہو سکے اور نعمتوں کی زیادتی ہو سکے۔

واضح ہوا کہ نبی کریمؐ کی آمد باسعادت کا تذکرہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اس عظیم نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضامندی کا سبب ہے۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رحمت پر خوشی کرنے کا حکم فرمایا رحمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

وَاَخْرَجَ اَبُو الشَّيْخِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ الْفَضْلَ الْعِلْمُ وَالرَّحْمَةَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فضل سے مراد علم اور رحمت سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں

دوسرے مقام پر اور زیادہ واضح طور پر آپ کو خطاب فرماتے ہوئے رب کریم نے آپ کو رحمت کائنات کہا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے۔

وَالَّذِیْ اخْتَارَهٗ اَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثَ رَحْمَةً لِّكُلِّ فَرْدٍ فَرْدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ مَلَائِكَتِهِمْ وَاِنْسِهِمْ وَجِنِّهِمْ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ فِیْ ذٰلِكَ ○

مختار مذہب اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا۔ تمام فرشتوں، انسانوں اور جنوں میں مومن ہوں یا کافر۔

بلکہ روح المعانی میں آپ کی رحمت کو اس طرح ذکر کیا گیا۔

كُلُّ خَيْرٍ فِي الْعَالَمِ فَمِنْ اٰثَارِ النُّبُوَّةِ وَكُلُّ شَرٍّ وَقَعَ فِي الْعَالَمِ اَوْ يَقَعُ فَبِسَبَبِ خَفَاءِ اٰثَارِ النُّبُوَّةِ وَدُرُوْسِهَا فَالْعَالَمُ جَسَدٌ وَرُوْحُهُ النُّبُوَّةُ وَلَا قِيَامَ لِلْجَسَدِ بِدُوْنِ رُوْحِهٖ

جہان میں جو بھی خیر ہے وہ آثار نبوت کی وجہ سے ہے اور جہان میں جو شر بھی واقع ہوا یا واقع ہو گا وہ آثار نبوت کے مخفی ہونے اور مٹ جانے کی وجہ سے کیونکہ تمام جہان جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اسی لیے کہ جسم بغیر روح کے قائم نہیں رہ سکتا۔

جب رحمت پر خوش ہونے کا حکم اللہ تعالٰے نے فرمایا اور اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا بھی قرآن پاک سے ثابت ہے تو یقیناً آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی منانا مشیت ایزدی کے مطابق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منانا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح سوال وجواب کی صورت میں پیش کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سوال یہ کیا گیا کہ ربیع الاول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں کئے جانے والے اعمال کا شرع میں کیا حکم ہے ؟ اچھا ہے یا برا، اس کے کرنے والے کو ثواب حاصل ہو گا یا نہیں آپ نے اس کا جواب یہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن لوگوں کا اجتماع تلاوت قرآن پاک اور آپ کی ولادت کے متعلق ابتدائی واقعات کو بیان کرنا۔ اور آپ کی ولادت پاک پر ظاہر شدہ علامات کو بیان کرنا، پھر کھانے کے

لیے دسترخوان بچھانا یعنی کھانے کی اشیاء تقسیم کرنا اور غیر شرع حرکات کیے بغیر واپس لوٹ جانا۔

هُوَ مِنَ الْبِدَعِ الْحَسَنَةِ الَّتِي يُثَابُ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا لِمَا فِيْهِ مِنْ تَعْظِيْمِ قَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِظْهَارُ الْفَرْحِ وَالْاِسْتِبْشَارِ بِمَوْلِدِهِ الشَّرِيْفِ ⊙

(الحاوی) ج ۱ ص ۱۸۹

یہ اچھی بدعات سے ہے ان پر عمل کرنے والے کو ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ اور آپ کی ولادت پر فرحت و خوشی کا اظہار ہے۔ فرحت وخوشی کا اظہار زیادہ نعمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے واقعات پر مشتمل شیخ ابوالخطاب بن وحید نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام التنویر فی مولد البشیر والنذیر رکھا اس پر اس وقت کے بادشاہ مظفر ابوسعید نے ایک ہزار دینار انعام دیا۔

یہ بادشاہ مظفر ابوسعید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کرتا اور بہت مٹھائی، مکھن، مرغ اور بکرے کا گوشت اس کے دسترخوان پر ہوتا جس میں تیس ہزار ٹرے مٹھائیوں کے ہوتے۔

وَكَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهُ فِي الْمَوْلِدِ أَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوفِيَّةِ

(الحاوی للفتاوی) ج ۱ ص ۱۹۰

اس کی محافل میلاد میں بڑے جلیل القدر علماء کرام اور صوفیاء عظام شریک ہوتے۔

علماء ومشائخ کا شریک ہونا ہی جواز کی علامت ہے۔ ناجائز کام میں اتنے جلیل القدر علماء اور مشائخ کا شریک ہونا عقل سے دور ہے۔

اعتراض میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل اور خوشی و مسرت بدعت ہے۔ بدعت پر عمل کرنا گمراہی ہے یہ کام تو دین دار علماء کرام کا نہیں بلکہ جاہل اور باطل راہ پر چلنے والے عوام کا ہے۔

اقسام بدعات

جواب:۔ ہر بدعت کو ضلالت وگمراہی سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں بلکہ بدعت پانچ قسم کی ہے۔

واجب ۱ جس طرح قرآن پاک اور حدیث پاک کو سمجھنے کے لیے علم نحو کا پڑھنا۔

حرام ۲ اللہ تعالیٰ کا بندوں کی طرح جسم ثابت کرنا۔ بندے کو پتھر کی طرح غیر مختار سمجھنا وغیرہ۔

مستحب ۳ دینی مدارس قائم کرنا، سرائے بنانا اور ہر بہتر کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں نہیں تھا۔

مکروہ ۴ ہر ایسا کام جس کے کرنے سے سنت کی ترک لازم آئے تو اگر سنت غیر مؤکدہ کی ترک لازم آئے تو مکروہ تنزیہی اور اگر سنت مؤکدہ کی ترک لازم آئے تو مکروہ تحریمی۔

مباح ۵ جیسے صبح کی نماز یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا لیکن بغیر سلام کے اگر سلام بھی کرے تو مستحب ہوگا

بیہقی نے مناقب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ آپ فرماتے ہیں۔

اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْأُمُوْرِ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا مَا أُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا أَوْ إِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَالثَّانِي مَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِوَاحِدٍ مِنْ هٰذَا وَهٰذِهِ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُوْمَةٍ ۝ (الحاوی) ج ۱ ص ۱۹۲

نئے امور یعنی بدعات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایسا نیا کام جو قرآن یا حدیث پاک یا آثار صحابہ یا اجماع امت کے مخالف ہو۔ یہ بدعت گمراہی ہے یعنی ناجائز ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ دوسری قسم ان میں سے یہ ہے کہ

کہ کوئی نیا کام ہو لیکن نیکی کا کام ہو اس کے جائز ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق جائز ہے اور مستحسن ہے اس پر عمل کرنا باعث ثواب ہے اور یہ بدعت کسی طرح بھی بری نہیں۔

نئے کاموں کے ایجاد کیلئے نبی کریم ﷺ نے ضابطہ بیان فرمایا

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ ۝

(مشکوٰۃ شریف کتاب العلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرتا ہے اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان کے مطابق بھی اس کو ثواب ملے گا اور ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ رائج کرتا ہے اس کو اس برے طریقہ کے رواج دینے کا گناہ ہو گا اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کے مطابق بھی اسے گناہ ہو گا اور ان عمل

کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ اسلام میں اچھا طریقہ رائج کرنا منع نہیں بلکہ نیکیوں کا سبب ہے اور برا طریقہ رائج کرنا گناہوں کا سبب ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

یہ سوال نہایت لغو اور بے حقیقت ہے کہ اسلام کیا اس وقت مکمل نہیں تھا؟ اسلام مکمل ہی تھا۔ اسی لیے تو حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے خود اپنی امت کے لیے ایک ضابطہ و قانون پیش فرما دیا تاکہ اس قانون پر عمل کرنے والوں کو کوئی شخص غیر اسلامی شعار پر عمل کرنے کا طعنہ نہ دے سکے۔ بلکہ ایسا اعتراض علم شریعت سے بے خبری کی علامت ہے۔

میلاد النبی ﷺ پر انعقاد محافل اور ہر جائز خوشی مستحب ہے

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الطَّلَبَ فِي الْمَنْدُوْبِ تَارَةً يَكُوْنُ بِالنَّصِّ وَتَارَةً يَكُوْنُ بِالْقِيَاسِ وَهٰذَا إِنْ لَّمْ يَرِدْ فِيْهِ نَصٌّ فَفِيْهِ الْقِيَاسُ عَلَى الْأَصْلَيْنِ ۝

(الحاوی للفتاوی) ج ۱ ص ۱۹۲

مستحب کبھی نص سے ثابت ہوتا ہے اور کبھی قیاس سے۔

اس میں اگرچہ نص تو وارد نہیں لیکن دو اصل یعنی دو علتیں اور وجہ موجود ہیں جن سے استحباب ثابت ہوتا ہے ۔

پہلی وجہ یہ بیان فرمائی اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدَ الْیَھُوْدَ یَصُوْمُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَسَاَلَھُمْ فَقَالُوْا ھُوَ یَوْمٌ اَغْرَقَ اللّٰہُ فِیْہِ فِرْعَوْنَ وَنَجّٰی مُوْسٰی نَحْنُ نَصُوْمُہٗ شُکْرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی ۝

(الحاوی ج ا ص۱۹۴)

ترجمہ :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو عاشورار کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کو رد نہیں کیا بلکہ دوسرے مقامات پر ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں یہ ایک روزہ رکھتے ہیں ہم دو روزے رکھیں گے ۔

مقرر دن میں اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

مندرجہ بالا بحث ذکر کر لے کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

فَیُسْتَفَادُ مِنْہُ فِعْلُ الشُّکْرِ لِلّٰہِ عَلٰی مَا مَنَّ بِہٖ فِیْ یَوْمٍ مُعَیَّنٍ مِنْ اِسْدَاءِ نِعْمَۃٍ اَوْ دَفْعِ نِقْمَۃٍ ۝

(الحاوی الفتاوی) ج ا ص۱۹۶

اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں و احسانات کی تکمیل اور مصائب کے مندفع کرنے کا معین دن میں شکریہ ادا کرنا جائز ہے ۔ کیونکہ معین دن میں ہی روزہ رکھا جاتا تھا جو حصولِ نعمت اور اندفاعِ مصائب کا شکریہ تھا ۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں :-

اَیُّ نِعْمَۃٍ اَعْظَمُ مِنَ النِّعْمَۃِ بِبُرُوْزِ ھٰذَا النَّبِیِّ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ عَلٰی ھٰذَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَتَحَرَّی الْیَوْمُ بِعَیْنِہٖ حَتّٰی یُطَابِقَ قِصَّۃَ مُوْسٰی فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

(الحاوی ج ا ص۱۹۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سراپا رحمت ہیں اس دن میں آپ کی تشریف آوری جو نعمت عظمیٰ ہے اس نعمت سے

بڑھ کر اور کیا عظیم نعمت ہو سکتی ہے لہذا ضروری ہے کہ اس دن زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے تاکہ یوم عاشوراء میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے مطابقت ہو جائے

جائز کاموں سے اظہار مسرت کرے

فَيَنْبَغِي أَنْ يَقْتَصِرَ فِيهِ عَلَى مَا يُفْهَمُ الشُّكْرُ لِلّٰهِ تَعَالَىٰ مِنَ التِّلَاوَةِ وَالْإِطْعَامِ وَالصَّدَقَةِ وَإِنْشَادِ الشِّعْرِ مِنَ الْمَدَائِحِ النَّبَوِيَّةِ ۝

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۶)

ضروری ہے صرف ان کاموں پر ہی اکتفاء کرنے جن سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا سمجھا جا سکے۔ تلاوت قرآن پاک کرے، طعام کھلائے، صدقہ و خیرات کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف نعت خوانی کی صورت میں کی جائے۔

مباح کام کرنے میں کوئی حرج نہیں

فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَالَ مَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ مُبَاحًا بِحَيْثُ يَقْتَضِي السُّرُوْرَ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ لَا بَأْسَ بِإِلْحَاقِهٖ ۝ (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۶)

ضروری ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ جو کام مباح ہیں یعنی ان کاموں کے کرنے میں شرعاً ممانعت نہیں لیکن ان کے کرنے سے خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہو۔ ایسے کام میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حرام، مکروہ، خلاف اولیٰ کاموں سے بچنا ضروری ہے

وَمَا كَانَ حَرَامًا أَوْ مَكْرُوْهًا فَيُمْنَعُ وَكَذَا مَا كَانَ خِلَافَ الْأَوْلَىٰ ۝

(الحاوی للفتاوی) ج ۱ ص ۱۹۶

جو کام حرام، مکروہ یا خلاف اولیٰ ہوں وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن منع ہیں۔

مثلاً ناچ، گانا، ڈھول باجا، خوشی کے اظہار میں نمازوں کا ضائع کرنا لیکن خدارا انصاف کیا جائے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جلوس نکالا جائے جس میں نعت خوانی اور تلاوت قرآن پاک اور تقاریر ہوں نمازیں بھی قضا نہ ہونے دی جائیں تو اس میں کیا خرابی ہے۔

اگر کوئی غیر شرعی حرکت ان نیک محافل یا جلوسوں میں شامل ہو جائے تو صرف اسی کو ختم کرنے پر زور دیا جائے نہ کہ

استحبابی کاموں کو بھی حرام بنانے پر زور دیا جائے۔

دوسری وجہ جس پر میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا مستحب ہونا قیاس کیا گیا

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

إن النبي صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة مع أنه قد ورد أن جده عبد المطلب عق عنه في سابع ولادته والعقيقة لا تعاد مرة ثانية فيحمل ذلك على أن الذي فعله النبي صلى الله عليه وسلم إظهار للشكر على إيجاد الله إياه رحمة للعلمين وتشريع لأمته كما كان يصلي على نفسه لذلك فيستحب لنا أيضا إظهار الشكر بمولده بالاجتماع وإطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات وإظهار المسرات ○

(الحاوی الفتاوی) ج ۱ صـ ۱۹۶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از اعلان نبوت اپنا عقیقہ خود کیا حالانکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ آپ کی ولادت کے ساتویں دن کر دیا تھا۔ عقیقہ ایک مرتبہ ہی ہوتا ہے دوبارہ نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت للعلمین بنایا اس لیے آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور نیز اپنی امت کے لیے مشروع فرمایا۔ جیسا کہ آپ خود اپنی ذات پر درود پاک پڑھتے تھے تاکہ امت کو سنت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے اس وجہ سے اب ہمارے لیے بھی مستحب ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن اجتماعات منعقد کریں اور طعام کھلا کر اور ہر قسم کے نیکی کے کام کر کے اور مسرت کا اظہار کر کے شکریہ ادا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ولادت کے دن اظہار شکر

وإن كان النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئا من العبادات وما ذاك إلا لرحمته صلى الله عليه وسلم بأمته ورفقه بهم لأنه عليه الصلوة والسلام كان يترك العمل خشية أن يفرض على أمته رحمة منه بهم لكن أشار عليه السلام إلى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله للسائل الذي سأله عن صوم يوم الاثنين "ذاك يوم ولدت فيه" ○

(الحاوی) ج ۱ صـ ۱۹۴

اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ میں بنسبت اور
مہینوں کے زیادہ عبادات نہیں کیں صرف اپنی امت پر رحمت
اور مہربانی کرتے ہوئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت
پر رحمت فرماتے ہوئے ان پر فرض ہو جانے کے ڈر سے کئی
اعمال ترک فرما دیتے تھے لیکن آپ نے اس ماہ کی فضیلت
کی طرف اشارہ فرما دیا۔ جب آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ
آپ پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ میری
پیدائش کا دن ہے یعنی آپ نے پیر کو اپنی پیدائش کا شکریہ ادا
کرنے کے لیے روزہ رکھا اور اس طرح اظہار مسرت کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اللہ تعالیٰ نے لڑکے تقسیم کیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے قوم
طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھی۔ ان برائیوں میں سے ایک
بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا تھا۔ کئی اعلیٰ خاندان اپنی بیٹیوں کو
عار کے پیش نظر زندہ درگور کر دیتے ایک شخص ان میں سے
ایسا تھا کہ اگر اپنی کسی بیٹی کو زندہ رکھنا چاہتا تو اسے اون یا
بکری کے بالوں کا جبہ (کوٹ) پہنا دیتا اور اپنے ساتھ جنگل میں
اونٹ چرانے پر اسے مقرر کر دیتا۔

(تاکہ کوئی شخص اس کو دیکھ نہ سکے اور یہ نہ کہے کہ اس کی بیٹی زندہ
ہے)۔

اور اگر وہ کسی بیٹی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو اسے چھ سال
تک مہلت دیتا۔ جب چھ سال کی ہو جاتی تو اس کی ماں کو کہتا
اسے غسل کراؤ، خوشبو لگاؤ، اچھا لباس پہناؤ، مزین کرو، پھر اسے
اپنے ساتھ جنگل میں لے جاتا۔ اس کے لیے ایک گڑھا کھودتا اور
اسے کہتا اس میں دیکھو اس طرح اس کو دھکا دے کر نیچے گڑھے
میں گرا دیتا اور مٹی اس پر ڈال کر یعنی سطح زمین کے برابر کر کے
واپس آجاتا۔ (روح المعانی) ص۳۰

جَاءَ قَيْسُ بْنُ عَاصِمِ التَّمِيْمِيُّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ إِنِّيْ وَأَدْتُ ثَمَانَ بَنَاتٍ لِّيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ۝

(روح المعانی ص۳۰)

قیس بن عاصم تمیمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ
بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا۔

معاشرہ کی یہ حالت تھی کہ عورت کا چوپاؤں سے بھی کم مرتبہ تھا۔
لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اسلام میں عزت عطا
فرمائی، بیٹی ہونے کی حیثیت سے زوجہ ہونے کی حیثیت سے ماں
ہونے کی حیثیت سے جن حقوق کی مالک ہے وہ حقوق حبیب پاک

علیہ التحیۃ والثناء نے بیان فرما کے عورت کو بلند مقام دیا۔ لیکن افسوس آج مسلمان عورت غیر مسلموں کو دیکھ کر اسلامی شعار کو چھوڑ کر پھر حیوانیت کی طرف جانا پسند کر رہی ہے۔ بے حیائی عریانی مردوں سے آزادانہ میل جول فیشن بن چکا ہے۔

جس معاشرہ سے غیر مسلم جو اس فیشن کے موجد ہیں وہ بے زار ہو چکے ہیں۔ وہ آج مسلمانوں کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لائے۔ آمین

عرض کر رہا تھا کہ اہل عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے گویا ان کے گھر بیٹی کے پیدا ہونے پر صفِ ماتم بچھ جاتی۔ ان کو خوشی نہ حاصل ہوتی بلکہ غم لاحق ہوتا۔

لیکن جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی وہ تو ہر طرف خوشی منانے کا سال تھا۔ اور آپ کی پیدائش پر ہی قوم آپ کی شان کو مکمل سمجھ لیتی یہ بھی مشکل تھا۔

نیز آپ رحمت للعلمین بن کر تشریف لائے آپ کی آمد کے سال بیٹیوں کا پیدا ہونا قوم کے لیے باعث غم تھا اور ان کا زندہ دفن کیا جانا آپ کی شان رحمت کے خلاف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سال جن لوگوں کو اولاد عطا کی ان کو بیٹے دیے بیٹیاں نہیں دیں۔

وَكَانَ قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى تِلْكَ السَّنَةَ لِنِسَاءِ الدُّنْيَا اَنْ يَحْمِلْنَ ذُكُوْرًا كَرَامَةً لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(انوار محمدیہ، مواہب لدنیہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے پیشِ نظر اس سال تمام عورتوں کو بیٹے عطا فرمائے۔

اب واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان الوہیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر لوگوں میں بیٹے تقسیم فرمائے کیونکہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ہی کسی چیز کو تقسیم کیا جاتا ہے انسان کو یہ استطاعت نہیں وہ اپنی استطاعت کے مطابق مٹھائی اور کھانے تقسیم کرتا ہے۔

نیکی کے کام میں خرچ کرنا اسراف نہیں

اعتراض :- میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں چراغاں کیا جاتا ہے، جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں ان پر پیسے خرچ ہوتے ہیں جو اسراف ہے اور اسراف شرعاً ناجائز ہے۔

جواب :- جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز طریقہ سے اظہارِ مسرت مستحب ہے تو یقیناً مستحب کام پر خرچ ہونے والے پیسے بھی مستحب ہوں گے۔

ثواب کا ذریعہ ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
مسجد نبوی کی دیواریں کچی تھیں اور کھجور کی شاخوں کا چھت تھا جو
بارش میں ٹپکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اعتکاف
میں تھے۔ بارش کی وجہ سے چھت ٹپکنا شروع ہوگیا۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے کیچڑ ظاہر
ہو رہا تھا لیکن آج مسجد کی تزئین پر لاکھوں روپے خرچ ہو رہے
ہیں لیکن تمام مکاتب فکر کے علماء یہی کہتے ہیں کہ جس نے جنت
میں گھر بنانا ہے وہ مسجد پر پیسے خرچ کرے۔ کسی نے کبھی نہیں
کہا چلیں، رنگ و روغن، شیشے، شیشہ نگاری، قالین، ہیٹر،
پنکھے ضرورت سے زائد چیزیں ہیں ان پر پیسے خرچ کرنا اسراف
ہے لیکن ان کو اسراف کہنا نادانی ہوگی کیونکہ مساجد کی شان و
شوکت اپنے گھروں سے بڑھ کر ہونی چاہیئے۔ جب مکان کچے
اور سادہ ہوتے تھے اس وقت مساجد بھی اسی طرح ہوتی تھیں
جیسے مکانات بلند و بالا، پختہ، مزین بننے لگے ضروری ہوگیا کہ
اسی طرح مساجد کو خوبصورت بنایا جائے تاکہ اپنے مکانات
سے خانہ خدا کی حالت کم نظر نہ آئے۔ اسی طرح خوشی منانے کے ہر
زمانہ میں طور و طریقے مختلف ہوتے ہیں۔

اب جب کہ بڑے بڑے مبلغین کو دیکھتے ہیں کہ اپنے بیٹوں
کی پیدائش اور ان کی سالگرہ پر اور بیٹوں، بیٹیوں کی شادی پر

حج پر جاتے وقت اور حج سے واپسی پر اور کسی عزیز کی بیرون
ملک سے واپسی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں۔
گلے میں ہار ڈالتے ہیں اور ان کو جائز بھی سمجھتے ہیں اسراف نہیں
کہتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر زیادہ سے زیادہ
خوشی کیوں نہ منائی جائے۔ کیونکہ یہ خوشی اسی کی کی جاتی ہے
جس سے محبت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو آپ
کے اپنے ہی ارشاد کے مطابق سب سے زیادہ محبت کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ
مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○

کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے
والد اور اولاد اور تمام لوگوں سے مجھے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

اپنی اولاد سے بڑھ کر نبی کریم سے محبت اور اولاد کی پیدائش
پر خوشی کرنے سے زیادہ خوشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
پر کرنا ہی ایمان ہے ورنہ روح ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کا جواب ان شاندار
الفاظ میں دیا۔ جب کسی شخص نے کہا۔

لَا خَیْرَ فِی الْاِسْرَافِ

اسراف میں نیکی نہیں۔

آپ نے اس طرح جواب دیا۔

لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ

نیکی کے کام میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے وفات کا غم نہیں اور میلادالنبی ﷺ کے دن کو عید کہنے کی وجہ

اعتراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو دنیا میں تشریف لائے اور پیر کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔ لیکن خوشی کی جاتی ہے غم نہیں کیا جاتا ہے کیا وجہ ہے۔ بلکہ اتنی خوشی کی جاتی ہے کہ اسے عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ یہ تیسری عید کہاں سے آئی۔

جواب یہ کہنا کہ عیدیں صرف دو ہیں یہ احادیث اور کتبِ فقہ کی طرف توجہ نہ کرنے کے وجہ سے خیال آتا ہے ورنہ اس دن کو عید کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

درمختار باب العیدین میں عید کی وجہ بیان کرتے ہوئے اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

سُمِّیَ بِهٖ لِاَنَّ لِلّٰهِ فِیْهِ عَوَائِدَ الْاِحْسَانِ وَلِعَوْدِهٖ بِالسُّرُوْرِ غَالِبًا اَوْتَفَاؤُلًا وَیُسْتَعْمَلُ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ فِیْهِ مَسَرَّةٌ وَلِذَا قِیْلَ: عِیْدٌ وَعِیْدٌ وَعِیْدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعَةً ۔ وَجْهُ الْحَبِیْبِ وَیَوْمُ الْعِیْدِ وَالْجُمُعَةِ ۝

عید کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں اور ان کے آنے سے سرور بھی غالباً لوٹ آتا ہے یا نیک تفاؤل کی وجہ سے عید کہا جاتا ہے یعنی اللہ کرے خوشی لوٹ آئے۔ (کیونکہ عید کا معنی ہی لوٹنا ہے) ہر مسرت کے موقع پر لفظ عید کا استعمال کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آج تو تین عیدیں جمع ہو گئیں۔ حبیب کے چہرہ کا دیدار اور عید کا دن اور جمعہ۔

معلوم ہوا کہ ہر مسرت کے دن کو عید کہنا فقہاء کرام کے نزدیک جائز ہے۔ چہرہ حبیب کے دیدار کے دن کو بھی عید کہا گیا ہے اور جمعہ کے دن کو بھی عید کہا گیا ہے اور عید کے دن کو بھی عید کہا گیا ہے۔

جب ہر مسرت کے دن کو عید کہا جا سکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن سے بڑھ کر مسرت کا دن اور کونسا ہو سکتا ہے؟ جب اس سے زیادہ قدر و منزلت والا اور کوئی دن نہیں تو اس دن سے بڑھ کر کسی دن میں مسرت بھی

زیادہ نہیں ہو سکتی تو اس طرح اس دن کے عید ہونے سے اور کوئی بڑی عید بھی نہیں ہو سکتی البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر فرحت اور سرور حاصل ہو تو عید کہا جا سکتا ہے نہ ہو تو عید کہنا بھی مشکل ہی نظر آتا ہے۔ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔

ع
جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مشکوۃ شریف میں بھی باب الجمعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَأَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الاية وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آیت کریمہ تلاوت کی آپ کے پاس ایک یہودی تھا اس نے کہا اگر یہ آیت کریمہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بناتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیشک یہ آیت ہم پر بھی اس دن نازل ہوئی جس دن دو عیدیں تھیں۔ ایک

جمعہ کا دن اور ایک ذوالحج کی ۹ تاریخ تھی۔ وہ دونوں دن ہمارے لیے عید کے دن ہیں۔ یعنی ہم ہر ذوالحج کی ۹ تاریخ کو عید مانتے ہیں اور یہ آیت بھی حج وداع کے موقع پر نازل ہوئی لہذا ہم اس آیت کے نزول کے دن دو عیدیں مناتے ہیں۔ ہر جمعہ بھی اور ہر سال ذوالحج کی ۹ تاریخ کو بھی۔

اب معلوم ہوا کہ عیدین صرف دو نہیں بلکہ عید الاضحیٰ، عید الفطر ہر جمعہ کا دن۔ ہر سال عرفہ کا دن (۹ ذوالحج) حبیب کے چہرہ کی زیارت کا دن، خوشی لانے والا ہر دن عید ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب

جب ایک ہی دن ولادت اور وفات کا ہے تو خوشی منائی جاتی ہے غم نہیں کیا جاتا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ

جو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

وَالشَّرِيْعَةُ حَثَّتْ عَلٰى اِظْهَارِ شُكْرِ النِّعَمِ وَالصَّبْرِ وَالسُّكُوْنِ وَالْكَتْمِ عِنْدَ الْمَصَائِبِ وَقَدْ اَمَرَ الشَّرْعُ بِالْعَقِيْقَةِ عِنْدَ الْوِلَادَةِ وَهِيَ اِظْهَارُ شُكْرٍ وَفَرَحٍ بِالْمَوْلُوْدِ وَلَمْ يَاْمُرْ عِنْدَ الْمَوْتِ بِذَبْحٍ وَلَا بِغَيْرِهٖ بَلْ نَهٰى عَنِ النِّيَاحَةِ وَاِظْهَارِ الْجَزْعِ فَدَلَّتْ قَوَاعِدُ الشَّرِيْعَةِ عَلٰى اَنَّهٗ يَحْسُنُ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ اِظْهَارُ الْفَرَحِ بِوِلَادَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُوْنَ اِظْهَارِ الْحُزْنِ فِيْهِ بِوَفَاتِهٖ ۝

(الحاوی الفتاوی ج ۱ ص ۱۹۳)

شریعت نے نعمتوں کے شکریہ کو ظاہر کرنے پر برانگیختہ کیا ہے اور مصائب و آلام کے چھپانے اور ان پر صبر و سکون کا حکم دیا ہے۔ اور بچے کی ولادت پر خوشی منانے اور شکر کو ظاہر کرنے کے لیے شریعت نے عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ موت کے وقت ذبح وغیرہ کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ بلکہ نوحہ کرنے اور جزع کرنے سے منع کیا ہے۔

یہ قوانین شریعت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس مہینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنا مستحسن طریقہ ہے لیکن آپ کی وفات پر غم کا اظہار اچھا نہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔

اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ذبح کرو

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نعمت کے شکریہ کا اظہار اور خوشی کرنا شرعاً اچھا طریقہ ہے۔

انبیاء کرام زندہ ہیں

دوسری وجہ وفات پر غم نہ کرنے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں دنیاوی

زندگی سے بھی اعلیٰ زندگی حاصل ہے جب آپ زندہ ہیں تو غم کا کیا مقصد۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مولانا اعزاز علی دیوبندی حاشیہ نور الایضاح پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

مَثَلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ كَمَثَلِ شَمْعٍ فِيْ حُجْرَةٍ اُغْلِقَ بَابُهَا فَهُوَ مَسْتُوْرٌ عَمَّنْ هُوَ خَارِجَ الْحُجْرَةِ وَلٰكِنْ نُوْرُهٗ كَمَا كَانَ بَلْ اَنْمٰى وَهٰذَا حُرِّمَ نِكَاحُ اَزْوَاجِهٖ بَعْدَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْرِ اَحْكَامُ الْمِيْرَاثِ فِيْمَا تَرَكَهٗ لِاَنَّهُمَا مِنْ اَحْكَامِ الْمَوْتِ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اسی طرح ہے جس طرح ایک شمع کو باہر سے کمرہ میں لے جائیں اور اس کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اگرچہ وہ شمع کمرے سے باہر والوں سے چھپ گئی لیکن اس کی روشنی اسی طرح ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ کیونکہ باہر روشنی کم تھی اندر جا کر زیادہ ہو گئی (اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں اگرچہ باہر والے لوگوں سے مستور ہیں لیکن آپ کی زندگی پہلے سے بھی زیادہ ارفع بلند ہے) اسی وجہ سے آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے باوجود آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے اور آپ کے ترکہ پر وراثت کے احکام جاری نہیں ہوئے کیونکہ یہ دونوں

کام مُردوں سے تعلق رکھتے ہیں آپ تو زندہ ہیں۔

شہداء زندہ ہیں

شہید کی زندگی نص قطعی سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں شہید کو مردہ کہنے سے منع کیا۔

شہید کو مردہ نہ کہو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں خبر نہیں۔

شہید کو مردہ خیال بھی نہ کرو

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ جب شہید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے ایسی زندگی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کو مردہ کہنا اور مردہ خیال کرنا بھی منع ہے۔ نبی کا مقام جب شہید سے بلند ہے تو نبی کو بھی ضرور زندگی حاصل ہے۔

اسی لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات باب الجمعہ میں تحریر کیا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ فِيْ حَقِّ الشُّهَدَاءِ مِنْ اُمَّتِهٖ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَكَيْفَ سَيِّدُهُمْ بَلْ رَئِيْسُهُمْ لِاَنَّهٗ حَصَلَ لَهٗ اَيْضًا مَرْتَبَةُ الشَّهَادَةِ مَعَ مَزِيْدِ السَّعَادَةِ

بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے شہداء کے متعلق کہا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ ان کے سردار اور رئیس کو یہ مقام کیسے حاصل نہ ہو۔ آپ کو بھی مرتبہ شہادت حاصل ہے بلکہ امت کے شہداء سے زیادہ سعادت حاصل ہے۔

اللہ کے ولی زندہ ہیں

اسی مقام پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا

اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْبَقَاءِ ۝

اللہ کے ولی نہیں مرتے بلکہ فانی دنیا سے باقی رہنے والے مقام کی طرف انتقال کرتے ہیں۔

نبی کی زندگی شہید کی زندگی سے اعلیٰ ہے

شہید کی زندگی اگرچہ نص قطعی سے ثابت ہے لیکن نبی کی زندگی سے کم درجہ ہے

شہید کی بیوہ کو عدت گزارنے کے بعد نکاح کرنے کی اجازت
ہے لیکن نبی کی زوجہ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ شہید
زندہ ہونے کے باوجود دنیاوی احکام کے لحاظ سے اس پر مردہ
ہونے والے احکام جاری ہو جاتے ہیں لیکن نبی کی زندگی اتنی کامل
ارفع ہے کہ نبی کی زوجہ بیوہ ہوتی ہی نہیں اور اس سے نکاح
کرنے کی ممانعت فرما دی ہے۔

وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ پ۲۲ ع

اور ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح نہ کرو۔

یہ نکاح کی ممانعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
کی وجہ سے ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات کا مومنوں کی ماں ہونے
کی وجہ سے نہیں۔ اس لیے کہ مومنوں کی ماں ہونے کا شرف تمام
ازواج مطہرات کو حاصل ہے لیکن یہ صرف رتبے کی وجہ سے ورنہ
حقیقی ماں کے تمام احکامات ان پر جاری نہیں ہوتے کیونکہ جس طرح
ماں سے نکاح حرام ہے اسی طرح ماں کی بیٹی سے نکاح بھی حرام
ہے۔ حالانکہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہم
کے آپ کی بیٹیوں سے نکاح تھے۔ جو تمام حضرت خدیجۃ الکبریٰ
رضی اللہ عنہا کی بیٹیاں ہیں۔

نبی کی زندگی شہید کی زندگی سے اس وجہ سے بھی بلند ہے
کہ شہید کی باوجود زندہ ہونے کے وراثت تقسیم ہوتی ہے لیکن

نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ شہید
پر دنیا کے لحاظ سے فوت شدہ حضرات کے احکام جاری ہو جاتے
ہیں اگرچہ اسے برزخی زندگی حاصل ہے انبیاء کرام کی وراثت کے
تقسیم نہ ہونے کی وجہ حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ○

ہم انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی
وارث ہوتا ہے۔ ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام کی زندگی پر ایک رسالہ
تحریر فرمایا ہے جس کا نام انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء ہے۔
الحاوی للفتاوٰی میں یہ رسالہ شامل ہے۔

جس سے مختصر طور پر کچھ بحث میں نقل کرتا ہوں۔

حَیَاۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَبْرِہٖ ھُوَ وَ سَائِرُ الْاَنْبِیَاءِ مَعْلُوْمَۃٌ عِنْدَنَا عِلْمًا قَطْعِیًّا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں زندگی اور باقی انبیار کرام کی زندگی ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے۔ اس میں دلائل موجود ہیں اور خبریں تواتر کے درجے تک موجود ہیں۔

اسی وجہ سے بیہقی نے انبیار کرام کی قبروں میں زندگی پر ایک باب تالیف کیا ہے۔

انبیار کرام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

اَخْرَجَہٗ مُسْلِمٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ بِمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ ۝

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو آپ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔

اسی طرح ابو نعیم نے بھی اس حدیث شریف کو کچھ مختلف الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ بیہقی کتاب حیاۃ الانبیار میں ذکر ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ ۝

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام انبیار کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ نماز ادا کرتے ہیں۔

بیہقی نے شعب ایمان میں اور اصبہانی نے ترغیب میں ذکر کیا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درود پاک سنتے ہیں

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بُلِّغْتُہٗ ۝

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دور سے درود پاک پڑھتا ہے وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن خیال رہے اس حدیث پاک سے یہ مطلب لینا کہ آپ دور سے نہیں سنتے بلکہ آپ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں" درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر بھی ہے لیکن پھر بھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس بندوں کے اعمال پہنچاتے ہیں۔

یہ دوسری حدیث جس میں تفصیل سے بحث آئے گی اس میں قریب، بعید کا کوئی ذکر نہیں۔

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ۝

جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث میں مطلق ذکر ہے جس جگہ سے بھی کوئی سلام پیش کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم موت کے بعد ایسے ہی ہے جیسے زندگی میں تھا

اصبہانی ترغیب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ قَضَى اللّٰهُ لَهٗ مِائَةَ حَاجَةٍ سَبْعِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَةِ وَثَلَاثِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا ثُمَّ وَكَّلَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ مَلَكًا يُدْخِلُهٗ عَلَيَّ فِيْ قَبْرِيْ كَمَا يُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا اِنَّ عِلْمِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَعِلْمِيْ فِي الْحَيَاةِ ۝

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں ایک سو مرتبہ درود پاک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ایک سو حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ستر حاجات آخرت کی اور تیس حاجات دنیا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو میری قبر میں میرے پاس اس درود کو اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح تمہارے پاس تحائف لائے جاتے ہیں۔ بیشک میرا علم میری موت کے بعد ایسے ہی ہے جیسے میرا علم میری زندگی میں ہے۔

لیکن حدیث پاک میں فرشتوں کے پہنچانے کا ذکر ہے درود پاک پڑھنے والا قریب ہو یا بعید ہو۔ ان تمام احادیث کے مجموعی مضامین سے یہ واضح ہوا کہ درود پاک پڑھنے والے شخص کا درود پاک تحفہ کی طرح فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سنتے ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کا کوئی عمل پہنچانا اپنے سننے سے مانع ہو تو اس میں امر محال لازم آئے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود سنتا ہے جانتا بھی ہے پھر فرشتے بندوں کے اعمال اس کے پاس پیش کرتے ہیں جس طرح وہاں فرشتوں کا پہنچانا اللہ تعالیٰ کے سننے کے منافی نہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتوں کا پہنچانا آپ کے سننے کے مخالف نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان کا آواز آنا

ابن سعد نے طبقات میں سعید ابن مسیب سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ يُلَازِمُ الْمَسْجِدَ اَيَّامَ الْحَرَّةِ وَالنَّاسُ يَقْتَتِلُوْنَ قَالَ فَكُنْتُ اِذَا حَانَتِ الصَّلٰوةُ اَسْمَعُ اَذَانًا يَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ الشَّرِيْفِ ○

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں ہی ہوتا تھا جب ایام حرہ کا واقعہ در پیش آیا۔

(یزیدی دور میں جب مدینہ طیبہ پر حملہ کیا گیا ظلم وستم ہوا۔ مسجد نبوی میں تین دن تک اذانیں نمازیں بند رہیں اس واقعہ کو ایام حرہ سے تعبیر کیا گیا ہے)

لوگ جنگ کرنے میں مشغول ہوتے، میں قبر شریف سے نماز کے وقت اذان کی آواز سنتا تھا۔ یہ حدیث کچھ مختلف الفاظ سے زبیر ابن بکار نے اخبار مدینہ میں سعید بن مسیب سے روایت کی اور دارمی نے بھی اپنی مسند میں سعید بن مسیب سے ہی روایت کی ہے۔

بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں ذکر کیا ہے۔

اَلْاَنْبِيَاءُ بَعْدَ مَا قُبِضُوْا رُدَّتْ اِلَيْهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فَهُمْ اَحْيَاءٌ بِهِمْ كَالشُّهَدَاءِ ○

انبیاء کرام کے وفات کے بعد ارواح لوٹا دیئے جاتے ہیں وہ اسی طرح زندہ ہیں جس طرح شہداء کو زندگی حاصل ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام زندہ ہیں موجود ہیں البتہ ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح جس طرح فرشتے زندہ ہیں موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام میں سے کسی کو خصوصی کرامت سے نواز دے تو وہ فرشتوں کو دیکھ سکے اسی طرح اولیاء کرام کو اپنے مزارات میں زندہ نماز پڑھتے دیکھ لیں تو یہ عقل سے بعید نہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال کو جانتے ہیں

استاذ ابو منصور عبد القاہر کہتے ہیں۔

اَلْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا اَنَّ نَبِيَّنَا صلی اللہ علیہ وسلم حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَيَحْزَنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ ○

ترجمہ ہمارے اصحاب میں سے متکلمین محققین کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی امت کے نافرمانوں کے گناہوں سے پریشان ہوتے ہیں۔

استاذی المکرم نے "جلاء الصدور" میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تفسیر عزیزی زیر آیت ویکون الرسول علیکم شہیداً فرماتے ہیں۔

زیرا کہ مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او میشناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا واعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص۴۱۸)

کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت کے ساتھ (یعنی بذات خود نہ کہ محض اطلاع ملائکہ کی وجہ سے ورنہ شاہ صاحب کے "او مطلع است بنور نبوت" کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ یوں کہیئے بے اطلاعِ ملائکہ) اپنے دین میں داخل ہونے والے ہر شخص پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین میں کون سے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ ترقی سے محروم ہو گیا وہ کون سا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تمہارے گناہوں کو جانتے ہیں، تمہارے ایمان کے مراتب و درجات کو جانتے ہیں، تمہارے اچھے برے اعمال کو جانتے ہیں اور تمہارے اخلاص و نفاق سے باخبر ہیں۔

۲۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری مواہب الدنیہ میں فرماتے ہیں۔

لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُشَاهَدَتِهِ لِأُمَّتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ بِأَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهُ لَا خَفَاءَ بِهِ ○ (مواہب الدنیہ مع زرقانی جلد ثامن ص۳۰۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیٰوۃ طیبہ اور عالم برزخ کی زندگی مبارک میں اپنی امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و کیفیات، قلبی ارادوں اور نیات، عزائم وخواطر کی معرفت میں کوئی فرق نہیں۔ اور امت کے سب امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح ومنکشف ہیں۔ ان میں کسی قسم کا خفاء اور پوشیدگی نہیں، انتہیٰ۔ تقریباً یہی مضمون حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ نقل فرماتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ إِلَّا وَيُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَأَعْمَالِهِمْ فَلِذَالِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ ○

(مواہب لدنیہ جلد خامس صـ۲۳۷)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں صبح وشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کے اعمال پیش نہ ہوتے ہوں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو ان کے اشکال وصورت کے ساتھ اور اعمال کے ساتھ جانتے ہیں۔

اسی لیے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے۔

(وکذا فی الملہم جلد اول صـ۲۱۳)

اعتراض

مسند امام احمد، ابو داؤد اور بیہقی شریف میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ○

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالےٰ میرے روح کو لوٹاتا ہے، میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا روح آپ کے بدن سے کبھی جدا ہوتا ہے اور کبھی لوٹ کر آتا ہے۔ تمام وقت آپ کی زندگی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تمام وقت روح موجود نہیں ہوتا

اس اعتراض کے کئی جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیے ہیں جن میں سے کچھ نقل کیے جا رہے ہیں۔

پہلا جواب

حدیث شریف میں رَدَّ اللّٰہُ جو جملہ واقع ہے یہ جملہ حالیہ ہے۔ جب فعل ماضی حال واقع ہو اس پر لفظ قَدْ داخل ہوتا ہے ظاہر ہو یا مقدر جس طرح اَوْجَاءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ میں قَدْ مقدر ہے اصل میں قَدْ حَصِرَتْ. ہے جملہ ماضیہ سلام پیش کرنے والے کے سلام سے پہلے واقع ہوگا اور حدیث شریف میں جو لفظ حَتّٰی ہے وہ تعلیلیہ نہیں بلکہ فقط عطف کے لیے ہے۔

اب حدیث کا مطلب ان الفاظ سے بیان کیا جائے گا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا قَدْ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ قَبْلَ ذَالِکَ فَاَرُدُّ عَلَیْہِ السَّلَامَ ○

مجھ پر جب بھی کوئی سلام پیش کرتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے روح کو پہلے ہی لوٹا دیا ہے۔

گویا روح سلام کے بعد نہیں لوٹتا بلکہ پہلے سے ہی جاودانی زندگی عطا فرما دی ہے۔

غلطی کی وجہ یہ ہے کہ رَدَّ اللّٰہُ کو حال یا استقبال کے معنی میں لیا گیا ہے اور حَتّٰی کو تعلیلیہ بنایا گیا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا

گیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرے گا اللہ تعالیٰ میرے روح کو لوٹائے گا یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ ضابطہ کے مطابق وہ ہے جو اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔

اگر حال اور استقبال کا معنی لیا جائے تو لازم یہ آئے گا بار بار مسلمان درود پاک پڑھیں گے بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح کو لوٹایا جائے گا۔ بار بار روح کو لوٹانے میں چار قسم کی رکاوٹیں موجود ہیں۔

۱۔ روح کا کئی مرتبہ نکلنا اور لوٹنا جسم کو درد پہنچاتا ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم نہیں ہو گی بلکہ درد پہنچانا لازم آئے گا جو آپ کی شان کے مخالف ہے۔

۲۔ تمام لوگوں یعنی شہداء وغیرہ کی مخالفت لازم آتی ہے کسی کے متعلق قبر میں یعنی برزخی زندگی میں بار بار روح کا جدا ہونا پھر لوٹنا ثابت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح کا ہمیشہ رہنا اور ہی ضروری ہے کیونکہ آپ اعلیٰ مرتبہ والے ہیں۔

۳۔ یہ قرآن پاک کے مخالف ہے کیونکہ قرآن پاک سے صرف دو موتیں اور دو زندگیاں ثابت ہیں۔ اس تکرار سے تو کئی موتیں اور کئی زندگیاں ثابت ہوں گی۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔

۴۔ اس کا تکرار والا معنی لینا احادیث متواترہ کے مخالف ہے

جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جن سے ہمیشہ کی زندگی ثابت ہے۔ قانون یہ ہے جو حدیث احادیث متواترہ یا قرآن پاک کے مخالف ہو اس کی تاویل ضروری ہے۔

اگر تاویل نہ ہو سکے تو اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی تاویل جب ہو سکتی ہے تو ظاہری معنی مراد نہیں۔ بلکہ تاویل کے مطابق ہو گا۔

دوسرا جواب

عَوْدٌ اور یَعُوْدُ کا معنی عام طور پر لوٹنا ہوتا ہے لیکن کبھی ان کا معنی لوٹنا نہیں ہوتا بلکہ آجانا، ہو جانا، موجود ہونا، اس قسم کے معانی ہوتے ہیں۔ جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے آپ کو کہا یا تو آپ ہمارے دین میں آجائیں ورنہ ہم تمہیں اپنی بستیوں سے نکال دیں گے۔ آپ نے ان کے جواب میں یہ کہا قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں" کیونکہ یہ معنی اس وقت درست ہو سکتا ہے جب معاذ اللہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے دین میں ہوتے پھر ان کے دین کو چھوڑا ہوتا پھر ان کے مطالبے پر کہتے اگر میں تمہارے دین میں لوٹ آؤں، حالانکہ آپ ان کے دین میں تھے ہی نہیں اس طرح حدیث پاک کا ترجمہ یہ ہو گا" اگر کوئی شخص مجھ پر سلام

پیش کرے تو میں اس کے سلام کا جواب دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روح عطا فرمایا ہے۔

تیسرا جواب ردِّ روح سے مراد روح کا بدن سے جدا ہو کر لوٹنا مراد نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں احوال ملکوت میں مشغول ہیں اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ جب کوئی سلام پیش کرے تو آپ اس استغراقی حالت سے جب اس انسان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس توجہ کو روح کے لوٹنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس پر ایک اور حدیث شاہد ہے جس کا تعلق واقعہ معراج سے ہے وہ یہ ہے۔

فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب میں بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔ حالانکہ معراج شریف خواب کا واقعہ نہیں بلکہ جاگتے ہوئے درپیش آیا۔ اس حدیث کا مطلب بھی یہ ہے کہ آپ معراج کی رات ملکوت کے عجائب و غرائب دیکھنے کی وجہ سے جس وجدانی کیفیت میں تھے اس حالت سے واپس لوٹے اور مسجد حرام میں تشریف لائے۔ اس حالت کو جاگنے سے تعبیر فرمایا۔

چوتھا جواب اِنَّ الرَّدَّ يَسْتَلْزِمُ الْاِسْتِمْرَارَ لِاَنَّ الزَّمَانَ لَا يَخْلُوْ مِنْ مُصَلٍّ عَلَيْهِ فِيْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ فَلَا يَخْلُوْ مِنْ كَوْنِ الرُّوْحِ فِيْ بَدَنِهٖ ○ (الحاوی للفتاوی)

اس مقام پر رد کا لفظ خود ہمیشگی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ کوئی ایسا زمانہ نہیں ہوگا جس میں اطراف زمین میں درود پاک پڑھنے والا نہ ہو لہٰذا کوئی ایسا وقت نہیں ہو سکتا جس میں روح بدن میں موجود نہ ہو یعنی ہر زمانہ ہر وقت ہر آن میں کوئی نہ کوئی شخص زمین کے کسی نہ کسی حصے میں درود پاک پڑھنے والا ہوتا ہے جب بھی کوئی شخص درود پڑھے تو آپ کے روح کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ کا روح مبارک بدن میں ہمیشہ ہی موجود ہے

پانچواں جواب لَيْسَ الْمُرَادُ بِالرُّوْحِ رُوْحَ الْحَيَاةِ بَلِ الْاِرْتِيَاحُ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ) فَاِنَّهٗ قُرِئَ فَرُوْحٌ بِضَمِّ الرَّاءِ وَالْمُرَادُ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْصُلُ لَهٗ بِسَلَامِ الْمُسَلِّمِ عَلَيْهِ اِرْتِيَاحٌ وَفَرَحٌ وَهَشَاشَةٌ لِحُبِّهٖ ذٰلِكَ فَيَحْمِلُهٗ ذٰلِكَ عَلٰى اَنْ يَّرُدَّ عَلَيْهِ ○

روح سے مراد روحِ حیات نہیں بلکہ راحت محسوس کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَرُوْحٌ وَّرَيْحَانٌ کیونکہ ایک قرأت میں را پر پیش ہے۔ مراد یہ ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان کے سلام سے راحت اور خوشی حاصل
ہوتی ہے اور اس کی محبت پر آپ خوش ہوتے ہیں۔ حدیث شریف
میں روح کے لوٹانے کا یہی مطلب ہے۔

آمدم برسر مطلب

اصل میں دو حدیثوں کے درمیان بظاہر طور پر جو تعارض نظر
آتا ہے ایک حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مجھے انبیاء کرام پر فضیلت
نہ دو، دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ میں تمام انسانوں کا سردار
ہوں۔ اس وضاحت کے لیے کلام شروع کی تھی۔ ایک حدیث
پاک کی تشریح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
مجھے اس فضیلت کے حاصل ہونے پر کوئی فخر نہیں (ولا فخر لی)
اس پر شارحین کا ایک قول نقل کیا تھا کہ آپ کے اس ارشاد
کی وجہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حصول کو بیان کرنا ہے کہ میں اللہ
تعالیٰ کے حکم (واما بنعمۃ ربک فحدث) اپنے رب
کی نعمت کا تذکرہ کرو) کے مطابق اس کی نعمت کا چرچا کر رہا
ہوں۔ اس کے ضمن میں یہ بات آگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
بھی نعمت عظمیٰ ہے لہٰذا اس کا تذکرہ، چرچا، بیان کرنا بھی اللہ کے اس
ارشاد کے مطابق ہے اب پھر اسی حدیث کی وضاحت ذکر کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد اور اسکے نیچے انبیاء کرام کے پناہ لینے کا بیان

حدیث شریف میں اس کے آگے یہ ذکر ہے (وبیدی لواء
الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی) لواء الحمد
میرے ہاتھ میں ہوگا اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔ تمام انبیاء کرام آدم
علیہ السلام اور ان کے سوا سبھی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔
لواء الحمد اور اس کی حقیقت کی بحث قبلہ استاذی المکرم نے کوثر
الخیرات میں بہت خوب کی اسی سے میں تبرک کے پیش نظر نقل
کر رہا ہوں۔

لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں ہی اللہ تعالیٰ کے
نزدیک تمام نسل آدم سے زیادہ مکرم ہوں گا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

نکتہ ہر حاکم وقائد اور رئیس وسید کا علم اور جھنڈا ہوتا
ہے جو اس کی سیادت وقیادت اور امارت و
امامت کی دلیل وعلامت ہوتا ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم
روز محشر سید الخلق، قائد المرسلین اور امام النبیین ہوں گے لہٰذا ان

کے لیے بھی علم ہو گا جس کو لوار الحمد سے تعبیر فرمایا گیا اور اس کا نام لوار الحمد اس لیے رکھا گیا کہ حمد ہی کی بدولت ہو حاصل ہو گا وہ عالمِ ارواح میں حمد و ثنا کرتے رہے۔ احمد و حامد بنے رہے تو اللہ تعالیٰ نے محمد و محمود بنایا اور قیامت میں بھی بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو کر اور حمد و ثنا جاری فرمائے گا انہیں مقام محمود عطا فرمائے گا اور صاحب لوار الحمد بنائے گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم گرامی محمود سے ان کے نام نامی محمد کو مشتق فرمایا تاکہ ان کی جلالت شان کو ظاہر فرمائے لہٰذا مالکِ عرش، محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔ اور جب یہ محمد ہیں تو پھر ان کی ذات و صفات بھی محمد اور قابلِ ستائش، ان کا مکان و مقام بھی محمود اور قابل ستائش اور ان کا علم و جھنڈا بھی قابلِ حمد و ستائش، فصلی اللہ علیہ وسلم قدر حسنہ وجمالہ وجاہہ وجلالہ وجودہ ونوالہ وعلی آلہ واصحابہ۔

لوار الحمد کے متعلق حضرت عبد العزیز رحمۃ اللہ دباغ کا قول

نکتہ امام العرفاء حضرت سید عبد العزیز دباغ قدس سرہ العزیز نے لوار الحمد کی حقیقت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل لوار الحمد ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لِوَاءُ الْحَمْدِ وَهُوَ نُوْرُ الْاِيْمَانِ وَجَمِيْعُ الْخَلَائِقِ خَلْفَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ وَغَيْرِ اُمَّتِهٖ مَعَ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَتَكُوْنُ كُلُّ اُمَّةٍ تَحْتَ لِوَاءِ نَبِيِّهَا وَلِوَاءُ نَبِيِّهَا يَسْتَمِدُّ مِنْ لِوَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ مَعَ اُمَمِهِمْ عَلٰى اَحَدِ كَتِفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمَّتُهُ الْمُطَهَّرَةُ عَلَى الْكَتِفِ الْاٰخَرِ وَفِيْهَا الْاَوْلِيَاءُ بِعَدَدِ الْاَنْبِيَاءِ لَهُمْ اَلْوِيَةٌ مِثْلُ مَا لِلْاَنْبِيَاءِ وَلَهُمْ مِنَ الْاَتْبَاعِ مِثْلُ مَا لِلْاَنْبِيَاءِ وَيَسْتَمِدُّوْنَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَسْتَمِدُّ اَتْبَاعُهُمْ مِنْهُمْ كَحَالِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ○

لوار الحمد وہ نورِ ایمان ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضوفشاں ہو گا اور ایک علم بلند کی شکل میں نمودار ہو گا۔ آپ آگے آگے قائدانہ شان سے تشریف لے جا رہے ہوں گے اور تمام مخلوق اور تمام امم بمع اپنے انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے پیچھے

تابع اور مقتدی کی حیثیت سے چل رہے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے علم کے پیچھے ہو گی اور ان کے نبی کا علم قائد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لوا الحمد سے اکتساب نور کرے گا۔ اور اس سے مستفید و روشن ہو گا۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں سمیت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک جانب پر ہوں گے اور آپ کی امت مطہرہ دوسری جانب اور اس امت میں اتنے ہی اولیاء ہوں گے جتنے کہ نبی کے متبعین ہوں گے اعلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم نور سے اکتسابِ نور کریں گے اور متبعین پر اس نور کی بارش کریں گے جیسا کہ انبیاء کرام لوا الحمد سے نور حاصل کر کے اپنی امتوں کے ظلمت کدہ حشر میں روشنی عطا فرمائیں گے۔

امام اہلسنت نے خوب فرمایا۔ ؎

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا،
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
بینی پُر نور، پُر رخشاں ہے بکہ نور کا
ہے لوا الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

ظلمت کدہ حشر میں آفتاب نور ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی اور انبیاء و اولیاء بہ صورت ماہتاب و انجم ان ہی کے نور سے چمک و دمک اور اجالا و ضیاء حاصل کر کے اہلِ محشر کو فیضانِ نور دیں گے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ وَ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

لوا الحمد کے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ کا قول

امام الواصلین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز نے لوا الحمد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

لِوَاءُ الْحَمْدِ وَهُوَ حَمْدُ الْحَمْدِ وَأَتَمُّ الْمَحَامِدِ وَأَسْنَاهَا وَأَعْلَاهَا مَرْتَبَةً لَمَّا كَانَ اللِّوَاءُ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ النَّاسُ لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلٰى مَرْتَبَةِ الْمَلِكِ وَوُجُوْدِهٖ كَذٰلِكَ حَمْدُ الْحَمْدِ يَجْمَعُ الْمَحَامِدَ كُلَّهَا (الى) سُمِّيَ لِوَاءً لِأَنَّهٗ يَلْتَوِيْ عَلٰى جَمِيْعِ الْمَحَامِدِ فَلَا يَخْرُجُ عَنْهُ حَمْدٌ لِأَنَّهٗ بِهٖ يَقَعُ الْحَمْدُ مِنْ كُلِّ حَامِدٍ وَلَمَّا كَانَ يَجْمَعُ أَلْوَانَ الْمَحَامِدِ كُلَّهَا لِذَا عَمَّ ظِلُّهٗ جَمِيْعَ الْمَحَامِدِيْنَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ ۝

لوار الحمد حمد المحمد کا نام ہے جو کہ تمام محامد سے شرف و مرتبہ کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہے اور جب کہ لوار یعنی علم کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ کے درجہ و مرتبہ اور وجود کی علامت ہوتا ہے۔ اسی طرح لوار الحمد کی طرف تمام محامد اور تعریفات و توصیفات رجوع کریں گے۔ اور اس علم کو لوار الحمد فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ لوار کا معنی لپٹنا اور سمیٹنا ہے اور لوار الحمد بھی تمام حمدوں کو اپنے احاطے اور گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ اور جو حامد بھی اپنے رب کی حمد و ثنا کرتا ہے وہ اس میں مندرج ہے اور یہیں سے اس پر فیضان کئے ہوئی ہے اور چونکہ وہ سب محامد و مدائح پر مشتمل ہے اسی لیے اس کا سایہ بھی تمام حامدین کو شامل و محیط ہو گا اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء و رسل اس کے نیچے ہوں گے گویا تمام انبیاء و رسل کے مرجع و اصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محامد و مدائح اور اعلام و الویہ کا مرجع و اصل، حمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لوار الحمد ہے۔ اسی لیے سارے انبیاء و رسل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں گے۔ اور ان کے لوار الحمد کے نیچے ہوں گے۔

نکتہ — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوار الحمد کے نیچے پناہ لینے والوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام

کو بالخصوص نام لے کر ذکر فرمایا اور دوسرے انبیاء کرام و رسل عظام اور تمام امم کو فمن دونہ کے اجمال و الہام سے ذکر فرمایا نیز لفظ "دون" سے جو کہ تنزل مرتبہ اور نقصانِ درجہ پر دلالت کرتا ہے حالانکہ "ماسویٰ" میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل انبیاء و رسل بھی ہیں شیخ اکبر قدس سرہ العزیز نے اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

وانما قال فمن دونہ لان الحمد لا یکون الا باسماء وادم عالم بجمیع الاسماء کلھا فلم یبق الا ان یکون من ھناک تحتہ ودونہ فی الرتبۃ لانہ لابد ان یکون مثنیا باسم ما من تلک الاسماء ولما کانت الدولۃ فی الاخرۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (الیٰ) متی ظھر صلی اللہ علیہ وسلم کان احق بولایۃ ودوائہ فیاخذ اللواء من ادم یوم القیمۃ بحکم الاصالۃ فیکون ادم فمن دونہ تحت لوائہ وقد کانت الملائکۃ تحت ذالک اللواء فی زمان ادم علیہ السلام فھم فی الاخرۃ تحت لوائہ نتظھر فی ھذہ المرتبۃ خلافۃ رسول اللہ علیہ وسلم علی الجمیع ○

حضرت آدم علیہ السلام کے ماسوا کو لفظ "دون" سے

اس لیے تعبیر فرمایا کہ حمد اسمار باری تعالیٰ سے ہی ہو گی اور سارے
اسمار کا علم آدم علیہ السلام کو حاصل ہے لہٰذا جو بھی نبی اللہ تعالیٰ
کی حمد و ثنا جس اسم مبارک سے بھی کرے گا وہ پہلے حضرت آدم
علیہ السلام کو حاصل ہو گا لہٰذا اس اعتبار سے آدم علیہ السلام کو
ہر ماسوی پر فوقیت حاصل ہے لیکن یہ افضلیت اور فوقیت
صرف اس وقت تک تھی جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ظہور نہیں ہوا تھا جو کہ جوامع الکلم کے مالک ہیں اور جن پر بالآخر
اس دولت و سلطنت کی تکمیل و تتمیم ہونی تھی اگرچہ وہی اصل ہیں
اور انہیں اپنا مقام و مرتبہ اس وقت بتلا دیا گیا تھا اور اس پر فائز
کر دیا گیا تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان
تھے ان کی تخلیقِ جسم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور انہیں اس وقت
سے جوامع الکلم اور علمِ اسمار عطا فرما دیا گیا تھا جب کہ آدم علیہ السلام
میں روح بھی نہیں پھونکا گیا تھا لیکن ظاہر میں کوئی جسم اور ذات
آپ کی موجود نہ تھی تاکہ ان اسمار کا ظہور ہو سکتا لہٰذا آپ بمع ان
اسمار کے حضرت آدم علیہ السلام سے ظاہر ہوئے لہٰذا وہ مظہر
ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بدولت ملائکہ میں صاحب
لوار اور صاحب علم بن گئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وجودِ عنصری میں آ گئے تو پھر وہ ولایت و سلطنت اور علم لوار آپ
کا ہی حق بن گیا لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام سے وہ لوار الحمد

لے لیں گے کیونکہ اصل آجائے تو نائب کی نیابت اور خلیفہ کی
خلافت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام اور تمام نبی و
رسول انہی کے لوار الحمد کے نیچے ہوں گے اور ملائکہ پہلے حضرت
آدم علیہ السلام کے لوار و علم کے نیچے تھے لیکن روزِ محشر آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے لوار الحمد کے نیچے ہوں گے پس اس دن آنحضور
شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کبریٰ اور ولایت
عظمیٰ سیادت و ریاست اور قیادت و حکومت ظاہر ہو گی اس
عارفِ کامل اور محققِ فاضل نے مقامِ محمود کی حقیقت اور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی تخصیص پر تبصرہ کرتے ہوئے
فرمایا۔

اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ هُوَ الَّذِیْ يَرْجِعُ اِلَيْهِ عَوَاقِبُ الْمَقَامَاتِ
كُلِّهَا وَاِلَيْهِ تَنْظُرُ جَمِيْعُ الْاَسْمَاءِ الْاِلٰهِيَّةِ الْمُخْتَصَّةِ
بِالْمَقَامَاتِ وَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَيَظْهَرُ ذٰلِكَ لِعُمُوْمِ الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبِهٰذَا اَثْبَتَ
لَهُ السِّيَادَةُ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ (الٰى) فَكَانَ مَحْمُوْدًا بِكُلِّ
لِسَانٍ وَّكُلِّ مَقَامٍ فَلَا تَجْتَمِعُ الْمَحَامِدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كُلُّهَا
اِلَّا لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الَّذِیْ عَبَّرَ عَنْهُ
بِالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَقَالَ هٰذَا الْمَقَامُ هُوَ الْوَسِيْلَةُ لِاَنَّ مِنْهُ
يُتَوَسَّلُ اِلَى اللّٰهِ فِيْمَا يَتَوَجَّهُ فِيْهِ مَنْ فَتَحَ بَابَ الشَّفَاعَةِ وَهُوَ شَفَاعَتُهُ فِي الْجَمِيْعِ ○

مقام محمود وہ مقام ہے جس کی طرف تمام مقام باعتبار
اپنے عواقب کے راجع ہیں۔ اور جس مقام پر تمام مقاماتِ عالیہ
کی انتہا ہوتی ہے اور جس مقام میں سب مراتبِ رفیع مندرج
ہوتے ہیں وہ مقام مقام محمود ہے۔ اور اس کی طرف تمام اسمار
الٰہیہ ہو کہ اہل مقامات کے لیے مربی ہیں اور مقامات کے ساتھ
مختص ہیں راجع ہوتے ہیں۔

یہ مقام بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔
اور روزِ محشر تمام مخلوق پر یہ مقام و منصب منکشف ہوگا۔ اسی
مقام کی وجہ سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام مخلوقات
پر سیادت اور فوقیت حاصل ہوگی۔

جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ"
میں لوگوں کے لیے قیامت کے دن سردار ہوں گا۔

اور وجودِ عنصری میں اور عالمِ شہادت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے پہلے اس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام فائز تھے جب کہ
انہیں ملائکہ نے سجدہ کیا کیونکہ مسجودِ ملائکہ ہونا اس مقام کا مقتضی تھا اور اسی کا نتیجہ اور یہی مقام
آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ اور پہلے پہل
حضرت آدم علیہ السلام اس مقام میں ظہور فرما اس لیے ہوئے
کہ ان کا جسم پاک بشریتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا۔
اور وہ جسمیت کے اعتبار سے والدِ اعظم ہیں۔ مقرب عند اللہ ہیں
اور نشاۃ ترابیہ یعنی عالمِ خاکی کی اصل اور بنیاد ہیں لہٰذا وہ سارے
مقامات ان میں ظاہر ہو گئے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے جسمِ پاک کے ساتھ ظہور فرما ہو گئے اور دارِ آخرت میں اسی
منصب کا مظاہرہ ہوگا اور سرورِ عالم و عالمیان، سید انس و جان
صلی اللہ علیہ وسلم اسی روز اس مقام پر فائز ہوں گے اور شفاعت
کے دروازے کھولیں گے اور سب سے پہلی شفاعت اکابرین
کے حق میں فرمائیں گے۔ جو خود اہل شفاعت ہوں گے خواہ ملائکہ
ہوں یا انبیاء و رسل، اولیاء کرام ہوں یا مومنین پس آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے منصبِ شفاعت پر
فائز کیے جانے کی تمنا کریں گے اور وہ آپ کی اس شفاعت کے
طفیل قابلِ شفاعت بنیں گے اور اذنِ شفاعت پائیں گے لہٰذا
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر زبان پر اور ہر مقام پر حمد و ثنا کیے

جائیں گے اور یہی وہ مقامِ محمود ہے جس میں تمام محامد و مدائح نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں گے اور یہی وہ مقامِ وسیلہ
ہے جس کی بدولت تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف توسل حاصل کرے
گی اور ان ہی بدولت شفاعت نصیب ہو گی۔

داستانِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ مقامِ محمود اور وسیلہ و فضیلہ
ایک ہی مقام ہے۔ اور اسی منصب و درجہ پر فائز ذات کی
سیادت و سلطنت کی علامت لواء الحمد ہو گا۔ اور اسی قرب
الٰہی اور خلافتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کی بدولت ہی شفاعتِ
کبریٰ اور دیگر تمام شفاعات کا ظہور ہو گا۔

نیز یہ مقام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء و رسل اور ملائکہ
مقربین بلکہ تمام مخلوق کی پیدائش اور تخلیق سے بھی حاصل ہو چکا
تھا لیکن اس کا ظہور وجودِ عنصری پر موقوف تھا اور اس ظہور کے
وقت حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر مقرب رسل و انبیاء زمین
پر وجودِ عنصری کے ساتھ ظاہر نہیں تھے اس لیے اس کے کماحقہٗ
ظہور کا دن صرف قیامت ہی کا دن تھا اس لیے اللہ تبارک و
تعالیٰ اس دن آپ کو صاحب مقامِ محمود بنا کر آپ کے منصب و
مرتبہ اور جلالت و عظمتِ شان کو ظاہر فرمائے گا۔

اور اولین و آخرین کی زبان پر ان کی حمد و ثناء کو جاری فرمائے گا
حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور حمد و ثناء ملائکہ نے
ایک وقت میں کی اور یہاں تمام مخلوق بمع انبیاء و ملائکہ ان کی
تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں گے اور ان کی تعظیم و
تکریم میں مصروف و مشغول بلکہ پھر ہمیشہ کے لیے ان ہی کی حمد و
ثنا میں مصروف رہیں گے اور جنتیں ان ہی کی یاد اور ذکر و فکر اور
مدح و ثنا کا محل ہوں گی اور ہر زبان پر ان ہی کی داستان ہو گی۔

(انتہی)

اس حدیث پاک کی تشریح کے بعد دوسری حدیث (جس میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ ۝

انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو) کا مطلب واضح کیا
جاتا ہے۔

انبیاء کرام پر فضیلت کی نفی کی پانچ وجوہات

علامہ نووی نے شرح مسلم شریف میں اور ملا علی قاری
نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں پانچ وجوہ بیان کی ہیں کہ آپ نے
جو انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا اس کا کیا مقصد ہے

علامہ نووی نے شرح مسلم میں بیان کیا۔

پہلی وجہ

أَحَدُهَا أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ فَلَمَّا عَلِمَ أَخْبَرَ بِهِ

ایک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارشاد آپ کا دوسری حدیث جس میں آپ نے فرمایا میں تمام اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اس کے علم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ آپ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور اکثر اہل سنت و جماعت کے نزدیک تدریجی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ

آپ کے لیے ہر آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے۔

آپ کو وقتاً فوقتاً روز بروز علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جاتا رہا اس طرح یہ ارشاد پہلے کا ہے جس میں آپ نے انبیاء کرام پر فضیلت دینے سے منع فرمایا۔ جب آپ کو اس پر مطلع فرمادیا گیا کہ آپ تو تمام انبیاء کرام اور سب کائنات کے سردار ہیں تو پھر آپ نے دوسرا ارشاد فرمایا۔

دوسری وجہ

وَالثَّانِي قَالَهُ أَدَبًا وَتَوَاضُعًا

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے ادب اور عاجزی کی وجہ سے یہ کلام کی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

کلام بعض اوقات عجز و انکسار پر مبنی ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات بیان حقیقت پر۔ وہ کلام جو بطورِ عاجزی کی جاتی ہے وہ صاحبِ کلام کو خود ہی زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے متعلق جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ نہ یہ جھوٹ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کلام سے حقیقی شان سمجھ میں آسکتی ہے۔

جیسا کہ کوئی بہت بڑا عالم، محقق، مدقق اپنے متعلق یہ کہے کہ میں تو کوئی عالم نہیں بلکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ یہ کلام عاجزی کے طور پر کی گئی اس سے اس کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ ہاں کبھی وہ اپنے طلباء کو اپنی حقیقتِ حال سے بھی مطلع کرتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں علوم حاصل کیے ہیں ان میں میرا اتنا تدریسی تجربہ ہے۔ ان دونوں کلاموں میں واضح فرق موجود ہے پہلی کلام عجز و انکسار پر دلالت کر رہی ہے اور دوسری کلام بیانِ حقیقت ہے۔

اسی طرح حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کبھی ایسی کلام فرماتے ہیں جو آپ کے عجز و انکسار کو واضح کر رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی آپ اپنا منصب و مرتبہ بیان فرماتے ہیں۔

لازمی طور پر دونوں کلامیں مختلف حیثیات کی ہوں گی صاحب علم و عقل کے لیے ان دونوں کلاموں میں فرق کرنا مشکل نہیں ہوتا

تیسری وجہ

وَالثَّالِثُ اَنَّ النَّهْيَ اِنَّمَا هُوَ عَنْ تَفْضِيْلٍ يُؤَدِّيْ اِلٰى تَنْقِيْصِ الْمَفْضُوْلِ

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے ایسی فضیلت سے منع فرمایا جس سے دوسرے انبیاء کرام کی شان میں کمی کر دی جائے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے فضیلت بیان کی جائے جس سے دوسرے انبیاء کرام کی توہین ہو ان کی شان میں تنقیص لازم آئے تو ایسی فضیلت سے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

وہ توحید، توحید نہیں جس سے تنقیص انبیاء اولیاء لازم آئے

فائدہ:۔ تیسری وجہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جب فضیلتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جو تنقیصِ انبیاء کرام کو مستلزم ہو وہ ممنوع ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی شان اور وحدانیت بیان کرنا جس سے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی شان میں کمی لازم آئے یقیناً وہ منع ہے۔ بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو اولیاء کرام اور انبیاء عظام پر چسپاں کرنا ظلم عظیم ہے۔

مولانا مودودی صاحب کا بیانِ توحید

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ پ ع

ترجمہ:۔ اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

تفسیر:۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے۔ وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں۔ اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ بعث بعد الموت (موت کے بعد زندہ ہونا) کا کوئی سوال نہیں ہے اس لیے مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ کے الفاظ انہیں خارج از بحث کر دیتے ہیں اب لا محالہ اس آیت میں اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے

غیر معمولی انسان ہی ہیں۔ جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نامعلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں، اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو ہم عرض کریں گے کہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کلب، تغلب، قضا، کنانہ، حرث، کعب وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود گزرے ہوئے انسان ہی تھے۔ جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ وَدّ، سواع، یغوث، نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے اسی طرح کی روایات مناۃ اور عزیٰ کے بارے میں بھی موجود ہیں۔ اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایات میں آیا ہے کہ لات اور عزیٰ اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے۔

(تفہیم القرآن جلد ۲)

مولانا مودودی صاحب کی تفاسیر سے بے خبری

مولانا مودودی صاحب سے مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ اور تفسیر میں کئی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان غلطیوں کی بنیادی وجہ تفاسیر کی طرف نظر نہ کرنا اور معبودانِ باطلہ کے حق میں نازل شدہ آیات کو انبیاء کرام اور اولیاء کرام پر چسپاں کرنا ہے۔

مولانا مودودی صاحب کی پہلی غلطی

یدعون کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے کیونکہ ترجمہ کیا گیا ہے "پکارتے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے۔ میں نے اس ترجمہ میں مترجمین کی غلطیوں کو واضح طور پر اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان میں بیان کیا ہے یدعون کا صحیح ترجمہ "عبادت کرتے ہیں" تفسیر جلالین میں اسی لیے یدعون کی تفسیر یعبدون سے کی گئی ہے جس کا معنی عبادت کرتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر روح المعانی میں ہے۔

وَالِہَۃَ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَہُمۡ اَیُّہَا الۡکُفَّار

وہ معبود جن کو اے کافرو تم پوجتے ہو۔

تفسیر ابن عباس میں ہے وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰہِ ۝

اللہ کے بغیر جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

تفاسیر کے بیان سے واضح ہوا کہ مولانا مودودی صاحب کا
ترجمہ غلط ہے۔ مقصد سے دور ہے۔ اپنے اجتہاد اور اپنی سوچ
سے ترجمہ کرتے ہوئے اپنا مقصد ثابت کرنا چاہتے تھے لیکن اہل
علم کے سامنے یہ عقدہ حل ہو گیا اور ان کا طرز عمل مخفی نہ رہا۔

مودودی صاحب کی دوسری غلطی

وہ بیان کرتے ہیں لکڑی اور پتھر کی مورتیاں (یعنی بت) یہاں مراد
نہیں ہو سکتیں کیونکہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ بعث
بعد الموت کا کوئی سوال نہیں مودودی صاحب کی عبارت کا مقصد
یہ ہے کہ یہاں جن معبودوں کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ بت مراد نہیں
ہو سکتے کیونکہ بعد میں یہ ذکر آ رہا ہے کہ وہ مردہ ہیں ان کو اپنے زندہ
ہونے کا علم نہیں چونکہ بتوں نے زندہ نہیں ہونا اس لیے وہ مراد
نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہاں بھی مودودی صاحب کا اجتہاد تفاسیر کے بیان سے بے
حقیقت ہو کر رہ گیا۔ آئیے تفاسیر کی رائے دیکھتے ہیں کہ یہاں بت مراد

ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب
الازہری تفسیر ضیاء القرآن میں تفسیر قرطبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

یعنی الْاَصْنَامَ لَا اَرْوَاحَ فِیْہَا وَلَا تُبْصِرُ اَیْ ھِیَ جَمَادَاتٌ
فَکَیْفَ تَعْبُدُوْنَہَا وَاَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْہَا بِالْحَیَاۃِ

یعنی جن معبودوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان سے مراد بت ہیں۔
جن میں روح نہیں اور نہ وہ دیکھ سکتے ہیں یعنی وہ پتھر کی مورتیاں ہیں
تم ان کی کیسے عبادت کرتے ہو حالانکہ تم ان سے افضل ہو کیونکہ
تمہیں تو زندگی حاصل ہے اور انہیں زندگی حاصل نہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَھُوَ الْاَصْنَامُ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ
یُخْلَقُوْنَ یُصَوَّرُوْنَ مِنَ الْحِجَارَۃِ وَغَیْرِھَا ۝

اللہ کے بغیر جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ بت ہیں وہ کسی
چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پتھروں وغیرہ سے بنائے
جاتے ہیں۔ مولانا کی غلطی کا ازالہ بھی جلالین میں کر دیا گیا ہے کہ بتوں
کو تو زندہ نہیں کیا جائے گا۔

تو اس کا کیا مطلب ہو گا کہ انہیں تو پتہ نہیں کہ وہ کب زندہ
کئے جائیں گے۔

اس کے متعلق جلالین میں ہے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيِ الْاَصْنَامُ اَيَّانَ وَقْتَ يُبْعَثُوْنَ اَيِ الْخَلْقُ ۝

یعنی بتوں کو تو معلوم ہی نہیں کہ مخلوق کو کب زندہ کیا جائے گا۔
یعنی اس تفسیر کے مطابق مخلوق کو زندہ کرنے کا بتوں کو علم نہیں بتوں کے خود زندہ ہونے کی بات نہیں لیکن تفسیر کبیر کے حوالہ سے جو ذکر آ رہا ہے اس میں بتوں کے زندہ ہونے کا بھی ذکر آئے گا۔
تفسیر کبیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں بت پرستی کی تحقیر بیان کی گئی ہے کہ بت کس طرح عبادت کے لائق ہیں جب کہ وہ کسی چیز کو پیدا کرنے اور نعمت عطا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں

وَذَكَرَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَيْضًا عِبَادَتَهَا بِسَبَبِ اَنَّ الْاِلٰهَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ عَالِمًا بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَهٰذِهِ الْاَصْنَامُ جَمَادَاتٌ لَا مَعْرِفَةَ لَهَا بِشَيْءٍ اَصْلًا فَكَيْفَ تَحْسُنُ عِبَادَتُهَا ؟

اس آیت میں بھی بتوں کی عبادت کی تحقیر بیان کی گئی ہے اس وجہ سے کہ معبود کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا ہو۔ اور یہ بت بے جان، بے حس، بے حرکت چیز ہیں ان کو کوئی علم و معرفت حاصل نہیں۔ ان کی عبادت کو کیسے اچھا سمجھ لیا گیا ہے۔

اس کے بعد علامہ رازی کبیر میں بیان فرماتے ہیں۔
اِعْلَمْ اَنَّهٗ تَعَالٰى وَصَفَ هٰذِهِ الْاَصْنَامَ بِصِفَاتٍ كَثِيْرَةٍ
تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی کئی صفات بیان کی ہیں۔

پہلی صفت
لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ
وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود بنائے جاتے ہیں۔

دوسری صفت
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ
مردہ ہیں زندہ نہیں۔

تیسری صفت
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ
انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کو کب زندہ کیا جائے گا۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ پر سوال وارد ہوتا ہے کہ اَمْوَاتٌ کا معنی مردے جن میں زندگی نہ ہو اور غَيْرُ اَحْيَاءٍ کا معنی بھی جو زندہ نہ ہوں۔ دو مرتبہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے۔
علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے دو جواب دیتے ہیں۔
پہلا جواب یہ دیا کہ معبود تو وہ ہوتا ہے جو ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اسے نہ موت آئے اور نہ ہی موت کے بعد زندگی۔
وَهٰذِهِ الْاَصْنَامُ اَمْوَاتٌ لَا يَحْصُلُ عَقِيْبَ مَوْتِهَا الْحَيَاةُ
اور یہ بت تو مردہ ہیں جن کو موت کے بعد زندگی حاصل ہی نہیں۔

حالانکہ خدا کے لیے ہمیشہ زندہ ہونا ضروری اور جن کو زندگی حاصل ہی نہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں۔

إنَّ هٰذِهِ الْكَلَامَ مَعَ الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ الْأَوْثَانَ

یہ کلام ان کافروں سے ہے جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ نہایت جاہل اور گمراہ ہیں۔ جب جاہل اور غبی سے کوئی کلام کی جائے تو بہتر یہ ہوتا ہے کہ ایک مقصد کو کئی کلاموں سے پیش کیا جائے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ مخاطب اتنا کند ذہن جاہل ہے جب تک کلام کئی مرتبہ نہ کریں وہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔

"مولانا مودودی صاحب کا یہ خدشہ کہ بتوں کو زندہ کیا ہی نہیں جائے گا تو اس کلام کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کو کب زندہ کیا جائے گا!"

مولانا کو یہ پریشانی اپنے علم میں زعم باطل اور تفاسیر میں نظر نہ کرنے کی وجہ سے درپیش آئی ورنہ علامہ رازی کی بحث پر نظر فرمائیں اور مولانا کی تفہیم القرآن کا اندازہ لگائیں کہ وہ کس درجہ کی ہے

علامہ رازی فرماتے ہیں۔

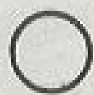
قَوْلُهٗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ وَالضَّمِيْرُ فِيْ قَوْلِهٖ وَمَا يَشْعُرُوْنَ عَائِدٌ إِلَى الْأَصْنَامِ وَفِي الضَّمِيْرِ فِيْ قَوْلِهٖ يُبْعَثُوْنَ قَوْلَانِ أَحَدُهُمَا أَنَّهٗ عَائِدٌ إِلَى الْعَابِدِيْنَ لِلْأَصْنَامِ يَعْنِيْ أَنَّ الْأَصْنَامَ لَا يَشْعُرُوْنَ مَتٰى تُبْعَثُ عَبَدَتُهُمْ، وَفِيْهِ تَهَكُّمٌ بِالْمُشْرِكِيْنَ وَأَنَّ آلِهَتَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَقْتَ بَعْثِهِمْ فَكَيْفَ يَكُوْنُ لَهُمْ وَقْتُ جَزَاءٍ مِنْهُمْ عَلٰى عِبَادَتِهِمْ وَالثَّانِيْ أَنَّهٗ عَائِدٌ إِلَى الْأَصْنَامِ يَعْنِيْ إِنَّ هٰذِهِ الْأَصْنَامَ لَا تَعْرِفُ مَتٰى يَبْعَثُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ الْأَصْنَامَ لَهَا أَرْوَاحٌ وَمَعَهَا شَيَاطِيْنُهَا فَيُؤْمَرُ بِهَا إِلَى النَّارِ ۝

مایشعرون میں جو ضمیر ہے وہ بتوں کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ ان بتوں کو معلوم نہیں۔ لیکن یبعثون کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ یہ ضمیر بتوں کی عبادت کرنے والوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی بیشک یہ بت نہیں جانتے ان کی عبادت کرنیوالوں کو کب زندہ کیا جائیگا! اس میں مشرکوں کو شرم دلانی مقصود ہے کہ تمہارے معبود تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تمہیں کب زندہ کیا جائے گا۔ وہ تمہاری عبادات کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں! دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر بتوں کی طرف لوٹ رہی ہے معنی یہ ہو گا کہ ان بتوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کب زندہ کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو زندہ کرے گا ان کو روحیں عطا کی جائیں گے۔ ان کے ساتھ شیاطین بھی ہوں گے۔ ان کو جہنم میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اب واضح ہوا کہ جن معبودوں کا ذکر ہو رہا ہے ان سے مراد وہ بت ہیں جن کو زندہ بھی کیا جائے گا باقی بتوں کو جو مردہ کہا ہے وہ اس طرح کہ ان کو زندگی عطا کی ہی نہیں گئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے نطفہ کو مردہ کہا ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اس مقام پر میت سے مراد نطفہ ہے۔



تفسیر ابن کثیر میں ہے

أَيْ أَنَّ الْأَصْنَامَ الَّتِي يَدْعُونَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ كَمَا قَالَ الْخَلِيلُ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَقَوْلُهُ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ أَيْ هِيَ جَمَادَاتٌ لَا أَرْوَاحَ فِيهَا فَلَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ وَلَا تَعْقِلُ ۝

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا جن بتوں کو لوگ پوجتے ہیں وہ تو کسی کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود گھڑے اور بنائے جاتے ہیں۔ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا کیا تم انہیں پوجتے ہو جن کو خود ہی گھڑتے ہو۔ حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ کا مطلب وہ جمادات ہیں جن میں روح نہیں اور نہ ہی وہ سنتے ہیں اور نہ ہی وہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی عقل ہے۔

مندرجہ بالا تفاسیر کے بیان سے واضح ہوا کہ بتوں کی نفی کرنا اور اہل قبور یعنی انبیاء کرام اور اولیاء کرام مراد لینا غلط ہے اور تفاسیر سے بے خبری کی علامت ہے۔

مودودی صاحب کی تیسری غلطی

مودودی صاحب نے جو یہ کہا ہے "یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین نہیں اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا"۔

یہ بھی غلط ہے تفاسیر پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے یہ غلطی بھی سرزد ہوئی۔

تفسیر کبیر میں ہے "

وَالثَّالِثُ اَنْ یَّکُوْنَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ الْمَلٰئِکَۃَ وَکَانَ نَاسٌ مِّنَ الْکُفَّارِ یَعْبُدُوْنَہُمْ فَقَالَ اللّٰہُ اِنَّہُمْ اَمْوَاتٌ لَا بُدَّ لَہُمْ مِنَ الْمَوْتِ غَیْرُ اَحْیَاءٍ اَیْ غَیْرُ بَاقِیَۃٍ حَیَاتُہُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ اَیْ لَا عِلْمَ لَہُمْ بِوَقْتِ بَعْثِہِمْ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ○

تیسرا قول یہ ہے کہ والذین یدعون من دون اللہ میں جن معبودوں کا ذکر ہو رہا ہے ان سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ کئی کافران کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اَمْوَاتٌ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ضرور موت آنی ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ

وہ اب مردہ ہیں بلکہ ان پر بھی یقیناً موت آئے گی۔ اور غَیْرُ اَحْیَاءٍ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں۔

وما یشعرون ایان یبعثون کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی زندگی کے وقت کا علم نہیں کس وقت ان کو زندہ کیا جائے گا۔

مولانا کا یہ کہنا کہ فرشتوں پر غیر احیاء کا اطلاق صحیح نہیں۔

کس طرح تفاسیر سے بے خبری ہے۔

جس طرح تفسیر کبیر میں ذکر ہے اسی طرح تفسیر روح المعانی میں بھی ذکر ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے صرف اسی عبارت پر انحصار کیا جا رہا ہے۔

مودودی صاحب کی چوتھی غلطی

مودودی صاحب کہتے ہیں " یہ دونوں مذاہب (عیسائی اور یہودی) بری طرح انبیاء، اولیاء، اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے"

مولانا کی یہ عبارت اس لئے غلط ہے وہ اس عبارت سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے مزارات پر دعا کرنے والے عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ہیں۔

مقام تعجب بلکہ مقام افسوس یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی انبیاء کو خدا اور معبود سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں لیکن مسلمان

انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو اللہ کے مقبول بندے اور مقربین سمجھ کر ان کے توسل سے اللہ وحدہ لاشریک لہ سے دعا والتجا کرتے ہیں۔ اتنا واضح فرق ہونے کے باوجود اگر کسی کو فرق سمجھ نہ آئے تو اپنے عقل کا ماتم کرے۔

اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر اور وحدہ لاشریک لہ سمجھ کر انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے توسل سے دعا کرنا صحابہ کرام اور بزرگان دین کا طرزِ عمل رہا۔ کچھ واقعات تو میں نے اپنی کتاب، تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں ذکر کیے ہیں۔ لیکن کچھ واقعات یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ حق وصداقت واضح ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش طلب کرنیکی درخواست

جواہر البحار جلد نمبر ۲ صـ۳۳ میں بیہقی اور ابن شیبہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے اور فتح الباری شرح بخاری جزء ۲ میں بھی مذکور ہے۔ مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے خازن تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت بلال بن حارث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا۔

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس صحابی کو خواب میں شرفِ ملاقات بخشا اور فرمایا کہ حضرت عمر کے پاس جا کر انہیں میرا سلام کہو اور بتاؤ کہ عنقریب بارش ہو جائے گی اور ان کو کہنا کہ دانائی سے کام لو یعنی میانہ روی رہے۔

وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو آپ نے روتے ہوئے عرض کیا اے میرے اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا ہاں جس سے میں عاجز ہوں اسے معاف فرمانا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہو کر کھانا طلب کرنا

جواہر البحار جلد نمبر ۲ صـ۳۳ میں مذکور ہے۔ امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابو الشیخ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے۔ اور ہم پریشان حال تھے، بھوک کے آثار ہم پر ظاہر تھے گویا کہ اس دن ہم صوم وصال میں تھے۔

فَلَمَّا كَانَ وَقْتُ الْعِشَاءِ حَضَرْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ الْجُوْعَ ۝ جب عشاء کا وقت ہوا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

ہم بھوکے ہیں۔ پھر میں واپس آگیا۔ میں اور ابوالشیخ سو گئے۔ اور
طبرانی ابھی بیٹھ کر کسی چیز میں نظر کر رہے تھے۔ ایک علوی شخص آئے
اور ان کے ساتھ دو غلام تھے ہر ایک کے پاس ایک ایک توشہ دان
تھا جن میں کھانے کی بہت چیزیں تھیں۔ ہم بیٹھے اور ہم نے کھایا
اور وہ کھانا ہم سے بچ گیا جو وہ ہمارے پاس ہی چھوڑ گئے وہ
شخص کہنے لگے:

یَا قَوْمِ اَشَکَوْتُمْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنِّیْ رَاَیْتُہٗ فِی الْمَنَامِ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَحْمِلَ بِشَیْءٍ اِلَیْکُمْ ۝

کیا تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بھوک کی شکایت
کی تھی؟

کیوں کہ میں نے خواب میں آپ کی زیارت کی تو آپ نے مجھے
حکم فرمایا کہ میں کھانے کی اشیاء تمہارے پاس پہنچاؤں۔

کریم سے جب سوال کیا جائے وہ عطا کرتا ہے

ابو العباس بن نفیس المقری نابینا تھے کہتے ہیں میں مدینہ میں
تین دن سے بھوکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور پر حاضر ہوا

فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جُعْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ ضَعِیْفًا فَرَکَضَتْنِیْ جَارِیَۃٌ
بِرِجْلِھَا فَقُمْتُ مَعَھَا اِلٰی دَارِھَا فَقَدَّمَتْ اِلَیَّ خُبْزَ بُرٍّ وَتَمْرًا
وَسَمْنًا وَقَالَتْ کُلْ یَا اَبَا الْعَبَّاسِ فَقَدْ اَمَرَنِیْ بِھٰذَا جَدِّیْ
صلی اللہ علیہ وسلم وَمَتٰی جُعْتَ فَأْتِ اِلَیْنَا ۝

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھوکا ہوں۔ یہ عرض کرنے
کے بعد میں سو گیا اسی بے قراری کے عالم میں تھا کہ مجھے ایک لڑکی
نے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے اٹھایا اور مجھے اپنے گھر لے گئی۔ اس
نے مجھے گندم کی روٹی، کھجوریں اور گھی دیا اور کہا اے ابو العباس کھاؤ
کیونکہ مجھے میرے جد امجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم
دیا ہے۔ آئندہ جب بھی تم بھوکے ہو ہمارے گھر آجاؤ۔

ابو سلیمان داؤد شاذلی نے اپنی کتاب البیان والانتصار میں کئی واقعات
ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ جب کبھی
کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تو آپ نے اپنی اولاد
میں سے کسی کو حکم دیا کہ فلاں کو کھانا کھلاؤ۔ کیونکہ کریم کی شان
ہی یہ ہے کہ وہ خود سائل کو عطا کرتا ہے یا اس کا قائم مقام یعنی
اس کی اولاد میں سے کوئی ہو تو وہ سائل کے سوال کو پورا کرتا ہے۔

(جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۳۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ انور سے بذریعہ خط شفا طلب کرنا

ابو محمد اشبیلی کہتے ہیں اہل غرناطہ سے ایک شخص کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوگیا اس وقت کے تمام طبیب اس کے علاج سے عاجز آگئے اور اس کی صحت سے ناامید ہوگئے۔ اس کے وزیر ابن ابی خصال نے اس کی طرف سے ایک خط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا۔ جس میں اس کی بیماری سے شفاء کی التجاء کی گئی۔ اس خط میں کچھ شعر لکھے گئے۔ پہلا شعر یہ ہے۔

شعر
کتاب وقیذ من زمانة مشفی
بقبر رسول اللہ احمد یستشفی

مہلک بیماری میں مبتلاء، عاجز، موت کے کنارے پر پہنچے ہوئے شخص کا خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمد مجتبیٰ کی قبر انور کے توسل سے شفاء طلب کرتا ہے۔

قَالَ فَمَا هُوَ اِلَّا اَنْ وَصَلَ الرَّكْبُ الْمَدِيْنَةَ الشَّرِيْفَةَ وَقُرِئَ عَلٰى قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هٰذَا الشِّعْرُ وَبَرَأَ الرَّجُلُ مَكَانَهٗ ○

کہتے ہیں جب وہ سوار مدینہ طیبہ میں پہنچا اور یہ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور پر پڑھا گیا اسی وقت وہ بیمار شخص اپنے

گھر صحت یاب ہوگیا۔ (جواہر البحار جلد ۴ ص ۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش کی دعا کرنا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضى الله عنه كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ ○ (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۱۳۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی۔ عرض کیا اے اللہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تجھ سے بارش طلب کرتے تھے تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلے سے دعا کر رہے ہیں کہ تو ہمیں بارش عطا فرما۔ (ان کی دعا قبول ہوئی) بارش عطا کر دی گئی۔

اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد آپ کے توسل سے دعا کرنا جائز نہیں۔ اگر جائز ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی جاتی معلوم یہ ہوا کہ زندہ کے وسیلہ سے دعا کرنی جائز ہے لیکن جو اس دار فانی سے رحلت کر جائے۔ اس کے وسیلہ سے دعا کرنی جائز نہیں۔

پہلا جواب معترضین جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ناجائز ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ غلط ہے۔

فَإِنَّ التَّوَسُّلَ كَمَا هُوَ جَائِزٌ بِالْأَحْيَاءِ كَذٰلِكَ جَائِزٌ بِالْأَمْوَاتِ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہ فَعَلَ أَحَدَ الْجَائِزَيْنِ وَهٰذَا كَمَا يَسْتَدِلُّ أَحَدٌ بِأَنَّ التَّوَسُّلَ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ لَيْسَ بِجَائِزٍ وَإِلَّا لَمَا تَوَسَّلَ عُمَرُ بِالذَّاتِ وَهٰذِهٖ سَفْسَطَةٌ ظَاهِرَةٌ ۝

جس طرح زندہ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے اسی طرح جو حضرات دنیا سے رخصت ہو جائیں ان کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی جائز ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو جائز کاموں میں سے ایک جائز پر عمل کیا ہے۔ آپ کے ایک جائز کام پر عمل کرنے سے دوسرے جائز کو ناجائز نہیں کر دیا۔ یہ اعتراض تو اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اس سے یہ دلیل پکڑے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ ایک ذات و انسان یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی لہٰذا نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو آپ نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا نہ کرتے۔

یہ سوال ایسا لغو اور بے حیثیت ہے جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی وقعت نہیں بلکہ معترض کی اس اعتراض سے جہالت ظاہر ہوگی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کی حیثیت بھی اسی طرح ہے۔

حالانکہ نیک اعمال سے استمداد قرآن و احادیث سے ثابت ہے

نیک اعمال سے استمداد و استعانت

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ پ ۲
اے ایمان والو نماز اور صبر سے امداد طلب کرو۔

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث مشکوٰۃ شریف باب البر والصلہ میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سنے فرمایا تین آدمی راستے میں چل رہے تھے کہ بارش آگئی وہ پہاڑ
کی غار میں چلے گئے۔ پہاڑ سے ایک پتھر گرا جس نے غار کے
منہ کو بند کر دیا وہ اس غار میں بند ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو
کہنے لگے اپنے اپنے اعمال کی طرف نظر کرو۔ جو تم نے خالص اللہ کے
لیے نیکی کے کام کئے ہیں ان کے وسیلے سے دعا کرو شائد اللہ تعالیٰ
اس پتھر کو ہٹا دے۔

ایک نے ان سے کہا اے اللہ میرے والدین بوڑھے تھے اور
میرے بچے چھوٹے تھے میں بھیڑ بکریاں چراتا تھا۔ جب میں شام کو
واپس لوٹتا تو دودھ دوہ کر اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو
پلاتا۔ ایک دن میں کہیں دور چلا گیا جب میں شام کو واپس لوٹا تو میں
نے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے دودھ دوہا جس طرح پہلے دوہا
کرتا تھا۔ دودھ کا برتن لیے ہوئے میں آگیا اور ان کے سر کی جانب
کھڑا ہو گیا میں نے ان کو جگانا ناپسند سمجھا اور بچوں کو والدین
سے پہلے دودھ دینا بھی ناپسند سمجھا۔ میرے بچے بھوک کی وجہ
سے چلاتے ہوئے میرے قدموں سے لپٹ رہے تھے۔ صبح
تک معاملہ یہی رہا۔

اے اللہ جب تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام فقط تیری رضا کے لیے
کیا تھا تو اس پتھر کو اتنا ہٹا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔
اللہ تعالیٰ نے غار کے منہ کو اتنا کھول دیا کہ وہ آسمانوں کو دیکھنے لگے۔

دوسرے نے عرض کیا اے اللہ جس طرح لوگ عورتوں سے محبت کرتے
ہیں میں ان سے بڑھ کر اپنے چچا کی بیٹی سے محبت کرتا تھا۔ ایک
دن میں نے اس سے اپنی خواہشات کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا لیکن
اس نے انکار کر دیا کہ پہلے ایک سو دینار پیش کرو۔ میں نے کوشش
کر کے ایک سو دینار جمع کر لیے وہ پیسے لے کر میں نے اس سے
ملاقات کی۔ جب میں اس سے جماع کرنے کے لیے مکمل تیار ہو
گیا اس نے کہا اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر۔ پردہ بکارت کو نہ
کھول۔ میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ اے اللہ جب تو جانتا ہے کہ
یہ کام میں نے فقط تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس پتھر کو اور ہٹا
دے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور ہٹا دیا۔

تیسرے نے کہا اے اللہ میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا
کہ تجھے آٹھ سیر (تقریباً) چاول دوں گا جب وہ اپنے کام کو ختم کر چکا
تو کہنے لگا کہ میری مزدوری مجھے دو۔ جب میں نے اس کی
مزدوری اس کے سامنے پیش کی (اس نے اختلاف کرتے ہوئے)
مزدوری کو چھوڑا اور چلا گیا۔ میں ان چاولوں کو کاشت کرتا رہا۔
یہاں تک کہ میں نے ان چاولوں کی پیداوار کے ذریعے کئی گائے
خرید لیں اور ان کے لیے ایک چرواہا خرید لیا (غلام خرید لیا) کچھ
عرصے کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے شخص اللہ سے ڈر،
مجھ پر ظلم نہ کر میرا حق مجھے دے دے۔ میں نے اسے کہا جا وہ گائے

اور ان کا چرواہا لے جا۔ اس نے کہا اللہ سے ڈر میرے ساتھ مزاح نہ کر میں نے کہا میں تمہارے ساتھ مزاح نہیں کر رہا وہ گائے اور ان کا چرواہا لے جاؤ۔ وہ شخص تمام گائے اور چرواہا لے گیا۔

اے اللہ جب تو جانتا ہے کہ یہ کام میں نے صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے باقی پتھر کو بھی ہٹا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے باقی پتھر کو بھی ہٹا دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس دعا سے مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دعا صرف زندہ شخص کے وسیلہ سے ہو سکتی ہے لہٰذا نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنی منع ہے۔ یہ ایسا لغو اور من گھڑت، بے حقیقت سوال ہے جس کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں کیونکہ پانی کے بلبلے کا کم از کم وجود تو ہوتا ہے لیکن یہ سوال بلا وجہ ذہنی اختراع ہے۔

دوسرا جواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا بھی حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی دعا تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِيِّنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَهٰذِهِ الْاِضَافَةُ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَنْظُوْرَ فِيْهِ قَرَابَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ○ (البصائر ص۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا میں جو یہ عرض کیا گیا اے اللہ ہم اپنے نبی کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کر رہے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا سمجھ کر دعا کی گئی۔

"اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا" یہ اضافت دلالت کرتی ہے کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت منظور تھی۔ ورنہ اور بھی کئی جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا بھی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حقیقتہً دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی تھی کیونکہ آپ نے جو دعا کی اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ تَوَسَّلُوْا بِيْ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ

اے اللہ بے شک قوم نے مجھے تیرے نبی کا قریبی سمجھ کر میرا وسیلہ پیش کیا۔

تیسرا جواب اگر یہی دلیل قوی ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ

کے وسیلہ کو نا جائز سمجھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کیا تو ایک اور موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے کا مشورہ کیوں دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مشورے پر عمل کیوں کیا۔ اصل وجہ وہ ہی ہے جو پہلے جواب میں گزر گئی کہ جب کئی طریقے جائز ہوں تو جس پر چاہے عمل کرلے دارمی کی روایت مشکوٰۃ شریف باب الکرامات میں مذکور ہے۔

عَنْ اَبِی الْجَوْزَاءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ قَحْطًا شَدِیْدًا فَشَکَوْا اِلٰی عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَی السَّمَاءِ حَتّٰی لَا یَكُوْنَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰی نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ ○

ابن جوزاء سے مروی ہے کہ اہل مدینہ ایک مرتبہ سخت قحط میں مبتلا ہوگئے یعنی بارش نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر شکایت کی آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور کی طرف دیکھو اور ان کے حجرہ کی چھت سے تھوڑا سا سوراخ کر دو یہاں تک کہ آپ کی قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت کا حجاب نہ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا تو اتنی کثیر بارش ہوئی جس کی کثرت سے بہت زیادہ گھاس اگی اور درخت سرسبز و شاداب ہوئے اونٹ اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی کی وجہ سے

اونٹوں کی کوہانیں پھٹ گئیں۔ اس سال کا نام ہی عام الفتق (پھٹنے کا سال) پڑ گیا۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

وَقِیْلَ اِنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ یُسْتَشْفَعُ بِهٖ عِنْدَ الْجَدْبِ فَتُمْطِرُ السَّمَاءُ فَاَمَرَتْ عَائِشَةُ بِكَشْفِ قَبْرِهٖ مُبَالَغَةً فِی الْاِسْتِشْفَاعِ فَلَا یَبْقٰی بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَاءِ حِجَابٌ ○

بیان کیا گیا ہے کہ قحط سالی کے دوران جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی۔ بارش ہو جاتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی قبر کی چھت میں سوراخ کا حکم توسل میں مبالغہ ثابت کرنے کے لیے دیا۔ تاکہ آپ اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا کرنے کا حکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اگر ناجائز ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ اس کا مشورہ دیتیں اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر عمل کرتے۔

علماء دیوبند کے نزدیک اہل قبور کے تصرفات

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب بزم جمشید کے صـ۱۷ پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں۔

وہ (شاہ عبدالرحیم صاحب) قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ وسوسہ ہوا کہ نہ معلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں فوراً قبر سے آواز آئی

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
بجان آیدم گر تو آئی بتن

مجھے اپنی طرح زندہ سمجھو۔ اگر تم جسمانی طور پر آئے ہو تو میں روحانی طور پر آؤں گا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ شاہ صاحب حاضر مزار تھے ان پر قطب صاحب کی روحانیت کا انکشاف ہوا اس وقت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سماع کے نسبت آپ کی کیا تحقیق ہے؟

فرمایا کہ شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ اَلشِّعْرُ کَلَامٌ مَوْزُوْنٌ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِیْحُهٗ قَبِیْحٌ ۝

(شعر ہم وزن کلام ہے اچھی کلام پر مبنی اچھا ہے بری کلام پر مبنی برا ہے۔)

اور فرمایا کہ صوتِ حسن کے متعلق کیا کہتے ہو۔ عرض کیا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

(یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے)

بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ اس سے مراد اچھی آواز ہے فرمایا کہ اگر دونوں جمع ہو جائیں اس وقت کیا کہو گے۔ عرض کیا نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔

(نور ہی نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے)

فرمایا پس ہمارا سماع یہی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ آسمان کی طرف سے ایک تخت نازل ہوا جس پر ایک بزرگ رونق افروز تھے۔ حضرت قطب صاحب ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تخت پھر آسمان پر اٹھ گیا۔

تو شاہ صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ کون بزرگ تھے فرمایا یہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند تھے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو سماع کے منکر تھے آپ نے ان کے سامنے اپنی تحقیق کو کیوں بیان نہیں کیا۔ فرمایا ادب کے خلاف تھا۔ یہ حضرات عالم برزخ میں بھی ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے۔

مولانا اشرف علی صاحب نے بزم جمشید میں غالباً شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب انفاس العارفین سے نقل کیا ہے کیونکہ وہ کتاب فارسی زبان میں ہے اس میں بھی یہ واقع مندرج ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب نے بزرگان دین کے تصرف کو مانتے ہوئے اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے اگر نہ مانتے تو ان واقعات کو اپنی کتابوں میں یا شامل ہی نہ کرتے یا ذکر کرنے کے بعد رد کر دیتے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان حضرات کے پیروکار اس عقیدہ سے منحرف ہو گئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے امداد طلب کرنا

مولوی سید احمد (بریلوی) جو کہ مولوی سید اسماعیل دہلوی کے ہم عقیدہ ہیں۔ جن کے عقیدہ پر ہی تمام علماء دیوبند کا عقیدہ ہے مولوی سید احمد کے بھانجے کے مرید اور خلیفہ مجاز سید محمد علی کہتے ہیں۔

آدھی رات کے قریب ہم وادی سرف پر پہنچے جہاں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار فائض الانوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے شوہر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرمائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ میں جب سو کر اٹھا تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی میری طاقت میں اضمحلال آگیا اور چہرہ کملا گیا تھا۔ روٹی مانگنے کے لیے میں ہر کسی کے پاس گیا لیکن مطلب کو نہ پہنچا۔ آخر بے بس ہو کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کے لیے گیا اور فقیرانہ انداز سے صدا لگائی اور میں نے آپ سے عرض کیا اے میری دادی جان میں آپ کا مہمان ہوں کوئی چیز کھانے کی عنایت فرمائیں۔ پھر میں نے سلام عرض کیا اور فاتحہ پڑھ کر روح کو ثواب پہنچایا اور آپ کی قبر انور پر سر رکھ دیا اللہ جو رازق مطلق ہے اور ہمارے احوال سے واقف

ہے۔ اس کی طرف سے مجھ کو انگور کے دو تازہ خوشے ملے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ ایام سرما تھے اور ان دنوں وہاں انگور کا ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا۔ ان خوشوں میں سے کچھ میں نے وہیں کھائے اور باقی حجرہ سے باہر آکر میں نے ایک ایک دانہ ہر ایک کو تقسیم کیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے۔ ؎

یافت مریم گر بہنگام شتا	میوہ ہائے جنت از فضل خدا
ایں کرامت در حیاتش بود بس	بعد موتش نقل ننمود است کس
بعد فوت زوج ختم المرسلین	رفتہ چندیں قرنہائے دہر
بنگر از وے ایں کرامت یافتم	مایہ صد گونہ نعمت یافتم

حضرت مریم نے اگر ایام سرما میں جنت کے میوے دگر میوں والے فضل خدا سے پائے تو ان کی یہ کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی ان کی وفات کے بعد یہ کرامت ثابت نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی وفات کے بعد اتنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اسے دیکھنے والے دیکھ، کہ میں نے آپ سے اس کرامت کا ظہور پایا اور صد ہزار نعمت کے حصول کا مرتبہ پایا۔ (مخزن احمدی ص ۹۹)

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ مولوی سید احمد کے بھانجے کے مرید خاص، خلیفہ مجاز بلکہ خود سید احمد صاحب کے تربیت یافتہ حضرت نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر کو فائض الانوار (نورانیت کا فیضان کرنے والی) کہا۔ اور ان سے عاجزانہ طور پر امداد طلب کی اور کھانے

کی کوئی چیز طلب کی۔

قبر انور پر سر بھی رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت میمونہ کی برکت اور کرامت کی وجہ سے بے موسم پھل عطا کیا۔ آپ سے وفات کے بعد ایسی کرامت کا ظہور ہوا جو حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے زندگی میں ظاہر ہوئی یعنی حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے ایسی کرامت کا ظہور وفات کے بعد ثابت نہیں۔ یہ تمام باتیں ایسے حضرات سے شرک و بدعت کے فتویٰ کی زد میں آجاتی ہیں حالانکہ خود وہی کام کرنے کے باوجود موحد اور توحید پرست ہیں۔ یہ عجیب دورنگی چال سمجھ سے بالاتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک باہر نکالا

مولانا محمد زکریا جو کہ تبلیغی جماعت والوں کے عظیم بزرگ ہیں اور ان کی کتب کو جمع کر کے اس کا نام تبلیغی نصاب رکھا۔ وہ اپنی کتاب فضائل حج ص ۱۸۲ میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحاوی للفتاوی سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو دو شعر پڑھے۔

ترجمہ:- دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت نوّے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں روٹی عطا فرمائی جو جاگتے ہوئے موجود تھی

مولانا محمد زکریا اپنی کتاب فضائل حج صـ۱۴۸ میں وفا شریف سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ابن جلا کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور میں آپ کا مہمان ہوں مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک

روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے محب غلام کے گھر جلوہ گری

مولانا محمد زکریا صاحب الحادی للفتاوی سے اپنی کتاب فضائل حج صـ۱۴۶ میں تحریر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کو ابن ثابت کہا جاتا تھا ساٹھ سال تک ہر سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور زیارت کرکے واپس آجاتے۔ ایک سال کسی عارضہ کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے کچھ غنودگی کی حالت میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

ابن ثابت تم ہماری ملاقات کو نہ آئے اس لیے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ سے نبی کریم ﷺ کی محبت

مولانا محمد زکریا صاحب نے اپنی کتاب فضائل درود شریف میں علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا ہے

تبلیغی نصاب ص۸۰۳ (مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے (افسوس کہ اب نئے تبلیغی نصاب سے پورا رسالہ فضائل درود نکال دیا گیا ہے)

حکایت نمبر ۵۰ :- اس سیاہ کار کو ان فضائل کے رسائل لکھنے کے زمانہ میں بعض مرتبہ خود کو اور بعض مرتبہ بعض دوسرے احباب کو کچھ منامات اور مبشرات بھی آئے۔ اس رسالہ فضائل درود کے لکھنے کے زمانہ میں ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ مجھے یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اس رسالہ میں قصیدہ ضرور لکھیو لیکن قصیدہ کی تعیین معلوم نہیں ہو سکی البتہ خود اس ناکارہ کے ذہن میں خواب ہی میں یا جاگتے وقت دو خوابوں کے درمیان میں (اس لیے کہ اسی وقت دوبارہ بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا)

یہ خیال آیا کہ اس کا مصداق مولانا جامی نور اللہ مرقدہ کی وہ مشہور نعت ہے۔ جو یوسف زلیخا کے شروع میں ہے جب اس ناکارہ کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی گنگوہ میں اپنے والد صاحب

سے یہ کتاب پڑھی تھی۔ اسی وقت ان کی زبانی اس کے متعلق ایک قصہ بھی سنا تھا اور وہ قصہ ہی خواب میں اس کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کا داعیہ بنا قصہ یہ سنا تھا کہ مولانا جامی نور اللہ مرقدہ وعلی اللہ براتہ

یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس پر کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو یہ اشارہ فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور نے فرمایا وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔

اس قصہ کے سننے میں یا یاد میں ناکارہ کو تردد نہیں۔

مولانا نے اس واقعہ کی صحت پر دلیل قائم کر دی کہ یہ مجھے بالکل صحیح یاد ہے۔ اور آپ نے چونکہ اپنے والد صاحب (جو عالم تھے) سے سنا اور آپ کو اس میں کوئی تردد نہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے کتب کی ورق گردانی نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کو باحوالہ نہ پیش کر سکے۔

علامہ جامی کے وہ اشعار جو دربارِ مصطفوی میں مقبول ہوئے

ز مہجوری برآمد جانِ عالم ○ ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

آپ کے فراق سے دنیاءِ عالم کی جان جارہی ہے۔ اے اللہ کے نبی رحم فرمائیں
اے اللہ کے رسول رحم فرمائیں

نہ آخر رحمۃ للعالمینی ○ زِ محروماں چرا غافل نشینی

یقیناً آپ تو رحمۃ العالمین ہیں ۔۔۔ ہمارے جیسے بدقسمتوں سے آپ کس طرح غافل رہ سکتے ہیں۔

زِ خاک اے لالۂ سیراب برخیز ○ چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

اے خوشنما پھول مزار انور سے ہماری طرف توجہ فرمائیں ۔۔۔ خواب نرگس سے بیدار ہو کر ہمارے قلوب کو نورِ ہدایت عطا فرمائیں

بروں آور سر از بردِ یمانی ○ کہ روئے تست صبحِ زندگانی

یمنی چادر کے کفن سے سرِ انور باہر نکالیں۔ کہ آپ کا چہرہ انور صبحِ زندگانی ہے

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا ترجمہ مہرِ اولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں پایا جاتا ہے۔

لاہو مکھ تھیں مخطط برُدِ یمن ○ من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن

شبِ اندوہ ما را روز گرداں ○ ز رُویت روزِ ما فیروز گرداں

ہماری پریشان کن رات کو دن بنائیں۔۔ اپنے چہرہ انور کی زیارت سے ہمارے دن کو روشن بخت فرمائیں۔

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ ○ بسر بر بند، کافوری عمامہ

اپنے جسم اطہر پر عنبر سے معطر لباس پہنیں۔۔ اور اپنے سر انور پر کافوری دستار (پگڑی) باندھیں۔

فرو آویز از سر گیسواں را ○ فگن سایہ بپا سرو رواں را

اپنی واللیل کی زلفوں کو سر انور سے نیچے لٹکائیں۔ تاکہ ان کا سایہ آپ کے قدموں مبارک پر پڑے۔

ادیم طائفی نعلین پا کن ○ شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

آپ طائف کے چمڑے کے نعلین مبارک اپنے پاؤں مبارک میں استعمال فرمائیں۔

ان کے تسمے ہماری جان کے ڈورے سے بنائیں۔

جہانے دیدہ کردہ فرش راہ اند ○ چو فرش اقبالِ پابوس ز خواہند

تمام جہان نے اپنی آنکھوں کو آپ کا فرشِ راہ بنایا ہے۔ آپ کے تلودں کو اس طرح چومنے کے خواہش مند ہیں جس طرح زمین کے تلووں کو چومتی ہے۔

زچہرہ پائے درصحنِ حرم نہ ○ بفرق خاکِ رہ بوساں قدم نہ

روضہ مبارک سے باہر پاؤں مبارک صحن حرم میں رکھئے۔ آپ کی راہ کو چومنے والوں کے سروں پر اپنا قدم رکھئے۔

بدہ دستی زپا افتادگاں را ○ بکن دلدارئ دل دادگان را

عاجزوں، بے کسوں کی دستگیری فرمایئں۔ اپنے مخلص عاشقوں کی دلجوئی فرمایئں۔

اگرچہ غرقِ دریائے گناہم ○ فتادہ خشک لب بر خاکِ راہم

اگرچہ میں گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ لیکن آپ کی راہ مبارک پر خشک لب پیاسا پڑا ہوا ہوں۔

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے ○ کنی برحالِ لب خشکاں نگاہے

آپ ابر رحمت ہیں آپ کی شان کے ہی لائق ہے۔ آپ خشک لب پیاسوں کے حال پر نگاہ کرم فرمائیں۔

خوشا کز گرد در سویت رسیدم ○ بدیدہ گرد از کویت کشیدم

کیسا ہی اچھا وقت ہو گا جب گردِ راہ سے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ آپ کے درِ پاک کی خاک کا میں سرمہ لگاؤں گا۔

بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم ○ چراغت را زجان پروانہ کردیم

آپ کی مسجد پاک میں میں سجدہ شکر ادا کروں۔ آپ کے روضہ مبارک کے چراغ پر اپنی جان کو پروانہ وار قربان کروں۔

بگرد روضات گشتیم گستاخ ○ دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ

آپ کے روضہ مبارک کے اردگرد اس طرح چکر لگاتا۔ کہ میرا بے تاب دل آپ کے عشق ومحبت میں چھلنی ہوجاتا۔

زدیم از اشک ابر چشم بے خواب ○ حریم آستانِ روضات آب

اپنی بے خوابی آنکھوں کے بادل سے اشک بہاتا۔ جن سے آپ کے آستانہ محترم اور روضہ مبارک پر چھڑکاؤ کرتا۔

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے ○ گہے چیدیم زو خاشاک وخارے

کبھی ہم میدانِ حرم، مدینہ سے گرد وغبار کو دور کرتے۔ کبھی ہم اس سے خس وخاشاک کو اٹھاتے۔

ازاں نور سواد دیدہ دادیم ○ وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

اس گرد وغبار کو ہم اپنی آنکھوں کے نور کے لیے سرمہ بناتے۔ اور اس خس وخاشاک کو ہم اپنے زخمی دل کی مرہم بناتے۔

اگر نہ بود چو لطف دست یارے ○ ز دست ما نیاید ہیچ کارے

اگر آپ نے مہربانی اور امداد نہ فرمائی۔ ہم عاجز ہو جائیں گے ہم سے کوئی کام نہ ہو سکے گا۔

قضا ما افگند از راہ مارا ○ خدارا از خدا در خواہ مارا

تقدیر ہمیں راہ راست سے بھٹکا رہی ہے۔ خدارا ہمارے لیے رب قدوس سے دعا فرمایئے۔

کہ بخشد از یقین اول حیاتے ○ دہد آنگہ بکار دین ثباتے

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں پہلے کامل یقین عطا فرمائے۔ پھر دین اسلام کے تمام احکامات پر ثابت رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چوں ہول روز رستاخیز خیزد ○ باتش آبروئے ما نہ ریزد

جب قیامت کے دن ہولناکیاں درپیش آئیں۔ ہماری عزت کو دوزخ کی آگ پر نہ بہا دینا (ہمیں دوزخ کی آگ سے بچانا)

کند با ایں ہمہ گمراہی ما ○ ترا اذن شفاعت خواہی ما

باوجود ہمارے ان تمام گناہوں کے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری شفاعت کرنے کی اجازت فرمائے۔

چو چوگاں سرفگندہ آوری روئے ○ بمیدان شفاعت امتی گوئے

(ہمارے گناہوں سے شرمندگی کی وجہ سے ایکے کی طرح سر جھکاتے ہوئے میدان شفاعت میں امتی امتی کہتے ہوئے تشریف لائیں۔

○

بسوئے منبرت رہ برگرفتیم ○ ز چہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

آپ کے منبر شریف کے پاس حاضر ہوتے اپنے مغموم زرد چہرہ سے اس کے پائے کو سنہری بناتے۔

ز محرابت بسجدہ کام جستیم ○ قدم گاہت بخون دیدہ شستیم

آپ کے محراب میں سجدہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے۔ آپ کے قدم مبارک کی جگہ کو اپنی آنکھوں کے خونیں آنسوؤں سے دھوتے۔

بپائے ہر ستون قد راست کردیم ○ مقام راستاں درخواست کردیم

آپ کی مسجد کے ہر ستون کی قدر و منزلت کے مطابق ادب سے کھڑے ہوتے۔ سچوں کے مقام کے حصول کی ہم درخواست کرتے۔

زداغ آرزو دیت بادل خوش ○ زدیم از دل بہر قندیل آتش

آپ کی آرزو کے داغوں اور دلی تمناؤں سے۔ نہایت مسرت سے قندیل روشن کرتے۔

کنوں گر تن نہ خاک آں حریم است ○ بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم است

اب اگرچہ میرا جسم اس سرزمین حرم میں نہیں۔ بحمد اللہ روح ابھی اسی جگہ مقیم ہے۔

بخود در ماندہ ام از نفس خود رائے ○ ببیں در ماندہ چندیں ببخشائے

میں اپنے سرکش نفس سے عاجز آچکا ہوں۔ ایسے عاجز کی طرف نظر رحمت فرمائیں اور بخشش کریں۔

بحسن اہتمامت کار جامی ○ طفیل دیگراں یابد تمامی

آپ کے اچھے اہتمام سے جامی کا کام بھی دوسرے مقبول بندوں کے طفیل پورا ہو جائے۔

مولانا مودودی صاحب کی پانچویں غلطی

جس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا کی چار غلطیوں پر بحث ہو چکی ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ جن باطل معبودوں کا ذکر ہو رہا ہے ان سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء کرام ہیں۔

کیونکہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کرنا اور دعا کا قبول ہونا۔ اصحاب قبور کا توجہ فرمانا اور ان کا تصرف، صحابہ کرام سلف صالحین اور علماء دیوبند بوضد، عناد، ہٹ دھرمی سے دور تھے یہ سب اس کے قائل ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کی پانچویں غلطی یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں "پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود گزرے ہوئے انسان ہی تھے۔ جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ود، سواع، یغوث، نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے"

مودودی صاحب دلیل اس بات پر پیش کر رہے تھے کہ جن

کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز گنج بخش کہتے ہیں وہ ان بتوں کی طرح ہیں اور ان کو ماننے والے ان بت پرستوں کی طرح ہیں۔

مودودی صاحب کی یہ دلیل بے حقیقت اور بے اثر ہے کیونکہ آپ نے خود بھی تسلیم کر لیا کہ لوگوں نے ان کے بت بنا لیے تھے تفسیر کبیر میں بھی اسی طرح ہے۔

وَهِيَ وَدٌّ وَسُوَاعٌ وَيَغُوثُ وَيَعُوقُ وَنَسْرٌ اَسْمَاءُ خَمْسَةٍ مِنْ اَوْلَادِ آدَمَ فَلَمَّا مَاتُوْا قَالَ اِبْلِيْسُ لِمَنْ بَعْدَهُمْ "لَوْ صَوَّرْتُمْ صُوَرَهُمْ فَكُنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِمْ فَفَعَلُوْا فَلَمَّا مَاتَ اُولٰئِكَ قَالَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ فَعَبَدُوْهُمْ"○

یہ ود، سواع، یعوق، نسر اولاد آدم علیہ السلام سے پانچ شخصوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہوگئے تو ابلیس نے ان کے بعد زندہ رہنے والوں کو کہا ان کی صورتیں بنا لو اور ان کو دیکھا کرو تاکہ تمہیں عبادت میں سرور آئے انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ لوگ مرگئے تو بعد والوں کو ابلیس نے کہا کہ پہلے لوگ ان کی عبادت کرتے تھے تم بھی ان کی عبادت کیا کرو انہوں نے ان بتوں کی عبادت شروع کر دی۔

اب غور فرمائیں اگر مسلمان معاذاللہ ود وغیرہ کی طرح اولیار کرام اور انبیار عظام کے مجسمے بناتے اور ان کی عبادت کرتے تو یقیناً مشرک ہو جاتے اور مودودی صاحب بھی مسلمانوں کو مشرک بنانے اور اولیار کرام اور انبیار عظام کو بت کہنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اہل سنت وجماعت کا صلحار وانبیار کے متعلق عقیدہ

مودودی صاحب کی یہ اپنی سوچ ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ سے بے خبری کی وجہ سے مسلمانوں کو مشرکین کے برابر اور انبیار عظام اور اولیار کرام کو بتوں کے برابر سمجھتے ہیں۔ ورنہ مسلمانان اہلسنت وجماعت کا عقیدہ صاف ستھرا، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے عقیدہ کی طرح ہے۔

اہلسنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ کوئی نبی کوئی ولی معبود نہیں۔ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے ہر نبی اور ولی کی قبر کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے۔ سجدہ صرف ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

کوئی نبی اور ولی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس کا شریک نہیں۔

اولیار کرام اور انبیار کرام کے توسل سے دعا کرنا جائز ہے اور دعا میں قبولیت ہوتی ہے۔

اولیار کرام اور انبیار کرام کو قبروں میں زندگی حاصل ہے۔

اولیار کرام اور انبیار کرام کے تصرفات بعد از وفات بھی جاری ہیں۔

اولیار کرام اور انبیار عظام کا مشکل کشا ہونا اور دستگیر ہونا اللہ کی عطا سے ہے گویا کہ یہ ذریعہ ہوتے ہیں حقیقی طور پر یہ صفات اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں۔

نعمتیں اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی عطار کا ذریعہ ہیں۔ دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں۔

یہ تمام مندرجہ بالا عقائد، ماقبل بیان کردہ بحث سے سمجھے جا سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے بارش کی دعا کرنے کا مشورہ دیا۔

اسی طرح وہ تمام واقعات جو انبیار کرام کی زندگی کے متعلق یا توسل سے دعا کرنے کے بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کی طرف توجہ کی جائے تو واضح ہو جائے گا کہ ہمارے عقائد صحابہ کرام اور بزرگان دین کے عقائد کے عین مطابق ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے کا اتنا عام رواج ہو چکا ہے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کے دربار پر جائے۔ تو مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ دوسرے کے عقیدے اور شرک کے معنی سے بے خبری ہوتی ہے۔

شرک کسے کہتے ہیں

اَلْإِشْرَاكُ هُوَ إِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِي الْأُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنَى وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجُوْسِ أَوْ بِمَعْنَى اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْأَصْنَامِ ۝

(شرح عقائد ص ۶۱)

یعنی شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ مجوسیوں کی طرح مستقل خدا، واجب الوجود اور معبود سمجھ کر کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے کیونکہ وہ مستقل طور پر دو خدا مانتے تھے۔ ایک نیکیوں کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسرا برائیوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیکیوں کو پیدا کرنے والے خدا کا نام یزدان ہے اور برائیوں کو پیدا کرنے والے خدا کا نام اہرمن ہے۔

شرک کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود حقیقی کے بغیر کسی اور کو عبادت کا مستحق ہونا تسلیم کیا جائے جس طرح بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کے لائق تسلیم کرتے تھے۔ یعنی اگرچہ مجوسیوں کی طرح یہ اپنے بتوں کو مستقل خدا نہیں مانتے تھے لیکن پھر بھی معبود مانتے تھے ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے مستقل خدا ماننے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خدا خود خالق ہے مخلوق نہیں۔ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں بتوں کی پوجا کرنے والے اپنے بتوں کو مخلوق مانتے تھے لیکن عبادت کا مستحق اپنے بتوں کو اسی طرح مانتے تھے جس طرح مسلمان رب قدوس کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔



مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان امتیازی فرق

⊙ مشرکوں کا پہلا فرقہ یعنی مجوسی ایک خدا کے ساتھ دوسرا خدا اسی طرح مانتے ہیں جس طرح ایک خدا خالق ہے۔ اسی طرح دوسرا بھی خالق ہے۔

⊙ جس طرح ایک خدا اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اسی طرح دوسرا خدا بھی کسی کا محتاج نہیں۔

⊙ جس طرح ایک خدا کی ابتداء اور انتہاء نہیں اسی طرح دوسرے خدا کی ابتداء اور انتہاء نہیں۔

⊙ ایک خدا جس طرح عطا کرنے میں خود مستقل ہے کسی کا محتاج نہیں اسی طرح دوسرا خدا بھی عطا کرنے میں خود ہی مستقل ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

⊙ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے۔

⊙ اللہ تعالےٰ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں لیکن انبیاء عظام اور اولیاء کرام اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

⊙ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء لیکن انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی ابتداء ہے اور انتہا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ عطا کرنے میں خود قادر ہے کسی کا محتاج نہیں انبیاء کرام اور اولیاء کرام عطا کرنے میں خود قادر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اسی سے دلاتے ہیں۔

پہلے فرقہ سے امتیازی فرق واضح ہو گیا۔ اتنا نمایاں فرق ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص مسلمانوں کو مشرک بناتا ہے تو اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے جہالت سے نکال کر نور بصیرت عطا فرمائے۔ علم کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

مشرکوں کے دوسرے فرقہ سے مسلمانوں کا امتیازی فرق یہ ہے کہ مشرکوں کا دوسرا فرقہ یعنی بت پرست اگرچہ خدا کو بھی مانتے تھے جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط پ ۲۱ ع ۱۲

اگر آپ ان سے سوال کریں زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو وہ البتہ ضرور یہی کہیں گے "اللہ" لیکن رب کو ماننے اور بتوں کو واجب الوجود نہ ماننے اور مخلوق ماننے کے باوجود عبادت کا مستحق سمجھتے تھے۔ ان کے اس عقیدہ کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ پ ۲۳ ع

اور انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان سے ہی ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ۝ کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا بیشک یہ عجیب بات ہے ۝

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۝ پ ۲۳ ع ۱۵

ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔ اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنا لیے ہیں وہ کہتے ہیں ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔

ان بیان کردہ آیات سے واضح ہوا کہ کافر، مشرکین عرب برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم ان بتوں کو خدا مانتے ہیں کیا سارے خداؤں کو ایک مان لیں؟ ہم تو ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ اللہ کے قریب کریں۔

خدارا انصاف کیا جائے کون سا وہ مسلمان ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ انبیاء عظام اور اولیاء کرام عبادت کے مستحق ہیں؟
یہ عقیدہ تو کسی جاہل کا بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ علماء کرام پر

اس عقیدہ کا بہتان لگا کر اپنی عاقبت کو خراب کیا جائے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں۔ اگر مالک حقیقی اپنے فضل وکرم سے اپنے صفاتی اسماء سے کسی کو متصف کرے تو یہ اس کی شانِ کریمی ہوگی نہ کہ شرک کیونکہ ربِ قدوس کی وہ صفات ذاتی ہوں گی اور انبیاء کرام کی عطائی۔

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں سے مشرف فرمایا

اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی حلیم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے یہ صفت عطا فرمائی اور کہا۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ ۝ بیشک ابراہیم علیہ السلام حلیم ہیں۔
اللہ تعالیٰ حفیظ اور علیم حضرت یوسف علیہ السلام حفیظ اور علیم قرآن پاک میں ہے۔
اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا) بیشک میں حفیظ اور علیم ہوں۔
اللہ تعالیٰ صادق الوعد اور اسمعیل علیہ السلام صادق الوعد ہیں قرآن پاک میں ہے۔
اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ بے شک وہ (حضرت اسمعیل علیہ السلام) صادق الوعد تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کریم اور قوی موسیٰ علیہ السلام کو بھی کریم
اور قوی کہا۔

اللہ تعالیٰ صبور حضرت ایوب علیہ السلام صابر جو بمعنی صبور ہے
اللہ تعالیٰ علیم اور حلیم ہے حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کو بھی رب قدوس نے علیم اور حلیم بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا حضور کو اپنے ناموں سے مشرف فرمانا

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے چند ایسے اسماء
گرامی ذکر فرمائے جن کے متعلق آپ نے فرمایا یہ وہ اسماءِ گرامی ہیں
جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو عنایت فرمائے
جن کا آیات کریمہ یا احادیث صحیحہ میں ذکر ہے۔ وہ بالاختصار ذکر
کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم گرامی حمید ہے
اس کا معنی محمود ہے یعنی تعریف کیا ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف خود
بھی فرماتا ہے اور تمام کائنات بھی اس کی تعریف کرتی ہے۔ اس طرح
حمید کا دوسرا معنی حامد ہے یعنی تعریف کرنے والا کیونکہ وہ اپنی ذات
اور اعمال طاعت کی تعریف فرمانے والا ہے اس لیے حامد ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد ہے جس کا معنی احمد

اور محمود ہیں۔ حامد و محمود اور احمد و محمود کا ایک ہی معنی ہے۔
اسماءِ الٰہی میں سے الرؤف الرحیم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق ارشاد فرمایا

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ آپ مومنوں پر بہت زیادہ رحم
کرنے والے، مہربان ہیں۔

اسماءِ الٰہی میں سے اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ ○ حق بمعنی موجود و ثابت۔
اس کا امر متحقق ہے اور مبین اس لیے کہ اس کی الوہیت کا حکم اس کی
وحدانیت کی واضح دلیل ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ ○

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق تشریف
لے آیا اور فرمایا

حَتّٰى جَآءَكُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ

یہاں تک کہ تمہارے پاس حق تشریف لے آیا اور یہ رسول ظاہر
فرمانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حق اور مبین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق اور مبین
ہیں۔ اسماءِ الٰہی سے نور ہے نور کا معنی نور والا، نور کو پیدا کرنے والا
زمین و آسمان کو منور کرنے والا۔

عارفوں کے دلوں کو اسرار و ہدایت سے منور کرنے والا نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب روشن آئی
آپ نور ہیں کیونکہ احکامِ الٰہی کو واضح کرنے منور کرتے والے ہیں۔
مسلمانوں، عارفوں کے دلوں کو منور کرنے والے ہیں خیال رہے کہ یہاں
کتاب مبین سے مراد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے اس کی
تفاسیر کے حوالہ سے اپنی کتاب تسکین الجنان میں بہت زیادہ وضاحت
کی ہے نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن پاک معتزلہ کا مذہب
ہے اسماء الٰہی میں سے ایک نام الشہید ہے۔ جس کا معنی قاضی عیاض
رحمۃ اللہ نے جاننے والا بیان کیا ہے اور ایک قول میں اس کا معنی
"لوگوں پر گواہ ہونا" کیا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد اور شہید فرمایا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا شَاهِدًا ۝

(نہیں بھیجا آپ کو مگر شاہد) یعنی جاننے والا اور امت کے احوال و
اعمال کو حاضر ہو کر دیکھنے والا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝

یہ رسول تم پر گواہ ہیں۔

جب تمام امتیں اپنے رسولوں کی تبلیغ کا انکار کر دیں گے تو
امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گواہی دے گی اور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی سچائی پر گواہی دیں گے کہ میری امت
سچ کہہ رہی ہے کہ انبیاء کرام نے ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔
اسماء الٰہی میں سے ایک نام الکریم ہے جس کا معنی کثیر الخیر (بہت خیر عطا
فرمانے والا) کثیر الفضل (بہت فضل کرنے والا) کثیر العفو (بہت معاف
کرنے والا) اور حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اکرم بھی آیا ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی کریم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝

(بیشک یہ رسول کریم کا پڑھا ہوا ہے) یہ آیت کریمہ سورۃ الحاقہ
کی ہے جس کے بعد اس طرح ارشاد ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

یہ شاعر کا کہا ہوا نہیں۔ بہت کم ہیں جو ایمان لائے اور نہ
یہ کاہن کی باتیں ہیں بہت کم ہیں جو غور کرتے ہیں۔

بعد والی کلام سے واضح طور پر سمجھ میں آ رہا ہے کہ رسول کریم
سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاں البتہ سورۃ تکویر میں
جبرائیل امین کو بھی رسول کریم کہا گیا ہے۔ اگرچہ وہاں بھی بعض حضرات
نے رسول کریم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں تاہم زیادہ
اقوال یہ ہیں کہ مراد جبرائیل ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکرم ہیں آپ نے فرمایا۔
اَنَا اَکْرَمُ اَوْلَادِ اٰدَمَ ○ میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری، باطنی، ذاتی، صفاتی طور پر کرم سے متصف ہیں۔ اسمار الٰہی میں سے ایک نام العظیم ہے جس کا معنی جلیل الشان ہے یعنی اس کے سوا تمام چیزیں اس سے کمتر ہیں وہ تمام سے بلند شان کا مالک ہے۔

اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔
وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○
یقیناً آپ کے اخلاق عظیم ہیں۔

اور توریت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پہلے سفر کے ضمن میں ہے۔ "سَتَلِدُ عَظِیْمًا لِاُمَّةٍ عَظِیْمًا"
(عنقریب اس کی عظمت والی والدہ کے لیے عظیم فرزند پیدا ہو گا) چونکہ جس کی صفات عظیم ہوں اس کی ذات بھی عظیم ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ہیں۔

اسمار الٰہی میں سے ایک نام الجبار ہے اور جبار کے معنی مصلح، قاہر، برتر، عظیم الشان اور متکبر۔ اور زبور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام سے یاد فرمایا گیا ہے اور فرمایا۔ تَقَلَّدْ اَیُّهَا الْجَبَّارُ سَیْفَكَ فَاِنَّ نَامُوْسَكَ وَشَرِیْعَتَكَ مَقْرُوْنَةٌ بِهَیْبَتِكَ ○ تلوار کو گردن میں اس لیے آویزاں رکھتے ہیں کہ آپ کی ناموس اور آپ کی شریعت ہیبت

سے ملی ہوئی ہے۔ جبار کے تمام معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں صادق آتے ہیں کیونکہ آپ نے اپنی امت کی ہدایت و تعلیم کے ذریعے اصلاح فرمائی۔ اور اپنے قہر سے دشمنانِ دین کو مغلوب فرمایا۔
اور علومرتبت اور عظیم منزلت کی وجہ سے تمام انسانوں پر آپ کی بڑائی حاصل ہے باوجود اس کے کہ آپ کو بڑائی حاصل ہے لیکن آپ سے تکبر اور بڑائی کے ظاہر کرنے کو منع فرمایا گیا کہ آپ عجز و انکساری کو ظاہر فرمائیں اس لیے فرمایا وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ○
آپ ان پر تکبر فرمانے والے نہیں۔

اسمار الٰہی میں سے الخبیر ہے جس کا معنی کسی چیز کی حقیقت کو جاننا، یا اس کا معنی خبر دینے والا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ○
اسے تم خبیر سے معلوم کر دو۔
اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اپنی معرفت کا عظیم علم آپ کو عطا فرمایا۔ اس لحاظ پر آپ جاننے والے ہیں اور اپنی امت کو تمام خبروں کا علم عطا فرمایا جن کے بتانے اور خبر دینے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اجازت تھی۔ اس لیے آپ خبر دینے والے ہیں۔

اسمارِ الٰہی میں سے ایک نام الفتاح ہے۔ اس کا معنی حاکم ہونا، رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والا۔
قلوب و بصائر کو معرفت حق کے لیے کھولنے والا۔ اور مددگار بھی اس

کا معنی آیا ہے جیسے فرمایا۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ؕ

اگر تم مدد مانگو تو بے شک تمہارے پاس مدد آگئی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہیں۔ ابوہریرہ اور ابو عالیہ وغیرہ سے مروی ہے۔

وَجَعَلْنَاكَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا ؕ

ھم نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے رحمت کے دروازے کھولنے والے ہیں اور حق کے نام ہیں یعنی دین و ایمان کے نصرت دینے والے ہیں۔

اسماءِ الٰہی میں سے ایک نام شکور ہے۔ اس کا معنی عمل قلیل پر جزاءِ کثیر دینا اور فرماں برداری پر تعریف و توصیف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باذنِ الٰہی شکور سے اپنی توصیف فرمائی اور فرمایا:۔

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ؕ

کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا معترف اور ان کی قدر و قیمت کو جاننے والا اور حمد و شکر بجا لانے والا ہوں۔ اسماءِ الٰہی میں سے العلیم۔ علام۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت علم سے بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ؕ

اے محبوب" جو کچھ تم نہ جانتے تھے وہ سب تمہیں بتایا اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔ اور ارشاد فرمایا:۔

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ؕ

وہ تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اسماءِ الٰہی میں سے اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ ہیں الاول کا معنی اپنے وجود میں سب سے پہلے اور الآخر کا مطلب مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نہ اول ہے اور نہ آخر ہے۔ کیونکہ وہ قدیم ہے اور قدیم کے لیے اولیت اور آخریت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق عالم میں اول انبیاء ہیں اور بعثت میں ان سب کے آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولیت کو ذکر فرمایا۔ ارشاد گرامی ہے۔ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ میں اول ہوں جن کے لیے زمین شق ہوگی۔

وَاَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ ۝

میں سب سے اول جنت میں داخل ہوں گا اور اول شفاعت کرنے والا اور اول مقبول الشفاعۃ ہوں۔

اسماءِ الٰہی میں القوی اور ذوالقوۃ المتین ہیں ان کے معنی قادر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی۔ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝

قوت والا صاحب عرش کے قریب قیام فرمانے والا۔ مفسرین کے نزدیک یہ صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد جبرائیل یا دونوں کی یہ صفت مشترک ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں۔

اسماءِ الٰہی میں سے صادق ہے اور حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف صادق اور مصدوق سے آئی ہے۔

اسماءِ الٰہی سے ولی اور مولیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ۝

اللہ اور اس کا رسول تمہارا ولی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ ۝

میں ہر مومن کا ولی ہوں۔

اور آپ نے فرمایا:۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۝

جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں۔ یعنی جس سے میں محبت کرتا اس سے علی محبت کرتے ہیں، جس کی میں امداد کرتا ہوں اس کی علی امداد کرتے ہیں۔

اسماءِ الٰہی سے عفو ہے جس کا معنی معاف کرنے والا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عفو کا حکم دیا۔

ارشاد فرمایا:۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ ۝

عفو کو لازم کرو اور نیکی کا حکم دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تندمزاج، بدخلق نہیں بلکہ معاف کرنے والے ہیں۔

اسماءِ الٰہی سے الھادی ہے اس کا معنی ہے راہ دکھانے والا۔ بندوں سے جو سوال کرے اسے توفیق دینے والا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ط وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اس طرح بیان فرمائی

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

یقیناً آپ سیدھی راہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اسماء الٰہی سے المؤمن المھیمن ہے۔۔ بعض کے نزدیک دونوں کا ایک معنی ہے۔ یعنی اپنے بندوں سے کیے گئے وعدوں کو پورا کرنے والا۔ اور اپنے قول کی تصدیق کرنا کہ وہ حق ہے۔

اور بعض کے نزدیک اپنی ذات کی یکتائی اور اپنی الوہیت کا امین ہونا مؤمن ہے اور شاہد و حافظ ہے اس لیے مھیمن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امین ہیں قبل از نبوت اور بعد از نبوت آپ امین ہونے میں مشہور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت امین سے فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝

اور آپ کی مدح میں ایک شعر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کا اسم گرامی مھیمن ذکر کیا ہے۔ صاحب مواہب نے بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ۝

اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور آپ اس پر نگہبان ہیں۔

مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ اس جگہ مھیمن سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں گویا کہ اس طرح فرمایا:۔

جَعَلْنٰكَ یَا مُحَمَّدُ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ۝

اے محمد ہم نے آپ کو اس پر نگہبان بنایا۔

پہلے جو دونوں (مؤمن مھیمن) کا ایک معنی بیان کیا گیا ہے یعنی تصدیق کرنا اس معنی کے لحاظ سے بھی آپ مؤمن اور مھیمن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اسماء الٰہی میں سے ایک نام مقدس ہے جس کا معنی ہر عیب سے پاک اور سمت و جہات سے پاک ہے اور پہلے انبیاء کرام کی کتب میں آپ کا نام بھی مقدس مذکور ہے۔ یعنی آپ گناہوں سے پاک وصاف ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ؕ

یعنی آپ گناہوں سے پاک ہیں کیونکہ آپ کی وجہ سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بھی معاف ہو گئے۔ تو آپ یقیناً گناہوں سے پاک وصاف ہیں اس لیے آپ مقدس ہوئے۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام العزیز ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ یا اس کا معنی کہ اس کی کوئی نظیر نہیں یعنی کوئی اس کے مشابہ نہیں اور یہ صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ ۝

اللہ اور اس کے رسول کے لیے عزت ہے۔

اگرچہ اس کے بعد مومنین کا ذکر بھی ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے عزت ہے لیکن عزیز نام اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو عزت بغیر کسی کی عطاء کے حاصل ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اللہ تعالیٰ کی عطاء سے حاصل ہے لیکن براہ راست مستقل طور پر اور مومنوں کو عزت مستقلاً حاصل نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کی دوسری آیۃ کریمہ میں بھی عزیز کہا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ ۝

لیکن اس صورت میں ہو گا جب وقف عزیز پر ہو جیسا کہ شیخ نے اس پر وقف کرنے کے جواز کو بیان کیا ہے۔

تنبیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں اس بحث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کم سمجھ والے حضرات اور جن کو زیادہ وہم ہوتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یا دوسرے انبیاء کرام کے نام کس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی سے مشترک ہیں؟ ان کے اس وہم کا ازالہ کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ان میں مماثلت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ اس کی ذات وصفات قدیم ہیں، حادث نہیں۔ مخلوق کی ذوات اور صفات حادث ہیں، قدیم نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات اس کو کسی کی عطا سے حاصل نہیں ہوئیں بلکہ اس کی صفات ذاتی ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ صفات عطائی ہیں، ذاتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے مثل کوئی ذات نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے مماثل کوئی صفت نہیں اللہ تعالیٰ کے فعل کی مثل کوئی فعل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے مشابہ کوئی نام نہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مماثلت کی نفی ان الفاظ مبارکہ سے کی ہے۔

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۝

اس کی مثل کوئی شئی نہیں۔

ہاں البتہ الفاظ میں ظاہری مشابہت ہے اور اس کے اپنے فضل و کرم سے انبیاء کرام کو یہ صفات عطا کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جو خیال اور وہم تصور، عقل سے ماوراء ہے اس لیے کہ یہ انسانی خیالات اور تفکرات تمام حادث ہیں حادث جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو یعنی اس کے موجود کرنے والا کوئی ہو، جو اسے معرض وجود میں لائے اور حادث کی ابتداء ہوتی ہے

پہلے موجود نہیں ہوتا پھر موجود ہوتا ہے۔ اس کی انتہا بھی ہوتی ہے
یعنی فنا بھی ہو جاتا ہے۔

قدیم جس کی نہ ابتدار ہو نہ انتہا ہو۔ اسے کوئی موجود کرنے والا نہ
ہو۔ حادث اور قدیم کے فرق کو سمجھنے کے بعد روزِ روشن کی طرح
عیاں ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انبیار کرام مخلوق ہیں۔ ان میں
کوئی مشابہت ومماثلت نہیں یوں اللہ تعالیٰ کے اسمار گرامی اور
انبیار کرام کے اسمار میں فرق ہے۔

انبیار کرام کی صفات حادث اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم۔
اللہ تعالیٰ امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو شرک سے
محفوظ رکھے۔

"آمین ثم آمین"

وہ محبت اہل بیت، محبت نہیں جس سے تنقیصِ صحابہ کرام لازم آئے

حدیث پاک کی تشریح میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے
انبیار پر فضیلت نہ دینے کی تیسری وجہ بیان ہو رہی تھی کہ ایسی
فضیلت نہ دی جائے جس سے دوسرے انبیار کرام کی شان میں
تنقیص اور توہین لازم آئے اس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ
اگر اہل بیت اطہار کی اس طرح تعریف بیان کی جائے جس سے
تنقیصِ صحابہ کرام لازم آئے تو وہ شان اہل بیت مردود ہے۔
ہاں اگر شان اہل بیت اور صحابہ کرام کی شان میں ہر ایک کو
اپنے اپنے مدارج ومراتب پر رکھے تو یہی ایمان ہے۔

مدعیانِ محبت اہل بیت کی شانِ صحابہ کرام میں گستاخی

آیئے ان حضرات کی معتبر کتب سے چند مثالیں بطور نمونہ
دیکھیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

صحابہ کرام مرتد ہیں

(معاذ اللہ) (یعنی یہ شیعہ کا مذہب ہے)

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عز وجل اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ قَالَ نَزَلَتْ فِی فلان و فلان اٰمَنُوْا بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و الہ وَ کَفَرُوْا حَیْثُ عُرِضَتْ عَلَیْهِمُ الْوِلَایَةُ حِیْنَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ والہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ ثُمَّ اٰمَنُوْا بِالْبَیْعَةِ لِاَمِیْرِ الْمؤمنین علیہ السلام ثم کفروا حیث مَضٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فَلَمْ یُقِرُّوْا بِالْبَیْعَةِ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا بِاَخْذِهِمْ مَنْ بَایَعَهٗ لَهُمْ فَهٰؤُلَاءِ لَمْ یَبْقَ فِیْهِمْ مِنَ الْاِیْمَانِ شَیْءٌ ۝

(صافی شرح ص۹۵ اصول کافی کتاب الحجۃ جزو سوم حصہ ۲ باب

یعنی ان الذین امنوا ثم کفروا یہ آیت فلاں فلاں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے نبی کریم اور ان کی آل پر ایمان لایا پھر جب نبی علیہ الصلوٰۃ والہ نے ان پر ان الفاظ سے "من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ (جس کا میں ولی ہوں اس کے علی ولی ہیں) ولایت امیر المومنین کو پیش کیا تو کافر ہو گئے پھر امیر المومنین کی بیعت کر کے ایمان لے آئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بیعت پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ پھر ان کا کفر اور زیادہ ہو گیا جب انہوں نے ان لوگوں سے اپنے لیے بیعت لے لی جنہوں نے امیر المومنین کی

...ت کر لی تھی یہاں تک ان کا ایمان ذرا بھی باقی نہ رہا۔

عبارت کی شرح صافی میں دیکھیں کہ فلاں، فلاں، فلاں سے مراد ان ہیں۔ صافی میں ہے ایں آیت نازل شد در ابوبکر و عمر و عثمان۔ کہ یہ آیت ابوبکر و عمر و عثمان کے حق میں نازل ہوئی۔ یعنی یہ تینوں حضرات معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔

اس کے بعد صافی میں ہی اسی مقام پر ہے کہ کچھ صحابہ کرام معاذ اللہ مرتد ہو گئے اور کچھ گمراہ ہو گئے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے والے تو تمام ہی صحابہ کرام تھے اس لیے ان حضرات کے قول کے مطابق کوئی صحابی گمراہی سے نہ بچ سکا۔

صافی کی عبارت یہ ہے بعض تابعانِ ایشاں و ہر کدام در باطن ازاں بود مرتد شد مثل اکثر تابعان ائمہ ضلالت۔

بعض ان کی (ابوبکر و عمر و عثمان) تابعداری کرنے والے جو باطن میں ان تھے وہ مرتد ہو گئے اور اکثر ان گمراہ (معاذ اللہ) اماموں کی تابعداری کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

اسی طرح اصول کافی کے اسی باب میں مندرجہ بالا مضمون سے آگے ذکر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی
...لان و فلان و فلان اِرْتَدُّوْا عَنِ الْاِیْمَانِ فِیْ تَرْکِ وِلَایَةِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ان الذین ارتدوا سے مراد فلاں، فلاں، فلاں ہیں جو امیر المومنین کی ولایت کو چھوڑنے کی وجہ سے ایمان سے مرتد ہو گئے۔ اس پر شرح صافی کی یہ عبارت دیکھیں

امام گفت مراد عثمان و ابوسفیان و معاویہ است برگشتند از ایمان در مجلس منافقان بسبب ترک ولایت امیر المومنین علیہ السلام۔

امام نے کہا اس سے مراد (یعنی فلاں، فلاں، فلاں سے مراد) عثمان، ابوسفیان معاویہ ہیں جو امیر المومنین کی ولایت کو ترک کرنے کی وجہ سے ایمان سے دور ہو گئے اور منافقوں کی جماعت میں آ گئے۔

سوائے تین کے سب مہاجرین و انصار مرتد ہو گئے (معاذ اللہ)

اَلْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ ذَهَبُوْا اِلَّا وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ ثَلَاثَةً

(اصول کافی کتاب الایمان باب فی قلۃ عدد المومنین)

سوائے تین کے تمام مہاجرین و انصار ایمان سے دور ہو گئے یہ ہاتھ کے اشارے سے حضرت جعفر نے بتایا۔

عن سدید عن ابی جعفر علیہ السلام قَالَ كَانَ النَّاسُ اَهْلَ الرِّدَّةِ بَعْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم اِلَّا ثَلَاثَةً فَقُلْتُ مَنِ الثَّلَاثَةُ فَقَالَ المقدادُ بن الاسود وابو ذر الغفاری و سلمان الفارسی۔

(معرفت اخبار الرجال صک بحار تحفہ شیعہ ص۶۵)

سدید کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ سب لوگ نبی کریم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد سوائے تین کے مرتد ہو گئے۔ میں نے کہا کہ وہ تین کون ہیں تو انہوں نے کہا "وہ مقداد ابن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی ہیں"

صحابہ نے رسول اللہ کے حکم کو دل سے نہیں مانا (معاذ اللہ)

تفسیر قمی جلد اول ص۱۵۶ میں ہے:۔

فلما نزلت الولايةُ وَاَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم الميثاق عَلَيْهِمْ لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام اَمْنُوْا اِقْرَارًا لَا تَصْدِيقاً فَلَمَّا مَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و الہ كَفَرُوْا وَ ازْدَادُوْا كُفْرًا ۔

جب ولایت کا حکم آیا تو رسول اللہ نے ان (صحابہ) سے امیر المومنین علی علیہ السلام کے لیے وعدہ لیا انہوں نے صرف زبانی اقرار کیا لیکن دل سے تسلیم نہیں کیا۔ پھر جب رسول اللہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ کافر ہو گئے اور ان کا کفر زیادہ شدید ہو گیا۔

شان میں کہاں تک گستاخیاں کی گئی ہیں کافر اور مرتد سے کم کسی فتویٰ پر انحصار نہیں کیا گیا۔ جلاء العیون میں اس طرح کہا گیا ہے۔

ای عزیز آیا بعد از ایں حدیث کہ ہمہ عامہ روایت کردہ اند ہیچ عاقل را احتمال آں ہست کہ شک کند در کفرِ کسیکہ عمر را مسلمان داند۔

اے عزیز کیا اس حدیث کے بعد (حدیث قرطاس) جس کو عام راویوں نے بیان کیا ہے کیا کسی عاقل کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ عمر کے کفر میں یا جو شخص عمر کو مسلمان جانے اس کے کفر میں شک کرے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت عمر کو مسلمان جاننے والے تمام مسلمانانِ عالم اہل تشیع کے نزدیک کافر ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان حضرت عمر کو فقط مسلمان ہی نہیں بلکہ عظیم صحابی، وزیر مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء مانتے ہیں۔

نام نہاد موحدین اور مدعیان محبت اہل بیت کا اشتراک

اس سے پہلے جو بحث توحید کے متعلق کی گئی اس سے اور اس بحث سے یہ واضح ہوا جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں نام نہاد موحدین ان کو انبیاء عظام اور اولیاء کرام پر چسپاں کرتے ہیں اور جو آیات منافقین یا کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان کو مدعیان محبت اہل بیت، صحابہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے جو عبارات اصول کافی

صحابہ کرام وعدہ خلاف اور لعنت کے مستحق (معاذ اللہ)

تفسیر قمی جلد اول ص۱۶۳ میں ہے:-

(فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ)

یعنی نقض عہد امیر المومنین علیہ السلام ان لوگوں کے وعدہ توڑنے کی وجہ سے ان پر ہماری لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب اہل تشیع کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ صحابہ نے امیر المومنین کا وعدہ توڑا اور وہی معاذ اللہ لعنت کے مستحق ہوئے۔

اس وعدے سے مراد وہی وعدہ ہے جس کا اوپر ان حضرات کی کتب کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ سے وعدہ لیا کہ تمہارے امام میرے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام ہوں گے۔ صحابہ نے اس حکم کو مان کر پھر توڑ دیا لہٰذا اس وعدے کے توڑنے کی وجہ سے وہ تمام لعنت کے مستحق ہوئے (معاذ اللہ)۔

حضرت عمر اور ان کو ماننے والے کافر ہیں (معاذ اللہ)

جلاء العیون ص۵۴ پر جو عبارت ہے اسے دیکھیں کہ صحابہ کرام کی

اور تفسیر قمی کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں وہ تمام منافقین یا یہود و نصاریٰ یا کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کو اپنے تفسیری رنگ میں ان کے مفسرین اور وضاع محدثین صحابہ کرام پر چسپاں کرتے ہوئے تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے۔

نام نہاد موحدین اور مدعیانِ محبت اہل بیت دونوں اس امر میں مشترک ہیں کیونکہ آیات کریمہ کا غلط شانِ نزول بیان کرنے اور تحریف معنوی میں ہر دو کو مہارت تامہ حاصل ہے۔

حدیث سے غلط استدلال

جس حدیث کی وجہ سے صحابہ کرام کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے اس سے استدلال اور اس کے جوابات جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تحفہ اثنا عشریہ میں پیش کیے ہیں۔ ان کو مختصر طور پر ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام غدیرِ خُم میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس وقت جتنے مسلمان حاضر تھے ان کو خطاب فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اَلَسْتُ اَوْلٰى بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ۝

اے مسلمانوں کی جماعت کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم پر حقدار نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ ہم تمام سے بلکہ ہماری جانوں سے بھی اولیٰ ہیں (حقدار ہیں) آپ نے فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولا ہیں۔ اے اللہ جو علی سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو علی سے دشمنی کرے تو بھی اسے اس کی دشمنی کا بدلہ دے۔ اس حدیث سے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مولیٰ کا معنی اولیٰ بالتصرف (تمام تصرفات کا والی ہونا) ہے اولیٰ بالتصرف اور ولایت ایک ہی چیز ہیں لہٰذا واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد فرمایا۔ اس وجہ سے جن صحابہ کرام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی وہ معاذ اللہ ایمان سے پھر گئے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ معاذ اللہ صحابہ کرام سے بیعت لینے کی وجہ سے ایمان سے پھر گئے۔

پہلا جواب

اہل عربیت نے مولیٰ بمعنی اولیٰ لینا غلط قرار دیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ کسی مادے میں اور کسی جگہ بھی مَفْعَلٌ کا وزن اَفْعَلُ کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا البتہ ابو زید لغوی نے اسے جائز کہا ہے۔ اور اس نے جواز پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ

ابو عبیدہ نے بھی مَوْلٰکُمْ کی تفسیر اولیٰ بکم سے کی ہے۔ لیکن جمہور اہل عربیت
نے اس کے استدلال اور تمسک کو غلط کہا ہے اس لیے کہ اگر کوئی
شخص یہ کہنا چاہتا ہو کہ فُلَانٌ اَوْلٰی مِنْکَ (فلاں آدمی تم سے بہتر ہے)
تو چاہیئے یہ کہ وہ یہ بھی کہہ سکے فُلَانٌ مَوْلٰی مِنْکَ حالانکہ یہ بالاتفاق
باطل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوعبیدہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ
مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے بلکہ اس نے حاصل معنی بیان کیا ہے۔
مَاْوٰکُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ آگ تمہارا ٹھکانا
ہے اور تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام ہے یہ تمہارے لیے زیادہ
بہتر ہے۔ کیونکہ اگر یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ لیا جائے اور اس سے مراد والی
اور خلیفہ لیا جائے تو معنی یہ ہو گا آگ تمہاری حاکم ہو گی اور والی ہو
گی حالانکہ یہ درست نہیں۔

دوسرا جواب

اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مولیٰ کا معنی
اَوْلٰی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا
مطلب یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اولیٰ بالتصرف ہوں گے یعنی ان
کو ولایت حاصل ہو گی میرے بعد وہ میرے خلیفہ بلافصل ہوں گے
بلکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ محبت اور تعظیم کے لحاظ سے اولیٰ
ہیں۔ آپ اس کے حقدار ہیں کہ آپ سے محبت کی جائے اور آپ
کی تعظیم کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔
اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا ○

بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے
جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے یہاں بھی لفظ
اَوْلٰی استعمال ہوا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
حق میں ابراہیم علیہ السلام اولیٰ بالتصرف ہیں۔ یہاں یہ مطلب ہے
کہ آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کے قرب کے حقدار یا آپ
پر ایمان لانے والے تھے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت
آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کے قرب کے حقدار ہیں۔

تیسرا جواب

لفظ مولیٰ یا اَوْلٰی سے جو ولایت سمجھ میں آ
رہی ہے اس کا معنی محبت ہے کیونکہ اس کے بعد
آنے والے الفاظ مبارکہ اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ مراد محبت
ہی ہے بعد میں آنے والے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے
"اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ"
اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ جو شخص حضرت علی سے محبت کرے
تو اس سے محبت کر اور جو آپ سے عداوت رکھے تو بھی اسے اس
کی عداوت کا بدلہ دے۔ اگر یہاں مراد اولیٰ بالتصرف ہوتا تو اس طرح
کہا جاتا:۔

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ کَانَ فِیْ تَصَرُّفِہٖ وَعَادِ مَنْ لَّمْ یَکُنْ کَذَالِکَ ○

اے اللہ تو اس شخص سے محبت کر جو حضرت علی کے ولایت تصرف میں ہو اور اس شخص کو سزا دے جو آپ کے ولایت تصرف میں نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں فرمایا بلکہ واضح طور پر محبت اور عداوت کا ذکر کیا جس سے مقصد عیاں ہے کہ مراد محبت کا ضروری ہونا اور عداوت سے بچنا ضروری ہے۔ جب ظاہر کلام سے مقصد یہی واضح ہے اگر اس کے بغیر کوئی اور مقصد نکالنے کی کوشش کی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حرف آئے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجبات بلکہ مستحسنات ومستحبات بھی لوگوں کو فصیح اور بلیغ زبان میں اس طرح سمجھا دیئے کہ حاضرین نے ان کو سمجھا اور بعد میں آنے والے جو لغت عرب سے واقف ہوں وہ بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے لیکن اگر یہ اتنا اہم مسئلہ ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہو جو ظاہری الفاظ سے اس کا مقصود سمجھ نہ آسکتا ہو تو لازم یہ آئے گا کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اور ہدایت دینے میں سستی اور لاپرواہی سے کام لیا اور فصیح و بلیغ زبان کو نہیں استعمال فرمایا۔ معلوم یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہی تھا جو کلام سے ظاہراً سمجھ میں آرہا ہے اور عربی زبان کے منشا کے مطابق ہے یعنی ارشاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح میری محبت تم پر فرض ہے اسی طرح علی کی محبت تم پر فرض ہے اور جس طرح میرے ساتھ تمہیں عداوت رکھنا

حرام ہے اسی طرح علی سے عداوت رکھنا بھی حرام ہے۔ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور خود اہل بیت نے بھی اس حدیث کا یہی مقصد لیا ہے۔

حضرت علی کی خلافت بلافصل میں اہل بیت کا عقیدہ

ابو نُعیم نے حسن مثنیٰ ابن حسن السبط رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ حدیث من کنت مولاہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خلافت کا ارادہ فرماتے تو یقیناً واضح طور پر ارشاد فرماتے جس سے تمام مسلمان سمجھ جاتے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح کلام کرنے والے تھے یقیناً آپ اس طرح ارشاد فرماتے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ ھٰذَا وَلِیُّ اَمْرِیْ وَالْقَائِمُ عَلَیْکُمْ بَعْدِیْ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا ○

اے لوگو یہ (علی) میرے تمام امور کے والی ہوں گے اور میرے بعد تمہارے حاکم ہوں گے تم ان کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔

اس کے بعد آپ (حسن مثنیٰ) نے فرمایا اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ کو اس کام کے لیے اختیار کیا

ہوتا تو آپ پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم ہوتی۔
اور آپ کا اس امر سے پیچھے رہنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکم کی خلاف ورزی کا سبب بنتا جو بہت بڑا گناہ ہے یعنی خود حضرت
علی رضی اللہ عنہ کا اس سے گناہگار ہونا لازم آتا۔ اس کے بعد ایک شخص
نے کہا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:۔
من کنت مولاہ فعلی مولاہ حسن نے کہا یاد رکھو خدا کی قسم اگر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کا ارادہ فرماتے تو آپ واضح طور پر اس
طرح ارشاد فرماتے جس طرح نماز اور زکوٰۃ کو واضح بیان کیا یعنی اس طرح
ارشاد ہوتا۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ عَلِیًّا وَالِیُ اَمْرِکُمْ مِنْ بَعْدِیْ وَالْقَائِمُ فِی
النَّاسِ بِاَمْرِیْ ۝

اے لوگو بے شک علی میرے بعد تمہارے حاکم ہوں گے اور
لوگوں میں میرے تمام امور کو قائم کریں گے یعنی میرے جانشین ہوں گے

چوتھا جواب

حدیث پاک سے ظاہر طور پر یہ سمجھ میں آرہا
ہے کہ یہاں دونوں ولایتیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولایت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت ایک زمانے میں مجتمع
ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں لفظ بعدی نہیں ہے جس سے پتہ چلے
کہ حضرت علی نبی کریم کے بعد ولایت کے حقدار ہوں گے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی کا والی ہونا یعنی مسلمانوں

کا حاکم ہونا عقلاً منع ہے البتہ اگر ولایت سے مراد محبت لی جائے تو
دونوں ولایتوں کا ایک زمانہ میں جمع ہونا منع نہیں کیونکہ دونوں سے
ایک زمانہ میں محبت کرنا جائز ہے۔ لیکن دو کا ایک زمانہ میں حاکم ہونا
اور امور میں تصرف کا والی ہونا اس میں کئی خرابیاں ہیں جو محتاج بیان نہیں
اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت
فی الحال نہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ خلیفہ ہوں گے تو یہ
بہت اچھی بات ہے کیونکہ اہل سنت بھی اسی کے قائل ہیں کہ
آپ بعد میں خلیفہ ہوں گے لیکن اس سے خلافت بلافصل ثابت
نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص کیوں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم تھا کہ بعد میں
اختلافات ہوں گے اور کئی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت
کا انکار کریں گے۔ اس لیے تاکید فرمائی کہ حضرت علی سے محبت کرنا
بغض وعناد نہ رکھنا۔ جب آپ کی خلافت کا وقت آئے آپ کی خلافت
کو تسلیم کرنا، انکار نہ کرنا۔

حدیث شریف میں واقع لفظ اَولیٰ کا مطلب

حدیث شریف کی ابتداء میں جو لفظ اَولیٰ واقع ہے بعض حضرات نے اس کا مطلب اولی بالتصرف (حاکم) کیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں بلکہ اس کا معنی بھی محبت ہے۔ مقصود کلام اس طرح ہو گا۔

الست اولی بالمؤمنین من انفسھم فی المحبۃ کیا میں محبت میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ حقدار نہیں کیونکہ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر جہاں لفظ اولی استعمال ہے وہاں بھی محبت اور شفقت کے معنی میں لیا گیا ہے۔

زید بن حارثہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنّٰی بنایا ہوا تھا یعنی منہ بولا بیٹا۔ لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے تو اس سے منع فرمایا کہ متبنّٰی بنانے والے کی طرف نسب منسوب نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں پر باپ کی طرح شفیق بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ اور آپ کی ازواج مطہرات اہل اسلام کی مائیں ہیں۔ نسب کے لحاظ پر انسان اپنے اقربار کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور یہ ہی حق ہے کہ اس کو اپنے آبار و اجداد کی طرف منسوب کیا جائے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے البتہ شفقت غیر سے زیادہ ہو سکتی ہے تعظیم کے لحاظ سے غیر اپنے آبار سے زیادہ معظم ہو سکتا ہے۔ جس طرح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے نسبی باپ نہیں لیکن باپ سے زیادہ شفیق اور باپ سے زیادہ معظم ہیں۔

اسی مندرجہ بالا مفہوم کو قرآن پاک میں ان الفاظ مبارکہ سے پیش کیا گیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ ۝

یہ نبی مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

اعتراض اگر اس حدیث سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہو تو حدیث کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس لیے کہ محبت کرنے کا حکم قرآن پاک میں آچکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ط

مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں یعنی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مدد کرتے ہیں۔

اس آیۃ کریمہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت بھی ثابت ہو گئی پھر حدیث سے محبت کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ

جواب آیت کریمہ سے اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ثابت ہو رہی ہے لیکن وہ عام مسلمانوں کی محبت کے

ضمن میں ہو رہی ہے اور حدیث پاک میں آپ کی محبت کا خصوصی حکم
دیا جا رہا ہے۔ عمومی ثبوت اور خصوصی حکم میں بہت بڑا فرق ہے
جیسے کوئی شخص کہے کہ میں تمام انبیاء کرام پر ایمان رکھتا ہوں لیکن
وہ خصوصی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو نہیں ذکر کرتا
اور یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
پر بھی ہے۔ تو اس شخص کا ایمان معتبر نہیں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے کہ
میرا تمام انبیاء پر ایمان ہے۔ انبیاء کرام کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
بھی آ گئے لیکن خصوصی ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس شخص کا ایمان
معتبر نہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کا خصوصی
حکم اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے۔

آیۃ کریمہ سے جو مضمون سمجھ میں آ رہا ہو وہی مضمون اگر حدیث
پاک سے بھی سمجھ آ رہا ہو تو اس میں کیا حرج ہے جب کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے مضامین کی وضاحت اور تاکید
فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث سے استدلال اور اس کے جوابات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو حکم فرمایا کہ تم مدینہ طیبہ میں اہل بیت میں ہی رہو۔ حضرت علیؓ

نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ أَتُخَلِّفُنِي فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ

یارسول اللہ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے
ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ ○

کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہارا میرے ساتھ اس طرح تعلق ہو جس
طرح حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ (علیہما السلام) سے

إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ○

ہاں البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث سے دلیل اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ لفظ منزلہ
اسم جنس ہے اور علَم کی طرف مضاف ہے اور یہ استثناء کے بغیر
تمام منازل کو شامل ہو گا۔

مطلب یہ ہو گا سوائے نبوت کے جمیع منازل و مراتب حضرت
علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوں گے ان میں ولایت بھی ہے عموم ثابت
کرنا اس لیے ضروری تاکہ مستثنیٰ صحیح ہو سکے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے
کے بعد ولایت حاصل ہوئی اگر آپ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی زندہ
رہتے تو وہ ولایت ختم نہیں ہو سکتی تھی ورنہ نبی کا کسی منصب سے
معزول ہونا لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے کہ نبی کو معزول کیا جائے

کیونکہ نبی کو کسی منصب سے معزول کرنا اس کی توہین ہے اسی طرح
حضرت امیر (علی) کو منصب ولایت سے معزول کرنا ان کی توہین ہے،
ثابت ہوا یہ منصب ولایت (حاکمیت) حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو بھی حاصل ہے۔

پہلا جواب یہ کہنا کہ اسم جنس کی اضافت جب علم کی
طرف ہو وہ عموم کا فائدہ دیتی ہے یہ قول تمام
اصولیین کے اقوال کے مخالف ہے بلکہ انہوں نے وضاحت کی ہے
کہ یہ اضافت عہد پر دلالت کرتی ہے جیسے غلامُ زید میں عمومیت
نہیں بلکہ خصوصیت ہے۔

اضافت معنویہ میں تعریف باعتبار عہد کے اصل ہے۔

اور حدیث پاک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اتخلفنی والنساء
والصبیان قرینہ ہے کہ اس خلافت سے مراد وقتی خلافت ہے اس لیے
کہ حضرت ہارون علیہ السلام فقط حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور
پر جانے کے زمانہ میں خلیفہ تھے نہ کہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح حضرت
علی رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ تبوک میں جانے
کے زمانہ میں خلیفہ تھے اسی وجہ سے تو آپ یہ عرض کر رہے ہیں:
یا رسول اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں
اگر خلافت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی ہوتی پھر حضرت
علی رضی اللہ عنہ یہ نہ کہتے کیونکہ پھر تو آپ کو تمام مردوں، عورتوں اور

بچوں کی ولایت حاصل ہوتی۔ چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ مجھے فقط اس
عدم موجودگی کے زمانہ میں یہ نیابت حاصل ہو رہی ہے اور وہ عورتوں
اور بچوں میں رہنا ہو گا کیونکہ مرد تو تمام غزوہ تبوک میں جا رہے ہیں
باقی معزولیت کا اعتراض اس لیے لازم نہیں آتا کہ معزولیت کا مطلب
یہ ہوتا ہے کہ عمل باقی ہو اور اس عمل پر کام کرنے والے کو معزول کر دیا
جائے۔ جب عمل ہی ختم ہو جائے تو معزولیت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس آگئے تو ان کی غیر موجودگی ختم ہو گئی
حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ نے اپنی غیر موجودگی میں قوم کی ذمہ داری
سونپی تھی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو مدینہ طیبہ کی غیر موجودگی میں اپنا جانشین بنایا۔ جب آپ واپس
تشریف لے آئے تو غیر موجودگی ختم ہو گئی۔ جو وجہ تھی خلیفہ بنانے
کی جب وہ ہی ختم ہو گئی تو خلیفہ کی ضرورت از خود ہی ختم ہو گئی۔
معزولیت تو اسی وقت ہوتی کہ ضرورت خلیفہ موجود ہے اور خلیفہ کو
معزول کر دیا گیا حالانکہ یہاں یہ صورت پائی ہی نہیں گئی!

اور دلیل میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ صحت استثناء کے لئے مستثنیٰ منہ میں عموم ضروری ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مستثنیٰ متصل ہو لیکن یہاں تو منقطع ہے۔ اس لئے کہ آپ کا ارشاد "انہ لانبی بعدی" جملہ خبریہ ہے اور اِنَّ کے داخل ہونے کی وجہ سے تاویل مفرد میں ہے۔ مفہوم اس طرح ہو جائے گا۔ الاعدم النبوۃ۔ ظاہر بات ہے کہ عدم نبوت حضرت ہارون علیہ السلام کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ نہیں کہ مستثنیٰ متصل ہو، کیونکہ مستثنیٰ متصل ماقبل کے حکم میں پہلے داخل ہوتا ہے پھر خارج کیا جاتا ہے۔ نقیض نہ جنس نقیض ہوتی اور اور نہ ہی ماقبل کے حکم میں داخل ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے متصل نہیں۔ عموم کی ضرورت متصل میں ہوتی ہے۔

اور اگر حدیث پاک سے یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام مراتب حاصل ہیں تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔ اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ فصیح کلام فرماتے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کیطرح نبی بھی تھے اور آپ کے حقیقی بھائی بھی تھے۔

یہ تمام مراتب حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں بڑے نہیں تھے۔ فصیح کلام میں فوقیت حاصل نہیں تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک نہیں تھے۔

دوسرا جواب یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کو خلافت کا حاصل ہونا آپ کا منصب تھا۔ یہ کس طرح تسلیم کیا جائے حضرت ہارون علیہ السلام تو خود نبی تھے۔ تبلیغ کرنے میں خود مستقل تھے۔ اگر خود موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی آپ زندہ رہتے۔ پھر بھی آپ کو نیابت کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ جو خود اصالۃً نبی ہو اس کو نائب بنا کر اس کے مراتب کو کیسے کم کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ واضح ہے کہ اصالۃً نبوت میں شرف و قدر زیادہ ہے اور وہ قدر و منزلت نیابت میں نہیں۔

تیسرا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دے کر واضح کر دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو صرف اتنی دیر خلافت حاصل رہی جتنی دیر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر رہے اور اپنی قوم سے غائب رہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اتنی دیر خلافت حاصل رہی جتنی دیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں رہے۔ اور مدینہ سے غائب رہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی خلافت حضرت یوشع اور حضرت کالب کو حاصل رہی۔ قربان جاؤں میں اپنے حبیب پاک علیہ السلام کے علم پر جنہوں نے ایسی کامل تشبیہ بیان فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے موجود نہ ہونے کے زمانہ میں خلافت حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل رہی اور آپ کی

وفات کے بعد حضرت یوشع اور کالب کو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود نہ ہونے کے زمانہ میں خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور موجود ہونے کے بعد دوسرے اصحاب ثلثہ کو پہلے خلافت حاصل ہوئی۔ کامل تشبیہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسطرح تشبیہ دی جائے۔

اگر زیادہ سے زیادہ کوشش کر کے اس حدیث پاک سے حضرت علیؓ کی خلافت کو ثابت کیا ہی جائے اور ہم تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی خلافت بلافصل پر اس حدیث کو کسی طرح بھی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے وقت میں خلیفہ ہوں گے۔ یہ مذہب اہلسنت وجماعت کا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے مرتبہ پر خلافت کا حاصل ہونا برحق ہے۔ اس وقت مخالفت کی وجہ اجتہادی خطا تھی۔ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔

حدیث قرطاس کی وضاحت

اس سے پہلے گستاخانہ عبارات کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ اہل تشیع نے حدیث قرطاس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہا ہے اور ان کو مسلمان ماننے والوں کو بھی کافر کہا ہے۔ اس لئے ان احادیث اور ان کے مطالب اور اہل تشیع کے اعتراضات و جوابات کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحفہ اثنا عشریہ، نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسلم شریف

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی روشنی میں مختصر طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اہلسنت وجماعت اور اہل تشیع کے عقائد کا واضح طور پر پتہ چل سکے۔ پہلے اصل روایت کو مد نظر رکھا جائے۔ کہ اصل روایات کیا ہیں پھر اہل تشیع کے اعتراضات اور ان کے جوابات اور اہل سنت کا موقف سمجھنا آسان ہوگا۔

بخاری شریف سے دو روایات پیش کی جاتی ہیں اور ایک مسلم شریف سے۔

(۱) حدثنا عبد اللہ بن محمد حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ فِیْھِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ھَلُمَّ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ فَقَالَ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ فَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْبَیْتِ فَاخْتَصَمُوْا مِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبْ لَکُمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَکْثَرُوا اللَّغْوَ وَالْاِخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قُوْمُوْا قَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِیَّۃَ کُلَّ الرَّزِیَّۃِ مَا حَالَ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبَیْنَ اَنْ یَّکْتُبَ لَھُمْ ذٰلِکَ الْکِتَابَ مِنْ اخْتِلَافِھِمْ وَلَغَطِھِمْ

(صحیح بخاری جزء رابع کتاب الطب باب قول المریض قوموا عنی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت قریب آگیا، آپ کے گھر لوگ حاضر تھے اور ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا سامان کتابت لاؤ، میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ پر درد غالب ہو گیا۔ تمہارے پاس قرآن پاک موجود ہے۔ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر موجود تھے ان میں اختلاف ہو گیا اور وہ آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ بعض کہنے لگے (قلم، دوات اور کاغذ) قریب کرو تاکہ آپ کوئی ایسی تحریر لکھدیں جس کی وجہ سے تم گمراہ نہ ہو۔ بعض حضرات نے اسی طرح کہا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جب ان کا اختلاف اور شور و غل زیادہ ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اٹھ جاؤ"۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مصیبت، بہت بڑی مصیبت وہ تھی جو ان حضرات کا اختلاف اور شور و غل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہو گیا۔

(۴) حدثنا قتیبة حدثنا سفیان عن سلیمان الاحول عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یَوْمُ الْخَمِیْسِ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَعُہٗ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اسْتَفْھِمُوْہُ فَذَھَبُوْا یَرُدُّوْنَ عَلَیْہِ فَقَالَ دَعُوْنِیْ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْہِ خَیْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنِیْ اِلَیْہِ وَاَوْصَاھُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ اَخْرِجُوا الْیَھُوْدَ وَالْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَاَجِیْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا کُنْتُ اُجِیْزُھُمْ وَسَکَتَ عَنِ الثَّالِثَۃِ اَوْ قَالَ فَنَسِیْتُھَا

(صحیح بخاری جزو ثالث باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ)

ترجمہ: قتیبہ نے ہمیں حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے سلیمان احول سے انہوں نے سعید بن جبیر سے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعرات کا دن وہ جمعرات کا دن کتنا ہی سخت تھا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درد شدید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس (قلم، دوات اور کاغذ) لاؤ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ حاضرین نے اسمیں جھگڑا کیا۔ کسی نبی کے سامنے جھگڑا مناسب نہیں۔ بعض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی شان ہے۔ کیا آپ کی زبان مبارک سے ہذیان اور مختلط کلام صادر ہو سکتی ہے۔ آپ سے سوال کرو۔ تو پھر دوبارہ انہوں نے وہ معاملہ آپ پر پیش کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے۔ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اور آپ نے تین باتوں کی ان کو وصیت کی۔

مشرکین اور یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ اور (بیرون ممالک سے آنیوالے) قاصدوں کو اسی طرح انعام دینا (اچھا سلوک کرنا) جس طرح میں ان کو انعام دیتا تھا۔ سلیمان احول کہتے ہیں تیسری بات سے سعید بن جبیر خاموش رہے یا انہوں نے تو بیان فرما دیا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔

(۳) حدثنا اسحاق بن ابراهیم انا وکیع عن مالك بن مغول عن طلحة بن مصرف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انّهٗ قَالَ یَوْمُ الْخَمِیْسِ وَمَا یَوْمُ الْخَمِیْسِ ثُمَّ جَعَلَ تَسِیْلُ دُمُوْعُهٗ حَتّٰی رَاَیْتُ عَلٰی خَدَّیْهِ کَاَنَّهَا نِظَامُ اللُّؤْلُؤِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِیْتُوْنِیْ بِالْکَتِفِ وَالدَّوَاةِ اَوِ اللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَقَالُوْا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَهْجُرُ ۔

(مسلم شریف جلد ثانی کتاب الوصیة باب ترک الوصیة لمن لیس له شئ یوصی فیه)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعرات کا دن، وہ جمعرات کا دن کیسا شدید دن تھا پھر آپ کے آنسو جاری ہو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے رخسار پر موتیوں کی طرح آنسو دیکھے آپ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس کاغذ اور دوات لاؤ یا آپ نے فرمایا میرے پاس تختی اور دوات لاؤ (راوی کو شک ہے) میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ انہوں نے کہا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہذیان اور مختلط کلام فرما سکتے ہیں۔

یہ وہ روایات ہیں جو حدیث قرطاس سے مشہور ہیں۔

حدیث قرطاس کی وجہ سے اہل تشیع کے اعتراضات

پہلا اعتراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وحی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشات نفسانیہ سے کوئی کلام نہیں فرماتے سوائے اس کے جو آپ کی طرف وحی نازل کی جاتی ہے۔

حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو رد کر کے گویا وحی خدا کو رد کیا ہے۔ وحی خدا کو رد کرنا کفر ہے۔ کیونکہ اس پر خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی شاہد ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۔ جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔

جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو رد نہیں فرمایا۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام کے لیے اس طرح عرض کیا۔ اس کا یہ مطلب لینا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو رد کیا ہے یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ ہر شخص اپنے بزرگ یا عزیز بیمار کو راحت پہنچانے کا خیال کرتا ہے۔ اگر کوئی بیمار شخص از خود حاضرین کی مصلحت اور فائدہ کے لئے کوئی مشقت برداشت کرنا بھی چاہے تو اس کے خدام، عزیز و اقارب اس کو منع کرتے ہیں کہ تم پہلے ہی شدت مرض میں مبتلا ہو اب مزید کوئی تکلیف نہ اٹھاؤ۔ اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کی مصلحت کے شدت مرض کے دوران لکھنے کی تکلیف اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر نے از روئے شفقت اور ادب و احترام کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے

کی غرض سے عرض کیا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ہماری طرف سے مطمئن ہو جائیں کہ ہم انشاءاللہ کوئی کام کتاب اللہ کے
خلاف نہیں کریں گے۔ بلکہ عقلاً تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دقتِ نظر کو
تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یقینی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے کوئی نیا ارشاد تو فرمانا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ اس واقعہ سے تین ماہ پیشتر
دین اسلام کی تکمیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہو چکی تھی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ
لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔
آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری
کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ گویا کہ اس آیت کریمہ سے
نسخ تبدیل، زیادتی نقصان کے احتمال کو ختم کر دیا۔ اب اگر کوئی نیا حکم نافذ کرنا
مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی اس آیت کریمہ کی تکذیب لازم آتی۔ حالانکہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن ہی نہیں۔ یقینی بات یہ ہے کہ آپ سابقہ
احکام کی توثیق ہی فرمانا چاہتے ہوں گے۔ اور اسی کو سمجھتے ہوئے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے آپ کو سنانے کے لیے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے
متعلق متفکر نہ ہوں ہم انشاءاللہ کتاب اللہ پر عمل کریں گے۔ حدیث پاک
کے الفاظ پر توجہ کریں تو مندرجہ بالا تقریر کو ذہن قبول کرے گا۔ حدیث
پاک کے ان الفاظ کو پھر دیکھیں اور غور و فکر کریں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدت درد و تکلیف میں ہیں، ہمارے پاس

کتاب اللہ ہے وہ ہمیں کافی ہے۔

انکار بوجہ محبت مستحسن ہے

اگر کوئی شخص اپنے کسی بزرگ مثلاً باپ، استاد، پیر و مرشد کا کوئی کام
کرنا چاہتا ہے وہ ازروئے شفقت اپنے عزیز کو کہے کہ تم یہ کام نہ کرو
چھوڑ دو میں خود ہی کر لیتا ہوں۔ لیکن وہ عزیز اپنے بزرگ کی بات کو تسلیم
نہ کرے بلکہ مصر رہے کہ میں نے یہ کام کرنا ہی ہے تو اس کو نافرمان نہیں
کہا جائے گا۔ بلکہ اس کو باادب کہا جائے گا۔ کہ اس نے باوجود اپنے بزرگ
کے روکنے کے بھی ادب کا لحاظ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کی محبت کی وجہ سے انکار کیا جو یقیناً مقبول
اور حسین ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بوجہ محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا انکار کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر
صلح کی اور اس میں چند شرائط پر صلح ہوئی اس صلح نامہ کی تحریر میں یہ
واقعہ بھی درپیش آیا۔

فَلَمَّا کَتَبُوا الْکِتَابَ کَتَبُوْا ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالُوْا

لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ وَلٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحُوْكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف باب الصلح)

جب صلح نامہ تحریر کیا تو اس میں لکھا۔ یہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے فیصلہ کیا۔ انہوں (مشرکین) نے کہا۔ ہم آپ کی رسالت کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم آپ کو عمرہ کرنے سے نہ روکتے۔ لیکن تم محمد بن عبد اللہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں۔ پھر آپ نے علی بن طالب (رضی اللہ عنہ) کو کہا کہ اس سے لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ آپ نے کہا میں آپ سے کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ (یعنی لفظ رسول اللہ کو آپ کے اسم گرامی سے کبھی نہیں مٹاؤں گا) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ صلح نامہ خود لیا اگرچہ آپ خود لکھنا زیادہ پسند نہیں فرماتے تھے پھر بھی آپ نے خود اس پر لکھا۔ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ۔ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے فیصلہ کیا ہے

اس واقع سے بخوبی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو تسلیم نہیں کیا بلکہ رد کیا۔ اب اگر کوئی نامراد بدبخت یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کر کے وحی خدا کو رد کر دیا ہے۔ یہ کہنا اپنی ہی بدبختی ہے۔ ورنہ ہر ذی عقل سمجھتا ہے کہ آپ کا یہ انکار کمال محبت پر دلالت کر رہا ہے۔

مقصد یہ تھا کہ یا رسول اللہ جب ہم آپ کو دل وجان سے رسول اللہ مانتے ہیں تو پھر میں اپنے ہی ہاتھوں سے آپ کے اسم گرامی سے رسول اللہ کو مٹا دوں، یہ نا ممکن ہے۔ میرا ایمان یہ تسلیم ہی نہیں کرتا کہ یہ کام میں سرانجام دوں۔ خود عقل وہوش سے کام لیتے ہوئے انصاف کریں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو رد کرنے کے باوجود کمال ایمان اور عین محبت ہے یا نہیں؟ یقیناً آپ نے کمال ایمان اور کمال محبت کی وجہ سے انکار کیا۔ یہ انکار ہی تو ایمان ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمال شفقت ورحمت کی وجہ سے انکار کیا جو عین ایمان اور حقیقت محبت ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بوجہ عذر انکار کیا

حدثنا قتيبة بن سعيد قال نا ليث عن عقيل عن الزهري عن علي بن حسين ان الحسين بن علي حدثه عن علي بن ابي طالب اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ فَقَالَ أَلَا تُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ قُلْتُ لَهُ ذٰلِكَ ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَيَقُوْلُ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا

(مسلم شریف، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب الحث علی صلوٰۃ اللیل وان قلت)

حضرت امام حسین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات
میرے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا کہ تم
نماز تہجد ادا نہیں کرتے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ
کے قبضہ قدرت میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے ہم اٹھتے ہیں
(حضرت علی کہتے ہیں) جب میں نے یہ کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس
لوٹ پڑے۔ پھر میں نے سنا کہ آپ واپس ہونے کے دوران اپنی ران پر
ہاتھ مارتے ہوئے فرمارہے ہیں وکان الانسان اکثر شیء جدلا
انسان سب چیزوں سے زیادہ جھگڑا کرنیوالا ہے۔ اسی حدیث کی شرح
میں علامہ نووی ذکر کرتے ہیں۔

وَالْمُخْتَارُ فِي مَعْنَاهُ أَنَّهُ تَعَجَّبَ مِنْ سُرْعَةِ جَوَابِهِ وَعَدَمِ مُوَافَقَتِهِ
لَهُ عَلَى الْاِعْتِذَارِ بِهَا وَلِهٰذَا ضَرَبَ فَخِذَهُ ۔ اسی حدیث پاک کے معنی
میں مختار قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جلد بازی سے جواب
دینے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بوجہ عذر جواب نہ
دینے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا۔ اسی تعجب کی وجہ سے آپ
نے اپنی ران مبارک پر ہاتھ مارا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہاں یہ عرض نہیں کیا کہ یارسول اللہ نہیں
اٹھ سکے اب اٹھتے ہیں بلکہ عرض کیا ہمیں رب جب اٹھاتا ہے اس وقت
اٹھتے ہیں۔ بظاہر یہ جواب رد پر دلالت کرتا ہے لیکن حقیقت میں عذر

پیش کیا جارہا ہے۔ اس لیے اس جواب سے معاذاللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
پر کوئی طعن نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا اعتراض

حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام کو ہذیان سے
تعبیر کیا حالانکہ ہذیان تو اس شخص سے سرزد ہوتا ہے جس
کا عقل نہ ہو مجنوں ہو۔ انبیاء کرام میں جنون کا پایا جانا محال ہے اور ان سے
ایسی کلام واقع ہو جو بے اعتبار اور مختلط ہونا ممکن ہے ورنہ انبیاء کرام کے
قول اور فعل پر اعتبار نہیں رہتا۔ حالانکہ انبیاء کرام کے اقوال وافعال ہر وقت
قابل اتباع ہوتے ہیں۔
لہٰذا حضرت عمر کا نبی کریم کی کلام کو ہذیان سے تعبیر کرنا گستاخی رسول ہے۔

جواب

یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیطرف منسوب کرنا ہی غلط ہے۔
بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہا کہ ہمارے پاس قرآن
پاک ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔

اس وقت صحابہ کرام دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ بعض حضرات کہہ رہے
تھے قلم، دوات، کاغذ لائے جائیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھدیں اور
بعض حضرات کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے وہ کافی ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید مریض ہیں ان کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔
یہ ہذیان والی کلام ان حضرات کی ہے جو لکھنے کو پسند فرمارہے تھے اور وہ
استفہام انکاری کے طور پر کلام کررہے تھے۔ استفہام انکاری کا یہ مطلب
ہے کہ سوالیہ انداز پر کسی بات کو رد کردیا جائے جیسے کوئی شخص کسی

دوسرے کو کہے کہ یہ کام تم نے کیا ہے اور وہ جواب میں یہ کہے کہ کیا یہ کام میں نے کیا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کام میں نہیں کر سکتا۔

شرح مسلم شریف میں علامہ نووی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں۔

وقال القاضی عیاض وقوله أهجر رسول الله صلی الله علیه وسلم هكذا هو في صحيح مسلم وغيره أهجر على الاستفهام وهو أصح من رواية من روى هجر ويهجر لأن هذا كله لا يصح منه صلى الله عليه وسلم لأن معنى هجر هذى وإنما جاء هذا من قائله استفهاما للإنكار على من قال لا تكتبوا أي لا تتركوا أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم وتجعلوه كأمر من هجر في كلامه لأنه صلى الله عليه وسلم لا يهجر۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں قول اہجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلم وغیرہ میں جو آیا ہوا ہے وہ استفہام کے طور پر ہے یہ استفہام والی روایت ہجر اور یہجر والی روایتوں سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہجر کا معنی ہذیان ہے۔ یعنی مختلط کلام کی اور یہ کلام استفہام انکاری ہے۔ یعنی جو شخص اس کے قائل تھے کہ امر کتابت کو نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ اس پر عمل کیا جائے ان کی کلام استفہام انکاری پر ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہذیان میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

اس لیے جب آپ سے ہذیان سرزد نہیں ہو سکتا تو آپ سے لکھانا چاہیے۔

کیونکہ آپ لکھنے کا حکم دے رہے وہ حق پر مبنی ہے۔

جن روایات میں ہمزہ استفہام ظاہر نہیں ان میں بھی ہمزہ مقدر ہو گا۔ اس طرح تمام روایات استفہام انکاری کے مطابق ہوں گے۔ اسی طرح قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں، چاند اور سورج کو خدا کہنا استفہامی انداز پر ہے لیکن اکثر مترجمین اس کو نہ سمجھ سکے۔ ترجمہ اقرار اور خبر کے مطابق کر کے غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اس کی وضاحت میں نے اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں کی ہے۔

تیسرا اعتراض

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک میں حضرت عمر نے اپنی آواز کو بلند کیا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں آواز کو بلند کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ٥

"اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور چلانا عمل کے ضائع کرنے کا سبب ہے۔ تو حضرت عمر نے اپنی آواز کو

کیوں بلند کیا۔

جواب یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے اور یا حق سے چشم پوشی کی گئی ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر کسی صحابی کی آواز بلند نہیں ہوئی۔ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اور نہ ہی کسی اور صحابی کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صحابہ کرام کا ایک دوسرے سے کلام کرنا ہمیشہ جاری رہا اس سے منع نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ قرآن پاک اس کے جواز کی طرف دو وجہ سے اشارہ کر رہا ہے۔ ایک وجہ یہ کہ قرآن پاک میں ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

یہ نہیں فرمایا لا ترفعوا اصواتکم بینکم عند النبی تم اپنی آوازیں نبی کریم کے حضور ایک دوسرے پر بلند نہ کرو۔

اس سے صاف سمجھ آتا ہے کہ اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند کرنا اعمال کے ضائع کرنے کا سبب ہے نہ کہ ایکدوسرے سے آواز کو بلند کرتے سے اعمال ضائع ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کجھر بعضکم لبعض جیسے آپس میں ایک دوسرے سے چلاتے ہو۔

قرآن پاک کے یہ الفاظ مبارکہ صاف بتا رہے ہیں کہ آپس میں ایکدوسرے سے بلند آواز سے بات کرنا جائز رہتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ثابت کرنا ممکن ہی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز کو بلند کیا۔ بلکہ آپ نے تو صرف اتنا کہا حسبنا کتاب اللہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے

اس پر صحابہ کرام کے دو گروہ بن گئے۔ کچھ کہہ رہے تھے کہ سامان کتابت لانا چاہیے۔ کچھ کہہ رہے تھے ضرورت نہیں۔ چونکہ وہاں کئی صحابہ کرام کا آپس میں ایک دوسرے سے کلام کرنے کی وجہ سے آواز بلند ہوئی یہ قدرتی امر ہے۔ جب کئی آدمی آپس میں کلام کریں تو آواز بلند ہو ہی جاتی ہے۔ اس آواز کے بلند ہونے میں سب ہی شریک تھے۔ جو صحابہ کرام لکھانے کے حق میں تھے وہ بھی کلام کر رہے تھے۔ اور جو صحابہ کرام کہہ رہے تھے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ وہ بھی کلام کر رہے تھے۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد (لا ینبغی عندی تنازع) میرے پاس تنازعہ مناسب نہیں) سے واضح ہو رہا ہے کہ کسی صحابی کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہیں ہو رہی تھی۔ ورنہ آپ لا ینبغی کے الفاظ سے ذکر نہ فرماتے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے "مناسب نہیں"

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر کسی صحابی کی آواز بلند ہوتی تو آپ فرماتے میرے پاس تنازعہ حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا "قوموا" اٹھ جاؤ۔ اس کی وجہ فقط آپ کی مرض تھی۔ کیونکہ مریض کا مزاج زیادہ کلام پسند نہیں کرتا۔

مریض ہونا۔ بدن کا ضعیف ہو جانا۔ یہ انبیاء کرام کی شان کے خلاف نہیں

چوتھا اعتراض حضرت عمر نے ضروریات دین کا انکار کیا اور حق تلفی کی ہے کیونکہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھدیتے تو کوئی

اختلاف نہ رہتا۔ آج اصول و فروع میں جو اختلاف ہیں وہ فقط حضرت عمر کے انکار کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا ان تمام اختلافات کا وبال حضرت عمر کی گردن پر ہے۔

جواب یہ کہنا ہی غلط ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو لکھنا چاہتے تھے وہ ضروریات دین سے تھا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو لکھنا چاہتے تھے اس میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ آپ جتنے احکام پہلے بیان کر چکے تھے ان میں زیادتی فرمانا چاہتے تھے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ پہلے احکام کو منسوخ فرمانا چاہتے تھے۔ تیسرا احتمال یہ ہے آپ پہلے ہی احکام کی تاکید فرمانا چاہتے تھے۔ پہلے دونوں احتمال باطل ہیں اس لیے کہ اس واقعہ سے تین ماہ پہلے یہ آیۃ کریمہ نازل ہو چکی تھی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور میں نے اپنی نعمتیں تم پر مکمل کر دیں۔ اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا ہے۔ تین ماہ پہلے دین مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس میں زیادتی یا نسخ کرنے سے اس آیۃ کریمہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن پاک کی آیت کی تکذیب ہو۔

اگر پہلے ہی احکام کی تاکید ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ پہلے یہ واضح طور پر بیان نہیں فرمایا کہ میرے جانشین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہونگے اگر ایسا آپ نے فرمایا ہوتا تو اب امید کی جاسکتی تھی کہ آپ نے دوبارہ

اسی امر کی تاکید فرمائی ہو اور لکھنا چاہتے ہوں۔ لیکن ثبوت پیش کرنا ممکن نہیں جن دو احادیث سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان کا رد پہلے ہی کیا جا چکا ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو وصیتیں لکھنا چاہتے تھے وہ آپ نے زبانی ہی ارشاد فرما دی ہیں۔ جیسے اس بحث کے شروع میں احادیث درج کی جا چکی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

(۱) مشرکین اور یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

(۲) دوسرے ممالک سے آنیوالے قاصدوں سے میری طرح اچھا سلوک کرنا اور ان کو میری طرح انعامات دینا۔

(۳) تیسری وصیت راوی کو بھول گئی لیکن محدثین نے بیان کیا ہے کہ وہ تیسری وصیت یہ تھی۔ لشکر اسامہ کو غزوہ کے لیے بھیج دینا اسے روکنا نہیں اور میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

نیز ضروریات دین سے اہم مسئلہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہتے ہوتے تو ضرور لکھتے اور اشارہ، کنایہ سے نہ فرماتے۔ کیونکہ آپ پر تمام مسائل کو واضح کھول کر بیان کرنا ضروری تھا۔ معاذ اللہ ایسے اہم مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جبکہ یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا وصال پیر کو ہوا۔ جب بعد میں اہل بیت اطہار کو آپ کے پاس علیحدہ بیٹھنے کے مواقع بھی میسر آئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے دنوں میں پھر

لکھنے کا ارادہ نہیں فرمایا تو اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کو اطمینان ہو گیا کہ صحابہ کرام قرآن پاک پر عمل کریں گے۔ ان کو وصیت لکھ کر دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے ضرورت دین کا انکار کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اہم مسئلہ یعنی مسئلہ خلافت تحریر فرمانے والے تھے تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں فرق آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ ہوا تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری تھا کہ آپ اللہ تعالی کا پیغام بغیر خوف خطر پہنچا دیں۔ اس میں آپ سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی لازم آئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت پر رحیم و شفیق بھی ہیں۔ رحیم و شفیق نبی اپنی اُمت کو ضروری مسئلہ سے آگاہ نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے بلکہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے تھا ہی نہیں اسی وجہ سے آپ نے بیان نہیں فرمایا۔ آپ کی رحمت و شفقت کو رب قدوس نے اس طرح بیان فرمایا۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہو، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف

حدثنا اسحق اخبرنا بشر بن شعیب حدثنی ابی عن الزهری قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بن کعب اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عباسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَلِيًّا يَعْنِي ابْنَ اَبِي طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم وحدثنا احمد بن صالح حدثنا عنبسة حدثنا يونس عن ابن شهاب قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بن كعب بن مالك اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بن عباسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا حَسَنٍ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا فَاَخَذَ بِيَدِهِ الْعَبَّاسُ فَقَالَ اَلَا تَرَاهُ اَنْتَ وَاللّٰهِ بَعْدَ الثَّلَاثِ عَبْدُ الْعَصَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم سَيُتَوَفّٰى فِيْ وَجَعِهِ وَاِنِّيْ لَاَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْمَوْتَ فَاذْهَبْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَنَسْاَلُهٗ فِيْمَنْ يَكُوْنُ الْاَمْرُ فَاِنْ كَانَ فِيْنَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ فِيْ غَيْرِنَا اٰمَرْنَاهُ فَاَوْصٰى بِنَا قَالَ عَلِيٌّ وَاللّٰهِ لَئِنْ سَاَلْنَاهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَيَمْنَعُنَاهَا لَا يُعْطِيْنَاهَا النَّاسُ اَبَدًا وَاِنِّيْ لَا اَسْاَلُهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اَبَدًا ۔

(بخاری جزو ۲۰ کتاب الاستیذان، باب المعانقہ وقول الرجل کیف اصبحت)

عبداللہ بن کعب بن مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت
بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض موت میں تھے تو آپ کے پاس سے حضرت
علی رضی اللہ عنہ نکلے۔ آپ سے لوگوں نے پوچھا اے اباحسن نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیسے صبح کی۔ حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا بحمداللہ آپ نے صبح
حالت صحت میں کی یعنی آپ کو افاقہ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی
رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرمانے
والے ہیں۔ تم تین دنوں بعد غیروں کے تابع ہو گے۔ میں خاندان عبدالمطلب کے
چہروں سے موت کو پہچان لیتا ہوں۔ تم ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے
چلو۔ ہم آپ سے پوچھیں کہ امر خلافت کن لوگوں میں ہو گا۔ یعنی آپ کے بعد
آپ کا جانشین اور خلیفہ کون ہو گا۔ اگر آپ نے ہمارے متعلق فرمایا تو ہمیں معلوم
ہو جائے گا اور اگر آپ نے ہمارے بغیر کسی اور کے متعلق فرمایا تو ہم عرض
کریں کہ آپ ہمارے لیے وصیت فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدا
کی قسم اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امر خلافت کے متعلق پوچھیں تو
آپ ہمیں منع فرما دیں۔ لوگ ہمیں کبھی امر خلافت کا حق نہیں دیں گے۔ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کبھی سوال نہیں کروں گا۔

اس حدیث پاک سے حقیقت آشکارہ ہوئی کہ جن حدیثوں سے دلائل پیش
کئے جاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل
بنا دیا تھا۔ لیکن معاذ اللہ صحابہ نے انہیں اس حق سے محروم کر دیا۔ یہ بالکل بے سروپا
دعوے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا اور حدیث قرطاس سے مراد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی خلافت ہوتی تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع
کر دیا تو ہم ہمیشہ کے لیے اس سے محروم رہیں گے۔ بلکہ آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ
ہاں ٹھیک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کئی مرتبہ اپنا خلیفہ بلافصل بنا چکے
ہیں چلو پھر اس معاملہ کی توثیق کرا لیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث
کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ جب آپ خائف
ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منع بھی فرما سکتے ہیں تو ان دلائل کی کوئی حقیقت و
حیثیت نہ رہی۔ جن سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپ کو خلیفہ بلافصل
بنا دیا گیا تھا۔ اور اسی امر خلافت کو لکھنا مقصود تھا لیکن معاذ اللہ حضرت عمر اس میں
رکاوٹ بن گئے۔

خلیفہ بلافصل کہنے سے شان علی رضی اللہ عنہ میں گستاخی ہے

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ بلافصل بنایا تھا
اور وہ احادیث جن سے آج دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یقیناً ان احادیث کو حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے بہتر سمجھا ہو گا کیونکہ آپ تو باب مدینۃ العلم ہیں۔ حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے سمجھتے ہوئے کیوں خاموشی اختیار کی۔ اپنے حق کا مطالبہ کیوں
نہیں کیا جبکہ آپ پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننا ضروری
تھا۔ اگر آپ کو جان بھی قربان کرنی پڑتی پھر بھی آپ خاموش نہ رہتے کیونکہ آپ
فرماتے کہ میں اپنی جان سے زیادہ ارشاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دیتا ہوں

اگر آپ فرماتے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہوں تو آپ کے ساتھ ہزاروں صحابہ کرام ہوتے، حقیقت تو یہ ہے کہ خلافت بلافصل کے قول سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مقصد ہی رائیگاں چلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جب آپ نے دیکھا کہ ایسے شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ، حکمران بنایا جا رہا ہے جو نااہل ہے۔ آپ نے اپنی جان اور اپنے تمام خاندان کو قربان کر دیا۔ شہادت عظمیٰ کے رفیع مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ خلافت ان حضرات کے پاس ہے جو اس کے حقدار ہیں تو آپ نے خاموشی اختیار کی۔ مقام غور و فکر ہے؟ جو حضرات خلافت بلافصل کی رٹ لگاتے رہتے ہیں ان کے اس قول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں حرف لازم آتا ہے۔ اور جو خارجی یا خارجیوں کے ہمنوا یزید کی مدح سرائی کرتے ہیں وہ شان امام حسین رضی اللہ عنہ میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کی شہادت کو فقط حکومت کی خاطر جنگ اور شہادت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے اس قول سے ہی اہل تشیع کو موقع ملتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ شاندار عقیدہ یہی ہے صحیح اور حق یہی ہے۔

خاندان اہل بیت حکومت کا خواہاں نہیں تھا بلکہ حق کا مطالبہ کرنے والا تھا جب حق دیکھا خاموشی اختیار کی اور جب دیکھا کہ باطل کا ظہور ہو رہا ہے تو جان کی بازی لگا دی۔

اللھم انا نعوذ بک من المتعصبین۔

شان صحابہ کرام قرآن کی نظر میں

قرآن پاک کی کثیر آیات مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان ثابت ہے چند آیات کریمہ درج کی جا رہی ہیں جن سے صراحتاً صحابہ کرام کا مغفور ہونا اور جنتی ہونا ثابت ہے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ پ۲۷

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اس آیت کریمہ کے بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ اللہ تعالے نے تمام صحابہ کرام سے جنت کا وعدہ کیا ہے خواہ وہ صحابہ کرام فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنیوالے اور جہاد کرنیوالے تھے یا فتح مکہ کے بعد انہوں نے جہاد کیا، اور مال خرچ کیا۔ جنتی ہونا دونوں فریقوں کا واضح ہے۔ البتہ درج کے لحاظ پر ان حضرات کو بلندی شان حاصل ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿پ﴾

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ میں تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنتی ہونا اور ان کی کامیابی کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے اور اصحاب بدر اور اہل بیعت رضوان اور اصحاب بیعت عقبہ اولیٰ اور اصحاب بیعت عقبہ ثانیہ کا ذکر فرمایا اور ان کے بعد آنیوالے ان کے متبعین کا ذکر فرمایا۔ اس طرح یہ آیت کریمہ تمام صحابہ کرام کے جنتی ہونے اور کامیاب ہونے کا ذکر کر رہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿پ﴾

اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اس آیۃ مقدسہ میں صحابہ کرام کا سچا مومن ہونا اور مغفور ہونا ثابت ہے۔ وہ پاک ہستیاں جن کے جنتی ہونے اور سچے مومن ہونے اور بخشے ہوئے ہونے پر مالک کائنات گواہی دے رہا ہو ان کے ایمان میں شک کرنا حقیقت میں اپنے

ہی ایمان میں نقصان پیدا کرنا۔ شان صحابہ کرام میں کیا کمی ہو سکتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۙ

اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ کاش لوگ جانتے

اس آیت مبارکہ میں تمام مہاجرین صحابہ کرام کا دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونا اور اچھے ثواب کا مستحق ہونا ذکر کیا گیا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

(مال غنیمت) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ اور رسول کی مدد کرتے (یعنی دین کی حمایت کرتے ہیں) وہی سچے ہیں۔

اس آیۃ کریمہ میں خالق کائنات نے مہاجرین صحابہ کرام کے جو اوصاف بیان فرمائے ان کی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس طرح وضاحت فرمائی۔

اَوَّلُهَا اَنَّهُمْ فُقَرَاءُ۔ وَ ثَانِيْهَا اَنَّهُمْ مُهَاجِرُوْنَ وَ ثَالِثُهَا اَنَّهُمْ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَعْنِيْ اَنَّ كُفَّارَ مَكَّةَ اَحْوَجُوْهُمْ اِلَى الْخُرُوْجِ فَهُمُ الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْهُمْ وَ رَابِعُهَا اَنَّهُمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔ وَ الْمُرَادُ بِالْفَضْلِ ثَوَابُ الْجَنَّةِ وَ بِالرِّضْوَانِ قَوْلُهٗ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَ خَامِسُهَا قَوْلُهٗ وَ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اَيْ بِاَنْفُسِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ۔ وَ سَادِسُهَا قَوْلُهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ يَعْنِيْ اَنَّهُمْ لَمَّا هَجَرُوْا لَذَّاتِ الدُّنْيَا وَ تَحَمَّلُوْا شَدَائِدَهَا لِاَجْلِ الدِّيْنِ ظَهَرَ صِدْقُهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ ○

ترجمہ:۔ ان اوصاف میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ فقراء ہیں دوسری وہ مہاجرین ہیں۔ تیسری ان کو ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا ہے۔ یعنی کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اس لیے وہ گھروں سے نکالے گئے۔ چوتھی بیشک وہ صحابہ کرام اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو چاہنے والے تھے۔ فضل سے مراد جنت کا ثواب۔ یعنی ثواب جنت کے طلب گار تھے اور اللہ کی رضا کو چاہنے والے تھے۔ رضا سے مراد وہ رضا جس کو خود رب قدوس نے اس طرح بیان فرمایا ورضوان من اللہ اکبر۔ اللہ کی قلیل رضا بھی بہت بڑی چیز ہے۔ پانچویں انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات یعنی دین اسلام کی حمایت میں مال قربان کرنے کی ضرورت درپیش آئی تو مال قربان کیا۔ اور اگر جان قربان کرنے کی ضرورت درپیش آئی تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا۔ چھٹی جب انہوں نے دنیا کو چھوڑا اور دین کی خاطر مصائب کو برداشت کیا تو ان کا دین میں سچا ہونا ظاہر ہو گیا۔

اس آیۃ مبارکہ سے مہاجرین صحابہ کرام کا دین میں سچا ہونا اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کو حاصل کرنے والا ہونا اور دین اسلام کا مددگار ہونا واضح ہو گیا ایسے جلیل القدر صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا تو در کنار بلکہ فقط ان کی عظمت شان میں شک کرنا بھی انکار قرآن پاک کے مترادف ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنایا دوست
رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں
کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیے گئے اور اپنی جانوں پر
ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ اور جو اپنے نفس
کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی شان بیان فرمائی وہ ایمان پر مستقیم اور ایمان میں پرخلوص اور
مدینہ طیبہ جیسے بابرکت اور عظمتوں والے شہر میں رہنے والے جہاں
ایمان و اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہوا۔

مہاجرین صحابہ کرام سے محبت کرنے والے تھے۔

مال و دولت سے ان کو محبت نہیں تھی اس میں اپنی کوئی حاجت
نہیں پاتے تھے۔

خود محتاج رہنے کے باوجود دوسروں پر ایثار کرتے تھے۔

صحابہ کرام کے ایثار کے بے شمار واقعات ہیں۔ اس آیۃ کریمہ کے
شان نزول میں مفسرین کرام نے جو واقع بیان کیا اسے دیکھ کر اندازہ کیا جا

سکتا ہے کہ صحابہ کرام کے ایثار پر کس طرح درخشندہ شواہد پائے جاتے
ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں ایک بھوکا شخص آیا حضور نے ازواج مطہرات کے حجروں پر
معلوم کرایا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے۔ معلوم ہوا کسی بی بی صاحبہ کے
یہاں کچھ بھی نہیں ہے تب حضور نے اصحاب سے فرمایا جو اس
شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے حضرت ابوطلحہ
انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے
گھر لے گئے جا کر بی بی سے دریافت کیا کیا کچھ ہے۔ انہوں نے کہا
کچھ نہیں صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔ حضرت
ابوطلحہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو
چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تاکہ وہ اچھی طرح کھالے
یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہل خانہ اس کے ساتھ
نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو گا تو وہ اصرار کرے گا اور
کھانا کم ہے بچے بھوکا رہ جائے گا اس طرح مہمان کو کھلایا اور آپ ان
صاحبوں نے بھوکے رات گزاری جب صبح ہوئی اور سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا اللہ تعالیٰ
ان سے بہت راضی ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی ـــــــــ (خزائن العرفان)

روح المعانی میں اس آیۃ مقدسہ کی تفسیر میں حاکم اور بیہقی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ اُهْدِیَ لِرَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رَاْسُ شَاةٍ فَقَالَ اِنَّ اَخِیْ فُلَانًا وَعِیَالَهٗ اَحْوَجُ اِلٰی هٰذَا مِنَّا فَبَعَثَ بِهٖ اِلَیْهِ فَلَمْ یَزَلْ یَبْعَثُ بِهٖ وَاحِدٌ اِلٰی آخَرَ حَتّٰی تَدَاوَلَهٗ اَهْلُ سَبْعَةِ اَبْیَاتٍ حَتّٰی رَجَعَ اِلَی الْاَوَّلِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص کو بکری کا سر بطور ہدیہ دیا گیا لیکن انہوں نے کہا کہ فلاں میرا بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ محتاج ہیں اور وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ لہٰذا اس کو دوسرے کے پاس بھیج دیا۔ دوسرے نے اور کو اپنے سے زیادہ محتاج سمجھ کر تیسرے کے پاس بھیج دیا اس طرح سات آدمیوں کے گھروں سے لوٹ کر پھر پہلے کے گھر آگیا۔ یہ صفات بیان کرنے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ نے انصار صحابہ کرام کی شان ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ فاولٰئک ھم المفلحون تو وہی کامیاب ہیں۔

وہ صحابہ کرام جن کو اللہ تعالیٰ نے کہا ہو یہ کامیاب ہیں ان کو اگر کوئی ناکام بنانا چاہے تو خدا سے مقابلہ ہوگا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

عقل ہوتی خدا سے لڑائی نہ لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور ہے بڑھنا تیرا

صاحب ایمان و محبت حضرات نے فاولٰئک ھم المفلحون کو کیسے سمجھا صاحب روح المعانی دو لفظوں میں اس کی شاندار تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَلْفَائِزُوْنَ بِكُلِّ مَطْلُوْبٍ اَلنَّاجُوْنَ مِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ ۝

ہر مطلوب کے حصول میں کامیاب ہر غیر شرع سے نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

یعنی صحابہ کرام نے تمام مطلوبات دینیہ کو حاصل کیا اور ان پر عمل کیا اور تمام غیر شرعی افعال سے اجتناب کیا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاولٰئک ھم المفلحون کہ وہی کامیاب ہیں کیونکہ اوامر کو ترک کرنے والے اور نواہی پر عمل کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تمام مسلمان تین قسموں سے خارج نہیں

اگرچہ مقصد بیان وہ آیات مبارکہ تھیں جو صراحۃً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی، مغفور، کامیاب و کامران ہونے پر دال ہیں لیکن ضمناً یہاں ایک اور آیۃ کریمہ کی وضاحت بیان کرنی اس لیے ضروری ہے کہ وہ آیۃ کریمہ ان دو آیتوں کے بعد متصل قرآن پاک میں مذکور ہے اور اس طرح تینوں آیتیں مل کر مسلمانوں کی جمیع اقسام کو شامل ہیں یعنی کوئی مسلمان ان قسموں سے خارج ہو نہیں سکتا۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے رب ہمارے بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ گزرے ہوئے مسلمان بھائیوں کیلئے دعا مغفرت و رحمت کریں

اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں علامہ رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ جَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِاَنَّهُمْ اِمَّا الْمُهَاجِرُوْنَ اَوِ الْاَنْصَارُ اَوِ الَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ وَبَیَّنَ اَنَّ مِنْ شَاْنِ مَنْ جَآءَ مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اَنْ یَّذْكُرَ السَّابِقِیْنَ وَهُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ بِالدُّعَآءِ وَالرَّحْمَةِ فَمَنْ لَّمْ یَكُنْ كَذٰلِكَ بَلْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ كَانَ خَارِجًا مِّنْ جُمْلَةِ اَقْسَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِحَسَبِ نَصِّ هٰذِهِ الْاٰیَةِ ۝

بیشک یہ آیات (یعنی تینوں آیتیں جن کو ابھی ذکر کیا گیا ہے) مسلمانوں کی تمام قسموں کو حاوی ہیں اس لیے کہ یا وہ مہاجرین ہیں یا انصار اور یا ان کے بعد آنے والے مسلمان۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے مسلمانوں یعنی مہاجرین و انصار اور تمام پہلے گزرے ہوئے مسلمانوں کیلئے دعا کریں، ایصال ثواب کریں ان کے لیے رحمت طلب کریں جو اس طرح نہیں ہیں بلکہ پہلے گزرے ہوئے مسلمانوں کو برائی سے یاد کرتے ہیں وہ مسلمانوں کی تمام قسموں

سے خارج ہیں اس حکم پر یہ آیت کریمہ صراحۃً دلالت کر رہی ہے
قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ سے جب یہ واضح ہوا کہ مسلمان کو حقیقی معنی
میں مسلمان بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے
تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے اور ان کے لیے رحمت طلب کرے۔

اسی طرح کئی احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنے فوت شدہ
بھائیوں کے لیے دعا مغفرت کریں اور ان کو مختلف عبادات حسنات و
خیرات سے ثواب پہنچائیں۔

دعار کی فضیلت احادیث سے

دعار عبادت ہے

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ۝

(رواہ احمد والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجہ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت نعمان بن بشیر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"دعا عبادت ہے" پھر آپ نے قرآن پاک کی آیت کریمہ سے یہ الفاظ
مبارکہ تلاوت فرمائے وقال ربکم ادعونی استجب لکم تمہارے
رب نے کہا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعار کو قبول کروں گا۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت
فرمائی ہے کہ دعا عبادت کیسے ہے اور دعا کا عبادات میں کیا درجہ ہے
آپ نے اس طرح فرمایا۔

قولہ اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ اَلْحَصْرُ لِلْمُبَالَغَۃِ وَقِرَاءَۃُ الْاٰیَۃِ
تَعْلِیْلٌ بِاَنَّہٗ مَامُوْرٌ بِہٖ فَیَکُوْنُ عِبَادَۃً اَقَلُّہٗ اَنْ یَّکُوْنَ
مُسْتَحَبَّۃً وَاٰخِرُ الْاٰیَۃِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ
عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ وَالْمُرَادُ بِعِبَادَتِیْ ھُوَ الدُّعَاءُ
وَلُحُوْقُ الْوَعِیْدِ یَنْظُرُ اِلَی الْوُجُوْبِ لٰکِنَّ التَّحْقِیْقَ اَنَّ الدُّعَاءَ لَیْسَ
بِوَاجِبٍ وَالْوَعِیْدُ اِنَّمَا ھُوَ عَلَی الْاِسْتِکْبَارِ ۝

دعا کو عبادت میں مبالغۃً منحصر فرمایا ہے اور قرآن پاک کی آیۃ
مقدسہ کی تلاوت فرما کر یہ واضح فرمایا کہ دعا کرنے کا حکم خود رب
کائنات نے فرمایا ہے۔ عبادت کا کم از کم درجہ مستحب ہے لہذا
دعا بھی مستحب ہے کیونکہ دعا عبادت ہے۔ اس آیۃ کریمہ کا آخری
والا حصہ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔
بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم
میں بڑی ذلت سے داخل ہوں گے۔

یہاں "عبادتی" سے مراد "دعائی" ہے یعنی جو لوگ مجھ سے دعا کرنے
میں تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں بڑی ذلت سے داخل ہوں
گے۔ اگرچہ اس آیۃ کریمہ میں دعا نہ کرنے پر جو وعید فرمائی گئی اس

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنا واجب ہوتا لیکن تحقیق یہ ہے کہ مطلقاً دعا کرنا مستحب ہے اور دعا سے تکبر کے طور پر اعراض کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے لہذا جب دعا سے اعراض کرنے کا تکبر سبب بن رہا ہو اس وقت دعا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اس حدیث پاک اور اس شرح سے ظاہر ہوا کہ دعا کرنا عبادت اور مستحب ہے یہ دعا کا ذکر مطلق ہے لہذا زندہ اور فوت شدہ تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا مستحب ہے۔

دعا عبادت کا مغز ہے

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔ یعنی دعا عبادت کا نچوڑ، عبادت کا مقصد ہے۔

اس کی شرح میں علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں بیان فرماتے ہیں کہ دعا کو عبادت کا مغز کیوں کہا گیا ہے۔

حقیقۃ العبادۃ ھو الخضوع و التذلل ھو حاصل فی الدعاء اشد الحصول

حقیقت میں عبادت خضوع اور عاجزی و انکساری ہے۔ یہ مقصد عجز و انکساری دعا میں زیادہ حاصل ہوتی ہے اس لیے یہ عبادت کا حصول، مقصد، مغز اور نچوڑ ہے۔

اللہ کو دعا پسند ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس شیء اَکْرَمَ عَلَی اللہ مِنَ الدُّعَاءِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

(من الدعاء) ای من حسن السؤال بلسان القال او ببیان الحال لان فیہ اظہار العجز والافتقار و التذلل والانکسار والاعتراف بقدرۃ اللہ وقدرتہ وغناہ واغنائہ وکبریائہ ۝

دعا اللہ کے ہاں مکرم کیوں ہے اس لیے کہ دعا میں اچھی طرح سوال ہوتا ہے زبان سے یا دل سے اور دعا کرنے والا انسان اپنی احتیاجی اور انکساری اور عجز و کمتری کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت، غنی ہونے، غنی کرنے اور اس کی کبریائی کا اعتراف کرتا ہے۔

دعا قضا کو رد کرتی ہے

عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قضا کو سوائے دعا کے کوئی چیز رد نہیں کر سکتی۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جن مصائب و آلام کا خطرہ ہو اور وہ ان سے بچنا چاہتا ہو اور دعا کرے اگر اس کی دعا ان کے موافق ہوئی تو اللہ تعالیٰ ان کو مندفع کر دے گا۔

دعا سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ
(رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابن عمر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دعا نفع دیتی ہے ان مصائب و آلام میں جو واقع ہو چکے ہیں یا ابھی نہیں ہوئے اے اللہ کے بندو تم پر لازم ہے کہ دعا کیا کرو۔ یعنی دعا کرنے سے وہ مصیبتیں جو واقع ہو چکی ہوتی ہیں وہ دور ہو جاتی ہے اور جو ابھی واقع نہیں ہوئی ان کے دور رکھنے میں دعا مدد کرتی ہے۔ اس لیے اے اللہ کے بندو اپنی مصیبتیں دور کرنے کے لیے دعا کو لازم پکڑو

اس حدیث کی شرح میں علی قاری فرماتے ہیں۔

اَلدُّعَاءُ سَبَبٌ لِرَدِّ الْبَلَاءِ وَوُجُوْدِ الرَّحْمَةِ كَمَا اَنَّ التُّرْسَ سَبَبٌ لِدَفْعِ السِّلَاحِ وَالْمَاءَ سَبَبٌ لِخُرُوْجِ النَّبَاتِ عَنِ الْاَرْضِ ۝

دعا مصیبتوں کو دور کرنے اور رحمت کے پاتے جانے کا سبب ہے۔ جس طرح ڈھال ہتھیار کو روکنے کا سبب اور پانی زمین سے پودے نکلنے کا سبب ہے۔

اللہ کو پسند ہے کہ اس سے مانگا جاتے

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْأَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ انْتِظَارُ الْفَرَجِ ۝ (رواہ ترمذی مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ افضل عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔

(فان اللہ) اَیْ لِاتِّصَافِہٖ بِاَنَّہٗ کَرِیْمٌ مُنْعِمٌ وَھَّابٌ مُعْطٍ غَنِیٌّ مُغْنٍ بَاسِطٌ ○ (مرقاۃ)

اللہ تعالیٰ کو کیوں پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اس لیے کہ وہ کریم ہے انعام عطا فرمانے والے ہے۔ بخشش کرنے والا ہے۔ عطا کرنے والا ہے۔ غنی ہے، غنی کرنے والا ہے۔ کشادہ رزق کا مالک ہے۔

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مانتا ہے اسے اللہ سے مانگنے میں کوئی شرم نہیں آئے گی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ مانگے گا کیونکہ وہ ایسی صفات کا مالک ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ جب دینے والے کی رحمت میں کوئی کمی نہیں تو لینے والوں کو اپنی حماقت سے اپنے دامن کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ افضل عبادت یہ ہے کہ دعا بھی کرتا رہے اور ساتھ ساتھ مصائب و آلام کی دوری کے لیے صبر و تحمل کرے۔

دعا وہی کرتا ہے جس پر خدا کی رحمت ہو

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مَنْ فُتِحَ لَہٗ مِنْکُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھولا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھولے گئے۔

(باب الدعا) اَیْ بِاَنْ وُفِّقَ لِاَنْ یَّدْعُوَ اللّٰہَ کَثِیْرًا مَعَ وُجُوْدِ شَرَائِطِہٖ وَحُصُوْلِ آدَابِہٖ (مرقاۃ)

جس کے لیے دعا کے دروازے کھولے جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ دعا کی شرائط اور آداب کو مدنظر رکھ کر دعا کرے۔

دعا کے آداب خشوع و خضوع سے دعا کرنا اور دعا کی شرائط ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے۔

دعا نہ کرنے والے سے اللہ ناراض ہوتا ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ ۝

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

لِأَنَّ تَرْكَ السُّؤَالِ تَكَبُّرٌ وَ اِسْتِغْنَاءٌ وَهٰذَا لَا يَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُرَادُ بِالْغَضَبِ اِرَادَتُهُ اِيْصَالَ الْعُقُوْبَةِ (مرقاۃ)

اس لیے اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرنا علامت تکبر ہے اور رب سے مستغنی ہونے کی علامت ہے۔ یہ بندے کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھے۔ بلکہ یہ بد بختی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے۔

خوشحالی میں دعا کی کثرت کرے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ ۝

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا، مشکلات اور مصائب و آلام میں قبول فرمائے اسے چاہیئے کہ آسانی اور خوشحالی میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کرے۔

شکر گزار مومن کا یہ کام ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ آرام و سکون میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور پھر مشکلات میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرتا ہے۔ لیکن بخلاف کافر، غبی کے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے قرآن پاک میں اس طرح ارشاد فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۝

اور جب انسان (کافر) کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارتا ہے اسی طرف جھکا ہوا پھر جب اللہ نے اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت دی تو بھول جاتا ہے جس لیے پہلے پکارا تھا۔ حدیث پاک اور قرآن پاک کے بیان سے نتیجہ واضح ہوا کہ مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ

کو یاد کرتا ہے اسی سے مانگتا ہے کافر صرف مشکلات میں خدا سے
ہے۔ آسانی میں غافل ہو جاتا ہے۔

غفلت سے نہیں بلکہ قبولیت کی امید سے دعا کرے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدْعُوا اللّٰہَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ ○

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا یقین کرتے ہوئے دعا کرو جان لو بیشک جب لھو ولعب اور غفلت میں ہو اس وقت جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ یعنی کامل اس دعا میں قبولیت نہیں ہوتی یا اکثر اوقات ایسی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ دعا جو حضور قلب پاکیزہ ماحول، بابرکت زمانہ اور متبرک مقام میں کی جائے اس میں صداقت ہوتی ہے وہ دعا قبول ہوتی ہے اور جو دعا غافل دل اور دیگر مشاغل میں مشغول ہوتے ہوئے کی جائے اس دعا میں صداقت نہیں ہوتی لہذا اس دعا میں کامل قبولیت بھی نہیں ہوتی۔

جو دعا، ہاتھ اٹھا کر کی جائے اللہ اس کو رد نہیں کرتا

عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اِلَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا ○

(رواہ الترمذی وابو داؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمہارا رب حیا والا (جو اس کی شان کے لائق ہے) کریم ہے۔ اللہ کا بندہ جب اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹائے۔

خیال رہے کہ یہاں حیا کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے نفع والی چیزیں عطا فرماتا ہے اور ضرر والی ان سے دور رکھتا ہے۔ ہاتھوں کے اٹھانے میں کیا حکمت ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

حِکْمَۃُ الرَّفْعِ اِلَی السَّمَاءِ اَنَّھَا قِبْلَۃُ الدُّعَاءِ وَمَھْبَطُ الرِّزْقِ وَالْوَحْیِ وَالرَّحْمَۃِ وَالْبَرَکَۃِ ○

ہاتھ اٹھانے میں یہ حکمت ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے جس طرح نماز کا قبلہ کعبہ شریف ہے۔ اور نماز میں اس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح دعا کا قبلہ جب آسمان ہیں تو دعا کرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف ہاتھوں کو پھیلانا گویا قبلہ کی طرف توجہ ہوگی۔ اور آسمان رزق، وحی، رحمت اور برکت کے نزول کا مقام ہے۔ اس لیے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے۔

دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرے

وعن عمر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه ○

(رواه الترمذی، مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھاتے ان کو نیچے نہیں لاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو مس کرتے۔

چونکہ ماقبل ہاتھ اٹھانے کی حکمت بیان ہو چکی ہے کہ آسمان نزول رحمت و برکات کا مرکز ہیں۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنا تھا۔ اس کی حکمت اس طرح بیان کی گئی:

وذلك على سبيل التفاؤل فكان كفيه قد ملئتا من البركات السماوية والانوار الالهية ○ (مرقاۃ)

ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے میں یہ حکمت تھی کہ نیک تفاؤل مد نظر ہوتی گویا آپ کے ہاتھ برکات سماویہ اور انوار الٰہیہ سے بھرے جاتے تھے۔ پھر آپ چہرے پر مس کرتے تاکہ چہرہ بھی وہی برکات و انوار حاصل کرلے۔

لا ريب في حقه من قبول الدعوة ونزول البركة ○ (مرقاۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا کی قبولیت اور برکات کے نزول میں کوئی شک نہیں۔

اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اور یقیناً آپ کے ہاتھ برکات و انوار سے پُر ہو جاتے ہیں لیکن آپ کی امت کو بھی امید رکھنی چاہیے اور قبولیت کی امید پر دعا کرنی چاہیے کیونکہ خود حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے ارشاد کے مطابق بندہ جب اپنے رب سے سوال کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ خالی نہیں لوٹاتا۔

سیدھے ہاتھوں سے دعا کرے

عن مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا
وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ
بِظُهُوْرِهَا فَإِنْ فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ ٥

(رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

مالک بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے سیدھے ہاتھوں سے سوال کرو، الٹے ہاتھوں سے سوال نہ کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے سیدھے ہاتھوں سے سوال کرو الٹے ہاتھوں سے سوال نہ کرو۔ جب تم دعا سے فارغ ہو تو ان کو اپنے چہروں پر پھیر لو۔!

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ لِأَنَّ اللَّائِقَ بِالطَّالِبِ شَيْئًا لَهُ أَنْ يَمُدَّ كَفَّهُ إِلَى الْمَطْلُوْبِ
يَبْسُطُهَا مُتَعَرِّضًا لِمَا يَمْلَأُ مِنْهَا مِنْ عَطَائِهِ الْكَثِيْرِ (مرقاۃ)

ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ طلب کرنے والے کے مناسب یہ ہے وہ جس سے طلب کر رہا ہے اس کی طرف نہایت عاجزی سے اپنے ہاتھ سیدھے رکھ کر پھیلائے تاکہ وہ اپنی کثیر عطاء سے اس کے ہاتھوں کو بھر دے۔

قبل ازیں جتنی احادیث کو ذکر کیا گیا ہے وہ تمام مطلق ہیں۔ مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے۔ اس ضابطہ کے مطابق یہی ثابت ہو گا کہ ہر دعا میں خلوص ہو۔ غافل دل سے دعا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ مانگے۔ خدا سے مانگنے میں شرم نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرے۔ دعا سے تکالیف دور ہوتی ہیں۔ خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خدا سے دعا کرے۔ ان تمام نتائج سے یہ واضح ہوا کہ یہ دعا کا طریقہ ہے۔

دعا کے آداب اور شرائط کا لحاظ کر کے دعا کرے خواہ وہ دعا اپنے لئے ہو یا اپنے دوسرے بھائی کے لیے ہو۔ خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ فوت شدہ کے لیے دعا کریں تو ہاتھ نہ اٹھائیں

معلوم نہیں یہ قانون جہلاء نے کہاں سے نکال لیا ہے۔ یہ صرف اس لیے تو نہیں کہ اس فوت شدہ آدمی کی بخشش نہ ہو جائے اس لیے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ماقبل ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر جب بندہ دعا کرتا ہے اللہ اس کے ہاتھ خالی نہیں لوٹاتا۔ لہٰذا صرف اتنا ثابت ہو جائے کہ فوت شدہ آدمی کے لیے دعا کی جائے تو خود بخود ہاتھ اٹھانا ثابت ہو جائے گا

موت کے بعد ثواب کی وجہ سے اعمال میں ترقی

حدثنا یحیی بن ایوب وقتیبۃ یعنی ابن سعید وابن حجر قالوا حدثنا اسمعیل بن جعفر عن العلاء عن ابیہ عن ابی ہریرۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَہٗ ۝

(مسلم شریف جلد ثانی باب ما یلحق من الثواب بعد وفاتہ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین چیزوں کے یعنی سوائے صدقہ جاریۃ یا علم جس سے لوگ نفع حاصل کر رہے ہوں یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کر رہے ہوں۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوا کہ صدقہ جاریہ کا انسان کو ثواب ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کا عمل جاری رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ سے مراد وقف یعنی مسجد کے لیے جگہ دینا، مسجد تعمیر کرنا، دینی مدارس کی تعمیر۔ دینی کتب دینا، قرآن پاک دینا، قبرستان کیلئے جگہ دینا۔ تالاب بنانا، سرائے بنانا وغیرہ اسی طرح علم۔ یعنی اس نے کسی کو دینی علوم کی تعلیم دی اس کے شاگردوں نے اور دوسروں کو تعلیم دی اس طرح یہ سلسلہ جب تک جاری رہے گا اس کا فیضان جاری رہے گا۔

نیک اولاد اس کے لیے دعا کرے اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہو گیا کہ فوت شدہ انسان کے لیے دعا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس کے اعمال کی ترقی اور مغفرت اور بلندی درجات کا ذریعہ ہے

اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

وَفِیْہِ اَنَّ الدُّعَاءَ یَصِلُ ثَوَابُہٗ اِلَی الْمَیِّتِ وَکَذَالِکَ الصَّدَقَۃُ وَھُمَا مُجْمَعٌ عَلَیْہِمَا ۝

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ بیشک دعا کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اسی طرح صدقہ کا ثواب بھی۔ ان دونوں کے ثواب کے پہنچنے پر اجماعِ امت ہے۔

ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے رو بقبلہ ہو کر دعا کرنا

عن عمر بن الخطاب قال لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المشركين وهم ألف وأصحابه ثلاثمائة وتسعة عشر رجلا فاستقبل نبي الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مد يديه فجعل يهتف بربه اللهم أنجز لي ما وعدتني اللهم آت ما وعدتني اللهم إنك إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض فما زال يهتف بربه مادا يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداؤه عن منكبيه ○ الخ

(مسلم شریف جلد ثانی باب الامداد بالملٰئکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو دیکھا ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور آپ کے صحابہ کرام کی تعداد تین سو تیرہ اشخاص پر مشتمل تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھوں کو پھیلا کر بلند آواز سے اپنے رب سے دعا کرنے لگے۔

اے اللہ جو وعدہ تو نے میرے ساتھ کیا ہے اسے پورا فرمالے اللہ تو نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے۔

وہ عطا فرما اے اللہ بیشک اہل اسلام کی اس جماعت اگر تو نے ہلاک فرما دیا تو تمام روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ آپ اسی طرح لگاتار ہاتھوں کو اٹھا کر قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتے رہے یہاں تک آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھو سے گر گئی۔

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وفیہ استحباب استقبال القبلۃ فی الدعاء ورفع الیدین فیہ وانہ لا بأس برفع الصوت فی الدعاء ○

اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے اور بلند آواز سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہاں ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب کہا گیا ہے کسی دعا کی کوئی تخصیص نہیں کہ وہ دعا اپنے لیے کر رہا ہے۔ یا دوسرے بھائی کے لیے کر رہا ہے وہ زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط نسبت کرنا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا

یہ کہنا تو آسان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دعائیں ہاتھ اٹھا کر کرو لیکن فوت شدہ آدمی کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرو اس لیے کہ یہودی یہ نہ سمجھیں کہ یہ مردہ سے مانگ رہے ہیں یہ راولپنڈی کے ایک دیوبندی مولانا صاحب (جو اپنے سے بڑا روئے زمین میں کوئی عالم نہیں مانتے) کی تقریر کا[لہ] ایک حصہ ہے کاش کہ وہ خود یا ان کا کوئی ہم مشرب یہ حدیث نکال کر دے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت شدہ آدمی کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہو۔ لیکن اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کرنے کا انجام بھی معلوم ہونا چاہیئے اور ایسے شخص کو سوچنا چاہیئے کہ وہ دین اسلام کی خدمت کر رہا ہے یا غلط بیانی اور کذب سے اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط نسبت کا انجام خود زبان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے سنیئے۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

(رواہ البخاری مشکوٰۃ شریف کتاب العلم)

جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔

فَلْيَتَّخِذْ مَنْزِلَهُ مِنَ النَّارِ وَهُوَ أَمْرٌ مَعْنَاهُ الْخَبَرُ (مرقاۃ)

یعنی اس نے جہنم کے مقاموں میں سے اپنے لیے ایک مقام بنا لیا اور ساتھ یہ وضاحت بھی فرمائی کہ یہ لفظاً اگرچہ امر ہے لیکن معنوی لحاظ پر خبر ہے۔ اس لیے خبر کا ہی معنیٰ کیا گیا ہے۔

لہ علمی نقطہ نظر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ ایک ایسی لایعنی دلیل ہے جس کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کریں۔ اگر کوئی شخص تعزیت کے لیے آئے تو وہ ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرے کیونکہ یہودی یہ نہ سمجھیں کہ یہ مردہ سے مانگ رہے ہیں لیکن دفن کر لینے کے بعد قبر پر آکر دعا کریں کیا اب یہودی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ قبر والے سے مانگ رہے ہیں شاید یہودی بھی بڑے سمجھ دار ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر مولانا صاحب دعا نہیں کرنا چاہتے اس لیے وہ دعا کرنے پر اعتراض کرتے ہیں لیکن دفن کرنے کے بعد مولانا دعا کرنا چاہتے ہیں اس لیے اب یہودی سمجھ گئے ہیں کہ یہ قبر والے سے نہیں مانگ رہے۔

میت کو ایصال ثواب کا انکار باطل مذہب ہے

اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِاَبَوَیْكَ مَعَ صَلَاتِكَ وَتَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ ○

(مسلم شریف جلد اول باب بیان الاسناد من الدین)

بیشک نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ والدین کے لیے بھی نماز (نوافل) پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لیے (نفل) روزے بھی رکھو (ان کا ثواب پہنچاؤ)

اس دلیل کا ضعف اس طرح بھی ثابت ہے کہ جہاں یہودی نہ ہوں وہاں دعا کر لینا چاہیے. کیونکہ یہودی کوئی ہے ہی نہیں اس لیے نہ یہودی کوئی دعا کرنے والے کو دیکھے اور نہ اعتراض کرے۔ پھر بھی مولانا اپنے گھر تو تعزیت کے لیے آنے والوں کو دعا سے منع کرتے ہیں. لیکن خود کسی کے گھر جا کر ہاتھ اٹھا کر دعا کر لیتے ہیں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ دعا نہیں کرتے یہ کیسا ایمان کیسا دین ہے اپنی مرضی کے مسئلے دین بنا لیے گئے۔

اس حدیث کی شرح میں نووی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔

عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ الْكَلَامِ مِنْ اَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَلْحَقُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ ثَوَابٌ فَهُوَ مَذْهَبٌ بَاطِلٌ قَطْعًا وَخَطَاءٌ بَيِّنٌ مُخَالِفٌ النُّصُوْصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاِجْمَاعِ الْاُمَّةِ فَلَا الْتِفَاتَ اِلَيْهِ ○

بعض اصحاب کلام نے کہا کہ میت کو اس کی موت کے بعد ثواب نہیں پہنچتا، یہ مذہب یقیناً باطل ہے۔ قرآن پاک، حدیث پاک اور اجماع امت کے خلاف ہے اس کی طرف بالکل توجہ نہ کی جائے۔!

اس کے بعد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

۲ے ان کی تقریر میں ایک یہ ارشاد بھی تھا یسمع قرع نعالهم کا معنی یہ ہے کہ فوت شدہ تھوڑی دیر سنتا ہے لیکن بعض جاہل اس کا معنی یہ کرتے ہیں وہ جوتوں کی چاپ (آہٹ) سنتا ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے۔ اصل میں مولانا کو یہ غلط معنی کرنے کی تکلیف اس لیے اٹھانی پڑی کہ وہ سماع موتیٰ کے قائل نہیں صحیح معنی کرنے سے ان کا مدعیٰ نہیں ثابت ہو سکتا اس لیے تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

وَذَهَبَ جَمَاعَاتٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ إِلَى أَنَّهُ يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ جَمِيعِ الْعِبَادَاتِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْقِرَاءَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ ۝

علماء کی کثیر جماعتوں کا موقف یہ ہے کہ میت کو تمام عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔ خواہ نماز ہو، روزہ ہو یا تلاوت قرآن پاک یا ان کے بغیر کوئی اور عبادت ہو۔ گویا کل دو مذہب ہو گئے ایک باطل مذہب کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا اور دوسرا علماء حق کا مذہب کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

حدیث پاک اس طرح ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهٖ ۝

وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ۝

(مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے احباب (دفن کرنے کے بعد) اس سے واپس لوٹتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

میت کے لیے دعا دفن سے پہلے

عن ام سلمة قالت دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى أَبِي سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ فَأَغْمَضَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ ۝

(مسلم شریف جلد اول کتاب الجنائز)

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایا۔

وَقَالَ ابْنُ الْمَلَكِ أَيْ صَوْتَ دَقِّهَا وَفِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى حَيَاةِ الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ لِأَنَّ الْإِحْسَاسَ بِدُوْنِ الْحَيَاةِ مُمْتَنِعٌ عَادَةً ۝

ابن ملک نے کہا یعنی وہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اور یہ حدیث میت کے قبر میں زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ بغیر زندگی کے احساس یعنی آواز سننا عادۃً منع ہے۔

ام سلمۃ کہتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ کے پاس آئے
جب کہ ان کی نظر ایک جگہ کھڑی ہو گئی آپ نے ان کی آنکھوں کو
بند کیا پھر فرمایا کہ جب روح قبض ہو جاتا ہے نظر اس کے پیچھے جاتی
ہے (یعنی دیکھتی ہے کہ روح کہاں جا رہا ہے) ان کے اہل وعیال
نے ان پر رونا چلانا شروع کیا آپ نے فرمایا اپنے اور اپنے بھائیوں
کے لیے صرف بھلائی کی ہی دعا کیا کرو اس لیے کہ جو تم کہتے ہو فرشتے
اس پر آمین کہتے ہیں۔

پھر آپ نے دعا فرمائی کہا اے اللہ ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور ان کے
درجات ہدایت والے صالحین میں بلند فرما اور ان کے پسماندگان میں ان کا
جانشین بنا اے اللہ ہماری بھی مغفرت اور ان کی بھی اور ان کی قبر کو
کشادہ اور منور فرما۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
نے اشعۃ اللمعات میں اس طرح وضاحت فرمائی:

ان العبد اذ وضع فی قبرہ بدرستی کہ بندہ چوں نہادہ شود در گورش
وتولی عنہ اصحابہ وروے بگرداند ازوی یاران وی انہ لیسمع قرع
نعالہم بدرستی کہ وی بہ تحقیق میشنود کوفتن نعال اصحاب را یعنی آواز
پاہای ایشاں را کہ بر زمین

وَفِيهِ اسْتِحْبَابُ الدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلِأَهْلِهِ وَذُرِّيَّتِهِ
بِأُمُورِ الْآخِرَةِ وَالدُّنْيَا (ووی) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ میت کے لیے اس
کی موت کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اور اسکے اہل وعیال کے امور دنیا اور آخرت کیلئے بھی دعا کرنا مستحب ہے

یعنی بات یہ ہے بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور
اس کے احباب اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یقیناً تحقیق شدہ بات ہے
کہ وہ اپنے احباب کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

یعنی ان کے پاؤں کے زمین پر لگنے کی آواز سنتا ہے۔
مولانا کی تقریر کے مطابق جو شخص یہ معنی کرے فوت شدہ بندہ
جوتوں کی آہٹ سنتا ہے وہ جاہل ہے۔

اس طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، ابن الملک اور شیخ عبدالحق محدث
دہلوی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ جاہل ہوئے۔ شاید ان کی کتب کو سمجھنے
کی اہلیت بھی علم کے دعویدار میں نہ ہو۔ علماء ومشائخ کو جاہل کہہ کے
اپنی زبان سے ہی گویا اپنی جہالت کا اعلان کر دیا۔ جس پر مولانا کے
اپنے حواری بھی شاہد ہیں۔!

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ میت کے لیے اس کی موت کے
وقت دعا کرنا مستحب ہے اور اس کے اہل وعیال کے امور دنیا اور
آخرت کے لیے بھی دعا کرنا مستحب ہے۔

میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

(۱) مسلم شریف جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ ایک طویل حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔

حَتّٰی جَاءَ الْبَقِیْعَ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ انْحَرَفَ ○

یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (قبرستان کا نام) میں تشریف لے آئے، وہاں کھڑے ہوئے لمبا قیام فرمایا پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہ عمل آپ نے تین مرتبہ کیا (یعنی آپ نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی) پھر واپس لوٹ آئے۔

اس حدیث پاک سے صراحۃً واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جو فوت ہو چکے تھے شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اس حدیث میں تو صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے دعا کرنے کا نہیں لہذا ممکن ہے کہ آپ نے ہاتھ کسی اور مقصد کے لیے اٹھائے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث پاک کے آخر میں یہ مذکور ہے۔

فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَاْمُرُكَ اَنْ تَاْتِیَ اَهْلَ الْبَقِیْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ ○

جبرائیل نے کہا بیشک تمہارا رب تمہیں حکم دیتا ہے تم البقیع میں دفن شدہ حضرات کے پاس آکر ان کے لیے دعا مغفرت کرو۔ پتہ چلا کہ ہاتھ اٹھانے دعا کی غرض سے ہی تھے۔ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

(۲) مالک عن یحیٰی بن سعید ان سعید بن المسیب کان یقول اِنَّ الرَّجُلَ لَیُرْفَعُ بِدُعَاءِ وَلَدِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ وَقَالَ بِیَدِهٖ نَحْوَ السَّمَاءِ فَرَفَعَهُمَا ○

(موطا امام مالک کتاب القرآن باب العمل فی الدعاء)

امام مالک یحیٰی بن سعید سے روایت کرتے ہیں بیشک سعید بن مسیب فرماتے تھے بیشک پیچھے رہ جانے والی اولاد کی دعا سے انسان کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں۔ توضیح کلام الباجی ان قوله وقال بیدیه الی آخره یَحْتَمِلُ وَجْهَیْنِ الْاَوَّلُ اَنْ یَّكُوْنَ بَیَانًا لِقَوْلِهٖ یَدْعُوْا وَیُؤَیِّدُهٗ رِوَایَةُ ابْنِ عُیَیْنَةَ بِلَفْظِ یَرْفَعُهُمَا یَدْعُوْ یَعْنِیْ اِذَا رَفَعَ اَحَدُ یَدَیْهِ نَحْوَ السَّمَاءِ لِلدُّعَاءِ وَصُوْرَتُهٗ اَنَّ ابْنَ الْمُسَیَّبِ بِیَدَیْهِ فَیَرْفَعُ لِاَجْلِهٖ دَرَجَاتُ الْوَالِدِ ○

شارح حدیث باجی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کی وضاحت اس طرح
ہے کہ حدیث شریف میں یدعولہ سے لے کر آخر تک جو الفاظ
ہیں اس کا مقصد بیان کرنے میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے
یہ یدعوا کا بیان ہو مطلب یہ ہو کہ اولاد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے
اس معنی کی ابن علیلی کی روایت تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہی
طرح ہے جس کا معنی یہ ہے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے یعنی
اولاد جب اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرے۔ اس
صورت کو ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر بیان
فرمایا کہ انسان کے درجات اس وقت بلند ہوتے ہیں جب اس کی اولاد
اس طرح اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے۔

اس حدیث پاک میں اولاد کا ذکر بھی اتفاقی ہے ورنہ تمام زندہ
رہنے والوں کی دعا مراد ہے جیسے اس کی شرح میں یہ تحریر فرمایا گیا ہے
یدعو لہ ولدہ ای بسبب دعاءِ اولادہٖ و من تبعہٗ من بعدہٖ
ای بعد موتہٖ ۵

یعنی اس کی اولاد کی دعا ہو یا جو بھی اس کے مرنے کے بعد پیچھے رہنے
والے ہیں وہ دعا کریں۔

روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ مرنے والے کے بعد جو لوگ بھی اس
کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں اس کے مدارج بلند ہوتے ہیں اس میں
کوئی ذکر نہیں کہ فلاں وقت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کریں اور فلاں وقت

ہی ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات
سے ضابطہ سمجھ آگیا کہ دعا جب بھی کی جائے ہاتھ اٹھا کر کی
جائے، خلوص دل سے کی جائے وہ مقبول ہوتی ہے۔ مردہ کے حق
میں جو دعا ہاتھ اٹھا کر کی جائے وہ اس فوت شدہ آدمی کے مدارج
بلند کرتی ہے۔ اب اگر کسی کے ذہن میں ہو کہ ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں
کرنی! اس لیے کہ مردہ کے کہیں مدارج بلند نہ ہو جائیں تو اس کی مرضی
کی بات ہے اسے کون مجبور کر سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرنے
والے کے اپنے اعمال ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پیچھے رہنے
والے دعا کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ جن لوگوں نے زندگی میں اچھے
اعمال کیے ہیں آج بھی ان کی قبروں پر دن رات قرآن پڑھا جا رہا
ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
کے مزار کو دیکھو قرآن پاک پڑھنے والوں کا ہجوم نظر آئے گا۔
جو شخص خود اپنی زندگی میں لوگوں کو یہ سبق دیتا رہا کہ فوت شدہ آدمی
کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شریعت کے خلاف ہے وہ اپنی موت
کے بعد بھی دعا سے محروم ہی رہے گا۔
لطف کی بات یہ ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے تعزیت کے لیے جائے تو
ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شریعت میں منع ہے اور کبھی کہا جاتا ہے سنت کے

خلاف ہے لیکن جب ان کو یہ کہا جائے کہ آپ کو کئی مرتبہ دیکھا
کہ آپ دوسروں کے گھر جاکر تعزیت کیلئے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا
کرتے ہیں تو جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی کبھی دعا کر لیتا
کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ دعا نہیں کرتا لیکن ہمیشہ دعا اس لیئے نہیں
کرتا کہ مستحب پر ہمیشہ عمل کیا جائے تو فرض ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تعزیت کے
لیے جاکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے۔ سبحان اللہ ایک ہی
ایک ہی وقت میں کبھی حرام کبھی شریعت کے خلاف کبھی سنت
اور کبھی مستحب ایسی عجیب منطق جو کسی صاحب عقل کو نہ سمجھ آ
پھر یہ کہنا کہ اس لیے دعا کر لیتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ دعا
کرتا یہ کون سی شریعت ہے اگر حرام ہے تو ہمیشہ حرام رہے
حلال ہو جائے کبھی حرام ہو جائے۔ دل چاہے تو دعا کرلے نہ
تو نہ کرے یہ انصاف سے بعید ہے۔

مستحب پر ہمیشہ عمل کرنے سے بھی مستحب ہی رہتا ہے

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مستحب پر ہمیشہ عمل کیا جائے تو وہ فرض ہو جاتا ہے یعنی فرض سمجھ آنے لگتا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ مستحب پر صحابہ کرام اور صالحین کا باقاعدگی سے عمل رہا ہے لیکن کسی نے منع نہیں کیا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر مثالیں دینی اور واقعات پیش کرنے شروع کئے جائیں تو ضخیم کتاب معرض وجود میں آسکتی ہے لیکن ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال عند صلاۃ الغداۃ یا بلال حدثنی بارجٰی عمل عملتہٗ عندک فی الاسلام منفعۃً فانی سمعت اللیلۃ خشف نعلیک بین یدی فی الجنۃ قال قال بلال ما عملت عملاً فی الاسلام ارجٰی عندی منفعۃً من انی لا اتطہر طہوراً تاماً فی ساعۃ من لیل ولا نہار الا صلیت بذالک الطہور ما کتب اللہ لی ان اصلی ○ (مسلم شریف جلد ثانی کتاب الفضائل باب فضائل بلال)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال مجھے بتاؤ وہ کون سا عمل ہے جس کو تم نے اسلام میں منفعت کی امید پر کیا ہے بے شک میں نے رات کو اپنے سامنے

جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز کو سنا۔ راوی کہتے ہیں حضرت بلالؓ
نے عرض کیا میں نے اسلام میں منفعت کے پیش نظر اور کوئی عمل تو
نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں جب بھی رات یا دن کو وضو کرتا ہوں
اس کے بعد نوافل ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ قدرت عطا
فرمائی کہ میں نوافل ادا کروں۔

(دوسرا معنی اس کا یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ نماز (نوافل) ادا
کرنا فرض تو نہیں کیا لیکن میں پھر بھی ادا کرتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے
مستحب عمل پر ہمیشگی اختیار کی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس
فعل کو منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی تعریف کی اور جنت میں داخل ہونے
کا ذریعہ قرار دیا۔ واضح ہوا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ مستحب پر ہمیشہ عمل
کرنا منع ہے کیونکہ وہ فرض بن جاتا ہے۔ یہ قول حقیقت میں مستحب
کی تعریف سے بے خبری کی علامت ہے اس لیے کہ مستحب کی تعریف
ہی یہ ہے کہ ایسا کام ہو جس کے کرنے پر ثواب ہو اور اس پر عمل نہ
کرنے پر گناہ نہ ہو۔

وہ کیسا مستحب ہے جس پر عمل کرنے سے گناہ ہو جائے یہ ناممکن
ہے بلکہ یہ سوچ اور تصور باطل ہے کہ مستحب پر ہمیشہ عمل نہ کیا جائے نیکی
کا کام زیادہ سے زیادہ کیا جائے نیکی کے کام سے منع کرنا عقل و دانش کا
کام نہیں کیا کوئی صاحب علم بھی ایسا کر سکتا ہے؟

جنازہ کے بعد دعا کا واضح ثبوت

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ ○

(مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لیے خلوص سے
دعا کرو۔

یہ حدیث صحیح ہے اس حدیث پاک کی صحت میں کوئی شک
نہیں اس لیے کہ مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے فرمایا:۔

قال ابن حجر و صححہ ابن حبان۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے متعلق ابن حبان
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پاک کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ایک ضابطہ جو اصول فقہ والے حضرات نے بیان فرمایا مدنظر رہے۔

مَتٰی اَمْکَنَ الْعَمَلُ بِھَا سَقَطَ الْمَجَازُ ھٰذَا اَصْلٌ کَبِیْرٌ لَنَا یَتَفَرَّعُ عَلَیْہِ کَثِیْرٌ مِّنَ الْاَحْکَامِ اَیْ مَادَامَ اَمْکَنَ الْعَمَلُ بِالْمَعْنَی الْحَقِیْقِیِّ سَقَطَ الْمَعْنَی الْمَجَازِیُّ لِاَنَّہٗ مُسْتَعَارٌ وَالْمُسْتَعَارُ لَا یُزَاحِمُ الْاَصْلَ ۝

(نور الانوار مبحث الحقیقۃ والمجاز)

جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جائے گا (متن کی اس عبارت کو شارح نے اس طرح بیان فرمایا) یہ ہمارے نزدیک بہت بڑا قانون ہے جس پر بہت احکام متفرع ہوتے ہیں یعنی جب تک معنی حقیقی پر عمل ممکن ہو معنی مجازی ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ معنی مجازی تو عاریۃً (مانگ کر) لیا جاتا ہے جو چیز عاریۃً لی جائے وہ اصل سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

دوسرا ضابطہ

وَالْفَاءُ لِلْوَصْلِ وَالتَّعْقِیْبِ اَیْ یَکُوْنُ الْمَعْطُوْفُ مَوْصُوْلًا بِالْمَعْطُوْفِ عَلَیْہِ مُتَعَقِّبًا بِلَا مُھْلَۃٍ ۝

(نور الانوار مبحث حروف العطف)

جس جگہ لفظ فاء استعمال ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے بعد متصل بلا مہلت پایا گیا ہے۔ یعنی فاء کے بعد آنے والا فاء کے پہلے آنے والے کے بعد ہی واقع میں بھی پایا جائے لیکن متصل دونوں

امروں کے درمیان وقفہ، مہلت نہ پائی جائے بلکہ ایک ساتھ ہی آگے پیچھے پائے جائیں۔ جس طرح کہا جائے جاءنی زید فبکر۔ میرے پاس زید آیا اس کے بعد متصل ہی بغیر کسی تاخیر کے بکر بھی آ گیا۔

(یہ فاء کا حقیقی معنی ہے)

اب ان دونوں ضابطوں کو بیک وقت ذہن میں رکھتے ہوئے حدیث پاک کی طرف نظر کی جائے تو مقصد کو سمجھنا مشکل نہیں رہے گا کیونکہ حدیث پاک کا معنی یہ ہو گا۔

جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو اس کے بعد متصل بغیر کسی دیر کے اس کے لیے خلوص سے دعا کرو۔ کیونکہ اگر حدیث پاک سے مراد وہ دعا ہوتی جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے یعنی اسلام سے پہلے اللھم اغفر لحینا الخ تو پھر حدیث پاک کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیے تھے۔

اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا فیھا الدعاء اور اگر وہ دعا مراد ہوتی جو بعد از دفن قبر پر کی جاتی ہے یعنی جس دعا کے منکرین بھی قائل ہیں تو پھر الفاظ اس طرح ہونے چاہیئے تھے۔

اذا صلیتم علی المیت ثم اخلصوا لہ الدعاء

لفظ فاء کا ذکر فرمانا یہ واضح دلیل ہے کہ فاء کا اپنا حقیقی معنی لینے میں کوئی مشکل درپیش نہیں اس لیے اس کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینا درست نہیں اور فاء کا جب حقیقی معنی لیا جائے تو حدیث پاک

کا وہی مطلب ہو گا جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اعتراض وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ ○

قرآن پاک کی اس آیۃ مقدسہ میں پہلے نماز میں قیام کا ذکر پھر لفظ فا کے بعد چہرے وغیرہ کا دھونا یعنی وضو کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ معنی کرنا یہاں درست نہیں کہ جب تم نماز میں کھڑے ہو چکو تو اس کے بعد ساتھ ہی متصل وضو کرنا۔ لہذا معلوم ہوا جس طرح یہاں فا تعقیب مع الوصل کے لیے استعمال نہیں اسی طرح حدیث پاک میں بھی فا اس معنی میں استعمال نہیں۔

پہلا جواب اگر یہ ثابت کیا جائے کہ آیت کریمہ میں فا کا معنی تعقیب مع الوصل والا درست نہیں لہذا حدیث پاک میں بھی درست نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ جس طرح وضو پہلے ہوتا ہے۔ اور نماز کے لیے قیام بعد میں ہوتا ہے اسی طرح میت کے لیے دعا پہلے ہو اور نماز بعد میں ادا ہو حالانکہ حدیث پاک کا یہ مطلب معترضین بھی نہیں لیتے۔

دوسرا جواب شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حقیقت پر عمل ممکن ہو اس وقت مجاز پر عمل نہیں ہو سکتا لیکن اگر حقیقت پر عمل ممکن نہ ہو تو یقیناً مجاز پر عمل کرنا ہو گا۔
چونکہ مذکورہ آیت میں حقیقت پر عمل اس لیے ممکن نہیں کہ نماز کے لیے

وضو کرنا شرط ہے۔ شرط کا مشروط سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔
اس لیے وضو کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے۔
یہاں مجاز بالحذف استعمال ہے یعنی معنی آیت کریمہ کا اس طرح کیا جائے گا۔
وَاِذَا اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ
جب تم نماز کا ارادہ کرو تو چہرے کو دھوؤ۔

صحابہ کرام کا نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا

بدائع صنائع جلد اول۔ فصل فی صلوۃ الجنازۃ۔ میں مذکور ہے۔
(۱) روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فلما فرغ جاء عمر و معہ قوم فاراد ان یصلی ثانیا فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علی جنازۃ لا تعاد ولکن ادع للمیت و استغفر لہ وھذا نص فی الباب ○
روایت کیا گیا ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ ادا کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیگر صحابہ کرام کی معیت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ نماز جنازہ دوبارہ ادا کر لیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز جنازہ کو دوبارہ نہیں لوٹایا جا سکتا البتہ تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو۔ اس کے بعد

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث پاک اس مسئلہ (دعا بعد از نماز جنازہ) میں نص ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے، استغفار کرنے کا خود حکم فرمایا۔ اگر نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہوتا تو معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے حکم فرماتے جب کہ آپ ناجائز کاموں سے روکنے کے لیے تشریف لائے۔

۲۔ رُوِیَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فَاتَتْهُمَا صَلٰوةٌ عَلٰی جَنَازَةٍ فَلَمَّا حَضَرَ مَا زَادَا عَلَی الْاِسْتِغْفَارِ لَهٗ ○

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ سے رہ گئے جب وہ نماز جنازہ کے ادا ہونے کے فوراً بعد حاضر ہوئے تو اس میت کے لیے استغفار کرنے سے اور کوئی زیادتی نہیں فرمائی۔ یعنی نماز جنازہ کو دوبارہ نہیں لوٹایا لیکن دعاء استغفار کی۔ یہ دعا بھی نماز جنازہ کے متصل فوراً بعد کی گئی کیونکہ یہاں بھی لفظ "فا" ذکر ہے جو چاہتی ہے کہ یہ استغفار کرنا یعنی دعاء مغفرت کرنا ساتھ ہی متصل تھا۔

۳۔ رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَنَّهٗ فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ عَلٰی جَنَازَةِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَهٗ ○

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا نہ کر سکے یعنی آپ سے نماز فوت ہو گئی نماز جنازہ کے ادا ہونے کے فوراً بعد آپ حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر تم نے نماز جنازہ ادا کرنے میں مجھ سے سبقت کر لی ہے تو مجھ سے دعا کرنے میں سبقت نہ کرو۔

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نماز جنازہ کے بعد دعاء کرتے تھے اسی لیے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے نماز جنازہ تو ادا کر لی لیکن مجھے دعا میں شریک ہونے دو دعاء مجھ سے پہلے نہ کر لینا۔ اگر دعا جائز نہ ہوتی تو آپ کو یہ کہنے کی ضرورت در پیش نہ آتی۔ یہ دعاء بھی نماز جنازہ کے فوراً بعد تھی۔ یہاں بھی لفظ "فا" کا ذکر جو تاخیر کو نہیں چاہتی یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ دعاء دفن کے بعد ہو گی اس لیے کہ اگر یہ دعا دفن کے بعد ہوتی تو لفظ "فا" کے جگہ لفظ "ثُمَّ" ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں "فا" سے صرف یہ سمجھ آئے گا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام جنازہ کے بعد جلدی حاضر ہو گئے۔ جنازہ کے بعد متصل جلدی دعا کرنا کہاں سے ثابت ہوا اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ نے کہا دعا میں جلدی نہ کرو بلکہ مجھے دعا میں شریک ہونے دو اگر یہ دعا دفن کے بعد ہونی تھی تو آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی اس لیے کہ معترض خود تسلیم کرتا ہے کہ آپ جلدی حاضر ہوئے اس میں کوئی تاخیر و مہلت نہیں تھی۔ دفن میں تو خاص وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر دعاء دفن کے بعد ہونی تھی تو آپ کو یہ کہنے کے بغیر ہی دعا میں شرکت حاصل ہو جاتی۔

اس طرح اس کلام کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو آپ نے فرمائی اگر تم نے نماز میں مجھ سے سبقت حاصل کر لی تو دعا میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔

دعا میں ممانعت ثابت کرنا غلط ہے

اکثر طور پر درمختار کی اس عبارت سے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے کہ دعا جنازہ کے بعد ناجائز ہے۔ درمختار میں اس طرح ذکر کیا گیا ویسلم بلا دعا بعد الرابعۃ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعا کے دونوں طرف سلام کہے یہاں جس دعا کو منع کیا گیا ہے وہ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان مراد ہے اس سے یہ مراد لینا کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد منع ہے یہ غلط ہے۔

حالانکہ یہاں بھی مطلقاً دعا کرنا منع نہیں بلکہ شامی نے اس پر جواز کے اقوال نقل کیے ہیں۔ بلا دعا ہو ظاہر المذہب وقیل یقول اللھم آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ وقیل ربنا لاتزغ قلوبنا الخ وقیل یخیر بین السکوت والدعاء (بحر)

چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے دعا نہ کرنا یہ ظاہر مذہب ہے۔ بعض نے کہا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ یہ مکمل دعا پڑھ لے بعض نے کہا ربنا لاتزغ قلوبنا یہ دعا مکمل پڑھ لے بعض نے کہا چاہے تو دعا پڑھ لے

چاہے تو خاموش رہے پھر سلام کہے یہ بے ہودہ اعتراض بھی رد ہو جائے گا کہ جنازہ میں دعا ہو چکی ہے بعد میں دعا کرنے کا کیا فائدہ۔ بلکہ جنازہ میں دعا کے بعد سلام سے پہلے پھر دعا کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ شائد معترضین کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ نماز میں فاتحہ میں دعا اور پھر درود پاک کے بعد آخری قعدہ میں دعا کی جاتی ہے لیکن پھر نماز کے بعد بھی دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح تو یہ کہنا چاہیئے کہ نماز میں دعا ہو چکی ہے۔ لہذا پھر دعا نماز کے بعد کرنے کا کیا فائدہ۔ مطلب یہ ہو گا کہ خدا سے ایک مرتبہ مانگو بار بار نہ مانگو خدا سے استغفار یہ بندہ خدا کو زیب نہیں دیتا بلکہ خدا سے استغفار خدا سے دور ہونے کا سبب ہے۔ نماز میں دعا لیکن پھر نماز کے بعد دعا زیادہ مقبولیت کا سبب ہے۔

فرائض کے بعد دعا کی قبولیت

مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ ○

(رواہ الترمذی)

حضرت ابو امامۃ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یارسول اللہ کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا جو دعا رات کے آخری حصہ میں کی جائے اور فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔

اب یہاں سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اگرچہ نمازوں کے اندر بھی دو تین مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے نماز کے اندر دعا ہو جانے کے باوجود نماز کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اس لیے کہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے فقط فرض نمازوں کا ذکر فرمایا جس میں فرض عین یا فرض کفایہ کا کوئی فرق نہیں فرمایا۔ اپنی طرف سے فرض کفایہ کی نفی کرنا اور فرض عین کی قید لگانا حدیث پاک پر زیادتی ہے۔ حدیث پاک پر اپنی طرف سے زیادتی ناجائز ہے۔

مکروہ تنزیہی بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتا

صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ کام ناجائز ہے بلکہ اس کے ناجائز ہونے پر دلیل قائم کرنی پڑے گی اس لیے کہ جب مکروہ بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتا تو بغیر دلیل کے حرام ثابت کیسے ہو سکتا ہے۔

درمختار باب العیدین میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔ ——

وَیُنْدَبُ تَاخِیْرُ اَکْلِہٖ عَنْہَا وَاِنْ لَمْ یُضَحِّ فِی الْاَصَحِّ وَلَوْ اَکَلَ لَمْ یُکْرَہْ اَیْ تَحْرِیْمًا ○

عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مستحب ہے اگرچہ اس نے قربانی نہیں کرنی۔ صحیح مذہب یہ ہی ہے۔ اگر اس نے نماز سے قبل کھا بھی لیا تو مکروہ نہیں یعنی مکروہ تحریمی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام نہیں کیا اس کو ناجائز کہنا غلط ہے

جنازہ کے بعد دعا کرنا واضح طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل ذکر کیا جا چکا ہے۔ ناجائز کہنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اس طرح کا واضح بیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ممانعت کا ذکر کریں۔ یہ کہنا دشوار بلکہ محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جنازہ کے بعد دعا نہیں کی۔ اگر بالفرض یہ ثابت ہو بھی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا نہیں کی پھر بھی ان کا مدعا نہیں ثابت ہو سکتا ورنہ دن میں تین مرتبہ سیر ہو کر کھانا، ہر روز سیر ہو کر کھانا طرح طرح کے کھانے کھانا حرام ہو جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا

1 مسلم شریف جلد ثانی کتاب الزہد میں مذکور ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ بُرٍّ حَتّٰی مَضٰی بِسَبِیْلِهٖ ٥

اس پر علامہ شامی نے یہ بیان فرمایا:۔

قال فی البحر وَهُوَ مُسْتَحَبٌّ لَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوْتُ الْكَرَاهَةِ اِذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْ دَلِيْلٍ خَاصٍّ ٥

عید سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے اگر کوئی کھا ہی لے یعنی مستحب کو چھوڑ دے تو کراہیت ثابت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ترک مستحب سے کراہیت لازم نہیں آتی بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔

درمختار میں تحریمی کی نفی کی گئی تھی جس سے ضمناً تنزیہی کا ثبوت ہوتا تھا۔

لیکن شامی نے اسے رد فرمایا ہے۔

قوله ای تحریما تَبِعَ فِيْهِ صَاحِبَ نَهْرٍ اَشَارَ بِهٖ اِلٰی ثُبُوْتِ كَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ وَفِيْهِ نَظَرٌ لِمَا عَلِمْتَ مِنْ كَلَامِ الْبَحْرِ ٥

مصنف نے تحریمی کی نفی کی اس مسئلہ میں مصنف نے صاحب نہر کی اتباع کی ہے اور مکروہ تنزیہی کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ درست نہیں اس لیے کہ بحر کے حوالہ سے ہم نے واضح کر دیا ہے کہ کراہۃ تنزیہی کو ثابت کرنے کے لیے بھی خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ بغیر دلیل کے مکروہ تنزیہی ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن لگاتار گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

مسلم شریف کے اسی باب میں ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے

۲۔ عن عائشۃ قالت ما شبع اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے دو دن لگاتار جَو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لقد مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما شبع من خبز و زیت فی یوم واحد مرتین ۝

(مسلم شریف جلد ثانی کتاب الزہد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر روٹی اور زیتون نہیں کھائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا

عن عائشۃ قالت ان کنا اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لنمکث شھرا ما نستوقد بنار ان ھو الا التمر والماء ۝

(مسلم شریف جلد ثانی کتاب الزہد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم آل محمد ایک ایک ماہ اسی طرح گزارہ کرتے تھے کہ ہم آگ نہیں جلاتے تھے فقط کھجور اور پانی پر ہماری گزر اوقات ہوتی۔

ہر بات پر یہ دلائل قائم کرنے والے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا لہٰذا یہ حرام ہے۔ بدعت ہے ناجائز ہے۔ کیا وہ اپنی اس دلیل پر قائم رہتے ہوئے دن میں تین مرتبہ طرح طرح کے کھانے سیر ہو کر کھا کر ڈکار مارنا جائز ثابت کریں گے۔

انشاء اللہ اپنی اس دلیل پر قائم رہتے ہوئے کبھی جواز ثابت نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دن میں تین مرتبہ سیر ہو کر کھانے کی وجہ سے حرام، بدعت، ناجائز کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تو یہ دلیل ہی غلط ہے بلکہ وہ بھی خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے اس لیے بفضلہ تعالیٰ ہم حرام سے محفوظ ہیں۔ لیکن توحید کے علمبردار اپنے اس ضابطہ کے مطابق ہزاروں حرمات و بدعات کے

مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

یہ بحث ضمناً ایک مضمون کی تکمیل کے لیے ذکر کی گئی ورنہ اصل بحث صحابہ کرام کی شان قرآن پاک کی روشنی میں ذکر کی جا رہی تھی۔ اب شان صحابہ کرام حدیث پاک کی روشنی میں مختصر طور پر ذکر کی جاتی ہے۔

شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث پاک کی روشنی میں

عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَبِّيْ عَنْ اِخْتِلَافِ أَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَأَوْحٰى إِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا أَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ اخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ ○

(رواہ رزین مشکوٰۃ شریف باب مناقب الصحابہ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمانے لگے میں نے اپنے رب سے اپنی موت کے بعد صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا۔ میری طرف وحی کی گئی۔ اے محمد بیشک آپکے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں۔

بعض، بعض سے قوی ہیں اور ہر ایک کو نورانیت حاصل ہے۔ ان کے اختلافات میں سے کسی نے کوئی چیز حاصل کر لی اور میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدار کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال فروعِ شرائع میں اختلاف کی حکمت کے متعلق تھا۔ آسمان میں ستاروں کی طرح ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہدایت دیں گے۔ غلط راہ کو باطل کریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ

(ستاروں سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں)

بعض کا بعض سے قوی ہونا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انوار سے مراتب میں بعض صحابہ کرام کو بعض سے فوقیت حاصل ہے۔

ہر ایک کو نور حاصل ہے یعنی تمام صحابہ کرام کو بقدر استعداد نور حاصل ہے۔

ان کے اختلاف کے باوجود کوئی شخص کسی صحابی کے مسلک پر چلے وہ ہدایت پر ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ امت کا اختلاف فروعِ دین میں رحمت ہے۔ اصولِ دین میں اختلاف گمراہی کا سبب ہے۔

سب کا ہدایت پر ہونا یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا اختلاف فروعِ دین میں تھا اصولِ دین میں نہیں تھا۔

إِنَّ مُرَادَهُ صلى الله عليه وسلم الِاخْتِلَافُ الَّذِي فِي الدِّينِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَافٍ لِلْغَرَضِ الدُّنْيَوِيِّ ○ (مرقاۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو دین میں از روئے تحقیق کے ہو۔ دنیاوی غرض حائل نہ ہو۔

اعتراض صحابہ کرام کا خلافت و امارۃ میں اختلاف تھا یہ اختلاف دنیاوی غرض کی وجہ سے تھا نہ کہ دینی غرض یا تحقیق کی وجہ سے۔ پھر وہ اختلاف کسی طرح رشد و ہدایت ہو سکتا ہے۔

جواب اس کا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں اس طرح دیا ہے۔

اَلظَّاهِرُ أَنَّ اخْتِلَافَ الْخِلَافَةِ أَيْضًا مِنْ بَابِ اخْتِلَافِ فُرُوعِ الدِّينِ النَّاشِئِ عَنْ اجْتِهَادِ كُلٍّ لَا مِنَ الْغَرَضِ الدُّنْيَوِيِّ الصَّادِرِ عَنِ الْحَظِّ النَّفْسِيِّ ○

یہ ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام کا اختلاف خلافت کے معاملہ میں بھی فروعِ دین میں ہی اختلاف تھا جو ہر ایک کے اجتہاد کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس میں خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے کوئی دنیاوی غرض حائل نہیں تھی۔

فائدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں چہ میگوئیاں کرنے والے اندازہ کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں جس طرح فرمایا آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اسی طرح صحابہ کرام میں فقہی اختلاف ہوا۔ احادیث سے استنباط، اجتہاد، تخریج میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوا لیکن وہ سراپا رحمت تھا۔

تنبیہ اس حدیث پاک میں اگرچہ کلام کی گئی ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما نے ایک اور مسلم شریف کی حدیث کی تائید سے اسے صحیح قرار دیا۔

صحابہ کرام اور اہلبیت، دونوں کی اتباع ضروری

عن ابی ذر انّہٗ قال وھو آخذ بباب الکعبۃ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انّ مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلّف عنھا ھلک ○

(رواہ احمد مشکوٰۃ شریف مناقب اہل بیت)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک آپ نے کعبہ مکرمہ کے دروازہ کو پکڑ کر فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، خبردار بے شک تم میں میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات حاصل کر گیا اور جو اس میں سوار ہونے سے پیچھے رہا وہ ہلاک ہو گیا۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صغانی نے کشف الحجاب میں کیا خوب فرمایا کہ دنیا اور اس میں کفر، گمراہیاں، بدعات، جہالتیں اور غلط قسم کی خواہشات کو بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمت بعضھا فوق بعض۔ (یا جیسے اندھیرے کسی گہرے دریا میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک) سے تشبیہ دی۔

گہرے دریا کی ظلمات سے بغیر کشتی کے نکلنا ممکن نہیں اور وہ کشتی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ کتنا ہی خوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ارشادات میں رابطہ قائم فرمایا ہے صحابہ کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی اور فرمایا جس نے ان کی اقتدار کی وہ ہدایت پا جائے گا۔ اور اہل بیت کو کشتی نوح سے تشبیہ دی۔

ونعم ما قال الامام فخر الدین رازی فی تفسیرہ نحن معاشر اھل السنّۃ بحمد اللہ رکبنا سفینۃ محبّۃ اھل البیت واھتدینا بنجوم ھدی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنرجو النجاۃ من اھوال القیامۃ ودرکات الجحیم والھدایۃ الی ما یوجب درجات الجنان والنعیم المقیم ○

علامہ فخر الدین رازی نے کتنا ہی اچھا اپنی تفسیر میں بیان فرمایا۔ ہم اہل سنت بحمد اللہ محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور صحابہ کرام کی ہدایت کے ستاروں سے ہدایت حاصل کر رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہمیں قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے تمام طبقات سے نجات حاصل ہو گی اور ایسے راستے کی ہدایت حاصل ہو گی جو ہمیں جنت اور نعیم مقیم میں پہنچا دے گی۔

اس کے بعد علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو شخص خارجیوں کی محبت سے اہل بیت کی کشتی میں داخل نہ ہوا وہ ابتدائی مرحلہ میں ہی تباہ ہونے والوں کے ساتھ تباہ ہو جائے گا۔ اور رافضیوں کی طرح جو شخص محبت اہل بیت کی کشتی میں داخل ہو گیا لیکن صحابہ کرام کی ہدایت کے ستاروں سے رہنمائی حاصل نہ کی وہ بھٹک جائے گا ایسا تاریکیوں میں پھنسے گا کہ اس کا نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔

رواہ احمد عن انس مرفوعا ان مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم فی السماء یہتدی بہا فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم اوشک ان تضل الہداۃ ٥

حضرت امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا حدیث بیان فرمائی بیشک زمین میں علماء اس طرح ہیں جس طرح آسمان میں ستارے ہیں ان سے خشکی اور دریاؤں میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے جب ستارے (رات کی تاریکی میں) چھپ جائیں تو راہ پر چلنے والوں کا بھٹک جانا قریب ہو جاتا ہے۔

اور اسی کی تائید میں ایک اور حدیث ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النجوم امان لاہل السماء فاذا ذہبت النجوم ذہب اہل السماء و اہل بیتی امان لاہل الارض فاذا ذہب اہل بیتی ذہب اہل الارض ٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستارے آسمان والوں کے لیے امن کا سبب ہیں جب ستارے چلے جائیں آسمان والے چلے جائیں گے۔ اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لیے امان ہیں جب میرے اہل بیت چلے جائیں گے زمین والے چلے جائیں گے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت سے بغض خدا اور رسول کی ناراضگی کا سبب ہے

عن المسور بن مخرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبہا اغضبنی و فی روایۃ یریبنی ما ارابہا و یؤذینی ما آذاہا ٥

(متفق علیہ، مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل بیت)

حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت (جسم) کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ایک روایت میں ہے جس نے فاطمہ کو پریشان کیا اس نے مجھے پریشان کیا اور جس نے فاطمہ کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہونا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ○

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نتیجہ واضح ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ایذا دینا، آپ سے بغض وعناد رکھنا، جو اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں لعنت اور اللہ کے عذاب کا سبب ہے۔

عن عبد اللہ بن مغفل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ ○

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔ مشکوٰۃ شریف باب مناقب الصحابہ)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کے حق میں اللہ سے ڈرو پھر اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرے گا۔ اور جو شخص میرے صحابہ سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی

وجہ سے ہی ان سے بغض رکھے گا۔ جس نے ان کو ایذا دی بیشک اس نے مجھے ایذا دی۔ جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی جس نے اللہ کو ایذا دی وہ اس کا مواخذہ کرے گا یعنی اسے دین و دنیا میں عذاب دے گا۔

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا جس طرح باپ اپنے بیٹے سے شفقت سے کلام کرتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے شفقت سے کلام کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا کہ میرے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی نہ کرنا ان سے بغض نہ رکھنا ان کو گالی نہ دینا ورنہ اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت میں آجاؤ گے۔

صحابہ کرام کو گالی دینے والوں کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایمان کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

نحن لذلك قول من قال ان من سبهم فقد استوجب القتل في الدنيا ○

کتنا ہی حق ارشاد ہے جس نے یہ کہا کہ جو شخص صحابہ کرام کو گالی دے وہ دنیا میں واجب القتل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم ○

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف باب مناقب الصحابہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام کو گالی دے رہے ہوں تو تم کہو تمہارے اس شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرام معظم و مکرم ہیں۔

جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا اس کا وبال اس کی طرف لوٹ آئے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن سے تمام مسلمانوں کی لعنت کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جنتیوں کے سردار ہیں

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر سیدا کہول اہل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین

(رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن علی۔ مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام اولین اور آخرین میں سے جنت والے عقل میں کامل انسانیت لوگوں کے سردار ہوں گے۔

اگرچہ کہول کا ظاہری معنی بوڑھے۔ یعنی جنت میں بوڑھے لوگوں کے سردار ہوں گے۔ لیکن مرقاۃ میں اعتراض و جواب کی صورت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وانما قال سیدا کہول اہل الجنۃ مع ان اہل الجنۃ شباب اشارۃ الی الکمال الحال فان الکہل اکمل الانسانیۃ عقلا من الشباب وکذا درج الجنۃ علی قدر العقول کما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلی یا علی اذا تقرب الناس بانواع البر فتقرب انت بانواع العقل ○

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں جنت والے کہول (بوڑھوں) کے سردار ہوں گے حالانکہ جنت میں تو سب جوان ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اشارہ کمالِ حال کی طرف ہے اس لیے کہ بوڑھے حضرات بنسبت جوانوں کے عقل میں کامل انسانیت کے مالک ہوتے ہیں۔

جنت کے مدارج بھی عقل کے مراتب کے مطابق ہی ہوں گے جس طرح روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو فرمایا اے علی جب لوگ نیکیوں کی مختلف اقسام سے تقرب حاصل کریں تو تم عقل کے مختلف اقسام سے تقرب حاصل کرنا۔

مرقاۃ میں ایک روایت اس طرح بھی بیان کی گئی ہے

واخرجہ احمد وقال سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَشَبَابِہَا بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) انبیاء اور مرسلین کے بغیر تمام جنت کے بوڑھوں اور جوانوں کے سردار ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی اور دوسرے ارشاد گرامی (جس کو ابھی بعد میں ذکر کیا جا رہا ہے) کہ دیکھ کر اندازہ کیا جائے کہ صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار کی شان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح موافقت بیان فرمائی۔ کسی ایک سے بھی استغنار اور روگردانی جنت سے دور ہونے کا سبب ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما

جنتیوں کے سردار ہیں

وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ٥

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف مناقب اھل البیت)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین جنت والے جوانوں کے سردار ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے سردار ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوانی کی حالت میں فوت ہو کر جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ حسنین کریمین خود جوانی کی حالت میں دنیا سے رخصت نہیں ہوئے بلکہ بڑھاپے کی حالت میں دونوں حضرات شہید ہوئے۔

ہاں البتہ جوانوں کی طرح ان میں مروت پائی جائے گی۔ جس طرح عام محاورہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص بوڑھا ہو لیکن مروت واحسان اس میں پایا جائے تو کہا جاتا ہے فلانٌ فتی۔ فلاں شخص جوان ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حسنین کریمین انبیاء کرام اور خلفاء راشدین کے بغیر تمام جنت والوں کے سردار ہوں گے۔ (مرقاۃ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اشارات

اگرچہ صراحۃً کوئی نص نہیں جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کی جائے البتہ اجماعِ امت سے آپ کی خلافت ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے آپ کی خلافت پر واضح نہایت ہی روشن اشارات موجود ہیں۔

خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اہل سنت کا عقیدہ اس طرح بیان فرمایا:۔

هٰذَا دَلِيْلٌ لِأَهْلِ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ خِلَافَةَ أَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ لَيْسَتْ بِنَصٍّ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم صَرِيْحًا بَلْ أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى عَقْدِ الْخِلَافَةِ لَهٗ وَتَقْدِيْمِهٖ لِفَضْلِهٖ وَلَوْ كَانَ هُنَاكَ نَصٌّ عَلَيْهِ أَوْ عَلٰى غَيْرِهٖ لَمْ تَقَعِ الْمُنَازَعَةُ بَيْنَ الْأَنْصَارِ وَغَيْرِهِمْ أَوَّلًا وَلَذَكَرَ حَافِظُ النَّصِّ مَا مَعَهٗ وَرَجَعُوْا إِلَيْهِ وَاتَّفَقُوْا عَلَيْهِ ○

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد موجود نہیں ہے (جس میں آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرے بعد ابوبکر کو ہی خلیفہ بنانا کسی اور کو نہ بنانا) بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر اجماع ہے۔

اور اجماع صحابہ نے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے پیش نظر ان کو مقدم کیا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد ہوتا کہ خلیفہ ابوبکر کو بنانا یا کسی دوسرے کا نام لے کر آپ فرماتے کہ فلاں شخص کو میرا خلیفہ بنانا تو شروع شروع میں انصار اور دوسرے حضرات کا اختلاف نہ واقع ہوتا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہوتا اور صحابہ کرام اس کو یاد کر کے ابتدائی طور پر ہی اتفاق کر لیتے۔ صحابہ کرام کا اختلاف دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد موجود نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ارشادات ملتے ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

عن عائشۃَ قالتْ قالَ لی رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضِہٖ
اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَکْرٍ اَبَاکِ وَاَخَاکِ حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ
اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا یَاْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا
اَبَا بَکْرٍ ○

(رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف۔ مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضِ وصال میں مجھے فرمایا تم اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں کوئی تحریر لکھ دوں مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا میں حقدار ہوں حالانکہ وہ حقدار نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اور تمام مومن سوائے ابوبکر کے انکار کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک کی شرح میں شارحین نے خلافت کے متعلق تحریر مراد لی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کو بلانے کی وجہ ہی ان سے لکھانا مقصود تھا۔

قَالَ شَارِحٌ اَیْ یَاْبٰی خِلَافَۃَ کُلِّ اَحَدٍ اِلَّا خِلَافَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ (مرقاۃ)

شارح نے کہا اللہ تعالیٰ اور تمام مومن سوائے ابوبکر کے ہر ایک کی خلافت کا انکار کرتے ہیں۔

عن جبیر ابن مطعم قال اَتَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِمْرَاَۃٌ
فَکَلَّمَتْہُ فِیْ شَیْءٍ فَاَمَرَھَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْہِ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
اَرَاَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْکَ کَاَنَّھَا تُرِیْدُ الْمَوْتَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ
فَاْتِیْ اَبَا بَکْرٍ ○

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف مناقب ابی بکر)

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اس عورت نے کسی معاملہ کے متعلق کلام کی۔ آپ نے فرمایا میرے پاس پھر آنا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ فرمائیں کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں۔ گویا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد لے رہی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔

اس حدیث پاک سے یہ ظاہر ہوا کہ عورت نے جس چیز کا مطالبہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد میں آنا اگر میں موجود نہ ہوں تو ابوبکر کے پاس آنا کیونکہ وہ میرے خلیفہ ہوں گے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں،

لَیْسَ فِیْہِ نَصٌّ عَلٰی خِلَافَتِہٖ بَلْ ھُوَ اِخْبَارٌ بِالْغَیْبِ الَّذِیْ
اَعْلَمَہُ اللّٰہُ ○

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اگرچہ صراحتہً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق حکم تو نہیں لیکن البتہ آپ نے اللہ تعالیٰ

کے عطا کردہ علم کے مطابق غیبی خبر دی کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ مرقاۃ میں اسی مقام پر ایک اور حدیث پاک ابن عساکر کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر حضرت ابو بکر کی خلافت کی خبر دی۔ اگرچہ حکم نہیں فرمایا۔

عن ابن عباس قال جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسأله شیئاً فقال تعودین فقالت یا رسول اللہ ان عدت فلم اجدک تعرض بالموت قال ان جئت فلم تجدینی فأتی ابا بکر فانه الخلیفة بعدی ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ سے کسی چیز کا سوال کرنے لگی آپ نے فرمایا پھر آنا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں پھر آؤں آپ کو نہ پاؤں گویا وہ موت کی طرف اشارہ کر رہی تھی آپ نے فرمایا اگر تم آؤ مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس آجانا کیونکہ وہ میرے بعد میرے خلیفہ ہوں گے۔

مرقاۃ میں اسی مقام پر ایک اور حدیث بیان کی گئی ہے جو اسماعیلی نے اپنی معجم میں بیان کی ہے۔

عن سهل ابن ابی حثمة قال بایع اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقلائص الی اجل فقال علی للاعرابی ائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسله ان اتی علیه اجله من یقضیه قال یقضیک ابو بکر

فرجع الی علی فاخبره فقال علی ارجع فسله ان اتی علی ابی بکر اجله من یقضیه فاتی الاعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله فقال یقضیک عمر فقال علی للاعرابی سله من بعد عمر فقال یقضیک عثمان فقال علی للاعرابی ائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله ان اتی علی عثمان اجله من یقضیه فسأله فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی علی ابی بکر اجله وعلی عمر وعثمان فان استطعت ان تموت فمت ۝

سہل ابن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اونٹنی فروخت کی جس کی قیمت بعد میں ادا ہونی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کو یہ کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ عرض کرو کہ اگر آپ پر موت آجائے تو قیمت کون ادا کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال پر ارشاد فرمایا تمہیں ابو بکر قیمت ادا کریں گے۔ وہ اعرابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر جا کر پوچھو اگر ابو بکر پر موت آجائے تو کون ادا کرے گا۔ وہ اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا عمر تمہیں قیمت ادا کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ سے پوچھو کہ عمر کے بعد کون ادا کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان ادا کریں گے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھو اگر حضرت عثمان پر موت آجائے تو کون ادا کرے گا اس اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابو بکر پر موت آجائے اور عمر اور عثمان پر موت آجائے تو تمہارے لیے مر جانا بہتر ہے۔

اس حدیث پاک میں تمام خلفاء راشدین کی خلافتوں کی ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اختلافات، خلفشار، فتن کی طرف واضح اشارہ فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ غیبی علوم میں شک کرنے والے توجہ کریں کہ آپ نے کس طرح آنے والے واقعات کے متعلق غیبی خبریں دیں۔

مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر میں متفق علیہ حدیث بیان کی گئی ہے جس کا کچھ حصہ یہ ہے۔

لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِيْ بَكْرٍ ۝

مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابو بکر کے دروازہ کے اس حدیث پاک کی تشریح میں مرقاۃ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض وصال میں اپنے تمام خطبوں کے آخری خطبہ میں فرمائی۔

وَلَا خَفَاءَ بِأَنَّ ذَالِكَ تَعْرِيْضٌ بِأَنَّ اَبَا بَكْرٍ هُوَ الْمُسْتَخْلَفُ بَعْدَهٗ

اس میں کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ آپ نے اپنے بعد حضرت ابو بکر کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس کلام میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ حقیقی معنی لیا جائے اور دوسرا مجازی۔ اگر حقیقی معنی مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اس وقت جن صحابہ کرام کے گھر مسجد کے ساتھ متصل تھے انہوں نے اپنی آسانی کے لیے دروازے مسجد کی جانب رکھے ہوئے تھے جن سے وہ گزر کر مسجد میں آتے تھے اور بعض اوقات اپنی دیگر ضروریات کے لیے بھی مسجد سے گزر جاتے تھے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تکریم کے پیش نظر ان کے دروازے کو کھلا رکھنے کا حکم دیا اور اشارہ اس طرف تھا کہ جب تمام حضرات

کو یہ حق نہیں دیا بلکہ صرف ابوبکر کو یہ حق دیا تو وہ تمام سے افضل
ہیں اور خلافت کے مستحق بھی وہی ہیں۔

اور اگر دوسرا معنی مجازی لیا جائے تو خوخہ کا مطلب ہی خلافت
کا دروازہ ہوگا۔

تمام کے حق میں کلام کے دروازے بند کر دیئے جائیں صرف خلافت
کی کلام کا دروازہ حضرت ابوبکر کے لیے ہی کھلا رہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مجازی معنی لینا زیادہ
قوی ہے۔

وَاِنَّ الْمَجَازَ فِیْہِ اَقْوٰی اِذْ لَمْ یَصِحَّ عِنْدَنَا اَنَّ اَبَابَکْرٍ
کَانَ لَہٗ مَنْزِلٌ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ وَاِنَّمَا کَانَ مَنْزِلُہٗ
بِالسُّنْحِ مِنْ عَوَالِی الْمَدِیْنَۃِ ۝

مجازی معنی لینا میرے نزدیک زیادہ قوی ہے کیونکہ ہمارے
نزدیک یہ صحیح نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان
مسجد کے ساتھ متصل تھا بلکہ آپ کا مکان اطراف مدینہ میں مقام
سنح میں تھا گویا حدیث پاک کا مطلب ہی یہ ہوا کہ خلافت کی بات
صرف ابوبکر کے لیے کرنا کسی اور کے لیے نہ کرنا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل

عن محمد بن الحنفیۃ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ
النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ
قَالَ عُمَرُ وَخَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ قَالَ
مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (رواہ البخاری مشکوٰۃ مناقب ابی بکر)

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ (علی رضی اللہ عنہ)
کو کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے بہتر کون
ہے آپ نے فرمایا ابوبکرؓ میں نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا عمرؓ
مجھے خوف ہوا اب آپ عثمانؓ کا نام لیں گے میں نے کہا پھر آپ؟
آپ نے کہا میں تو مسلمانوں میں ایک عام آدمی ہوں۔

اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی تمام صحابہ کرام سے افضل
ہیں لیکن افسوس کہ محبت علی رضی اللہ عنہ کے دعویدار ابھی تک نہ سمجھ سکے
کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی مخالفت کر رہے ہیں۔

دوسرا یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے طریقہ سوال اسی
وجہ سے بدلا کہ اگر میں نے کہا پھر کون افضل ہے آپ حضرت عثمانؓ کا
نام لیں گے کیونکہ آپ بھی جانتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت میرے درجہ پر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ میں تمام مسلمانوں میں ایک عام آدمی ہوں۔ آپ کی یہ کلام عاجزانہ طور پر تھی ورنہ آپ جانتے تھے کہ بعد میں آپ کی افضلیت ہی ہے۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بلانزاع آپ کی افضلیت کا ظاہری ثبوت بھی حاصل ہو گیا۔

عن ابن عمر قال كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ ○

(رواہ البخاری مشکوٰۃ شریف مناقب ابی بکر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ پھر عمر، پھر عثمان، پھر ہم تمام اصحابہ کرام میں فضیلت کے ذکر کو چھوڑ دیتے کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاؤُدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رضي الله عنهم ○

(مشکوٰۃ شریف مناقب ابی بکر)

ابو داؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کہا کرتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ کے بعد سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔

شرح حدیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ حضرت عثمان کے بعد ہم صحابہ کرام کو فضیلت نہیں دیتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر صحابہ کرام کو ہم ان تین صحابہ کرام پر فضیلت نہیں دیتے تھے ورنہ بدری صحابہ کرام، احد میں شریک ہونے والے بیعت رضوان میں شرکا اور صاحبِ علم صحابہ کرام دوسروں سے افضل تھے۔

اعتراض

یہاں فضیلت کے مدارج بیان کرنے میں اہل بیت کا ذکر نہیں کیا، کیا وجہ ہے۔

جواب

وَلَعَلَّ هٰذَا التَّفَاضُلَ بَيْنَ الْاَصْحَابِ وَاَمَّا اَهْلُ الْبَيْتِ فَهُمْ اَخَصُّ مِنْهُمْ وَحُكْمُهُمْ يُغَايِرُهُمْ فَلَا يَرِدُ عَدَمُ ذِكْرِ عَلِيٍّ وَالْحَسَنَيْنِ وَالْعَمَّيْنِ رضي الله عنهم ○

(مرقاۃ)

یہاں فقط صحابہ کرام کی فضیلت کا ذکر ہے۔ کیونکہ اہل بیت ان سے خاص ہیں یعنی فقط صحابہ کرام جب کہا جائے تو اہل بیت بوجہ خصوصیت ان میں شامل نہیں ہوتے جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ ان کا حکم صحابہ کرام کے حکم کے مغایر ہوتا ہے۔

اس لیے یہاں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی، حضرت امام حسن حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے

عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ ۞

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف مناقب ابی بکر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم غار میں میرے صاحب تھے اور حوض پر بھی تم میرے صاحب ہو گے۔

اس حدیث پاک میں جس غار کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد غار ثور ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی مصاحبت حاصل تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۞ جب وہ دونوں غار میں تھے دونوں میں سے ایک اپنے صاحب کو کہنے لگے غم نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خصوصی مصاحبت، صحابیت حاصل ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے۔

اَنْتَ صَاحِبِیْ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ اِذْ اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ بِصَاحِبِهٖ فِی الْآیَةِ هُوَ اَبُوْ بَکْرٍ وَلِذَا قَالُوْا مَنْ اَنْکَرَ صُحْبَةَ اَبِیْ بَکْرٍ کَفَرَ لِاَنَّهٗ اَنْکَرَ النَّصَّ الْجَلِیَّ بِخِلَافِ اِنْکَارِ صُحْبَةِ غَیْرِهٖ مِنْ عُمَرَ اَوْ عُثْمَانَ اَوْ عَلِیٍّ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ (مرقاۃ)

یعنی تمہیں میری صحابیت اللہ تعالیٰ کی شہادت سے حاصل ہے اس لئے کہ مفسرین کرام کا اجماع ہے کہ آیۃ کریمہ میں بِصَاحِبِهٖ سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی وجہ سے مفسرین کرام نے کہا جس نے حضرت ابو بکر کی صحابیت کا انکار کیا وہ کافر ہے اس لیے کہ اس نے نص جلی کا انکار کیا۔ لیکن اس کے برخلاف دیگر صحابہ کرام حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی صحابیت کا انکار کفر نہیں کیونکہ ان کی صحابیت اس طرح نص جلی سے ثابت نہیں۔

اسی طرح حوض کوثر پر بھی آپ کو خصوصی مصاحبت حاصل ہو گی۔

یہاں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کو دنیا و آخرت میں خصوصی مصاحبت حاصل ہے جس طرح اب برزخ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور کے ساتھ آپ کا مزار ہونے کی وجہ سے آپ کو خصوصی مصاحبت حاصل ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رشک کرنا

عن عمر ذکر عندہ ابو بکر فبکی وقال وددت ان عملی
کلہ مثل عملہ یوما واحدا من ایامہ ولیلۃ واحدۃ من
لیالیہ اما لیلتہ فلیلۃ سار مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی
الغار فلما انتھیا الیہ قال واللہ لا تدخلہ حتی ادخل قبلک فان
کان فیہ شیء اصابنی دونک فدخل فکسحہ ووجد
فی جانبہ ثقبا فشق ازارہ وسدھا بہ وبقی منھا اثنان
فالقمھما رجلیہ ثم قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ادخل فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع راسہ
فی حجرہ ونام فلدغ ابو بکر فی رجلہ من الجحر
ولم یتحرک مخافۃ ان ینتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فسقطت دموعہ علی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال
ما لک یا ابا بکر قال لدغت فداک ابی وامی فتفل رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فذھب ما یجدہ ثم انتقض علیہ
وکان سبب موتہ واما یومہ فلما قبض رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ارتدت العرب وقالوا لا نؤدی زکاۃ فقال لو

منعونی عقالا لجاھدتھم علیہ فقلت یا خلیفۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم تألف الناس وارفق بھم فقال لی اجبار
فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام انہ قد انقطع الوحی
وتم الدین اینقص وانا حی ۝

(رواہ رزین۔ مشکوٰۃ شریف۔ مناقب ابی بکر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے سامنے حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ روئے اور آپ نے فرمایا کہ
میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری ساری عمر کی نیکیاں حضرت ابو بکر کی
زندگی کے دنوں میں سے ایک دن اور آپ کی زندگی کی راتوں میں سے
ایک رات کی نیکیوں کے برابر ہو جائیں۔ لیکن رات سے مراد وہ رات
ہے جس رات آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور کی طرف
چلے۔ جب دونوں غار پر پہنچے تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ
قسم ہے اللہ تعالیٰ کی آپ اس میں داخل نہ ہوں۔ یہاں تک کہ پہلے
میں داخل ہوتا ہوں اگر اس میں کوئی چیز ہو تو وہ مجھے تکلیف دے اور
آپ کو وہ تکلیف نہ دے سکے۔

آپ داخل ہوئے آپ نے غار کو صاف کیا۔ اس کی ایک جانب
آپ کو سوراخ نظر آئے آپ نے اپنی چادر کو پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند
کیا۔ دو سوراخ باقی رہ گئے ان دونوں میں آپ نے اپنے پاؤں کو ڈال کر
ان کو بند کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ

داخل ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اپنا سر ان کی گود میں رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابو بکر کے ایک پاؤں میں ایک سوراخ سے کسی موذی جانور نے ڈس دیا آپ نے اس ڈر سے پاؤں کو حرکت نہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ لیکن آپ کے آنسو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر پڑے۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر تمہیں کیا ہوا؟ آپ نے عرض کیا (یا رسول اللہ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ڈسا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا وہ اثر زائل ہو گیا البتہ کچھ عرصہ بعد پھر وہ زہر کا اثر لوٹ آیا جو آپ کی وفات کا سبب بنا۔

لیکن آپ کا دن وہ مراد ہے جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک قبض ہوا بعض عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایک اونٹ کی رسی بطور زکوٰۃ دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ لوگوں سے مہربانی اور نرمی کریں آپ نے فرمایا کیا تم زمانہ جاہلیت میں بہادر تھے اب اسلام میں بزدل ہو گئے ہو۔

بیشک وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے دین مکمل ہو چکا ہے۔ اب دین میں رخنہ اندازیاں پیدا کی جائیں اور میں بھی زندہ ہوں۔ یعنی میری زندگی میں دین کے معاملات میں سے کسی میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی کمی کرے گا تو

میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذکر پر رونا اس امر پر دلیل ہے کہ آپ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی کیونکہ کسی کی یاد پر رونا بغیر محبت کے نہیں آتا۔

- رات سے مراد وہ رات تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں درپیش آئی۔

دن سے مراد وہ دن ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد درپیش آیا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وہ نیکیاں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مطہرہ میں ایک رات حاصل کی گئیں وہ بھی قابل رشک ہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی گئیں وہ بھی قابل رشک ہیں۔

- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غار میں پہلے داخل ہونا پھر پاؤں کو سوراخوں میں رکھنا یہ قوی دلیل ہے کہ آپ کو اپنی جان کا کوئی غم نہیں تھا بلکہ صرف فکر تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ لہٰذا اہل تشیع کا یہ کہنا بے حقیقت و لغو ہے کہ جب کفار غار ثور پر آئے تو ابو بکر ڈر گئے نبی کریم ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ ڈرو نہیں غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حالانکہ تفسیر نسفی میں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے تحت، بیان کیا گیا ہے۔

طَلَعَ الْمُشْرِکُوْنَ فَوْقَ الْغَارِ فَاَشْفَقَ اَبُوْبَکْرٍ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنْ تُصَبِ الْیَوْمَ ذَھَبَ دِیْنُ اللّٰہِ فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا ۝

جب مشرکین غار پر پہنچے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف دامنگیر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ اگر آج آپ کو کافروں نے پا لیا تو اللہ کا دین ختم ہو جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے متعلق جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔

یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات کی کوئی فکر نہیں تھی، شاید اہل تشیع خوف و حزن کے معنی سے بے خبر ہیں کہ یہاں لَا تَحْزَنْ کہا ہے لَا تَخَفْ نہیں کہا۔

حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو جب زمین پر ڈالا وہ اژدہا بن گیا تو آپ کو خوف لاحق ہوا وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خُذْھَا وَلَا تَخَفْ (اے موسیٰ) اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیضاوی پارہ اول میں فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

کی تفسیر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ فَضْلًا عَنْ اَنْ یَّحِلَّ بِھِمْ مَکْرُوْہٌ وَلَا ھُمْ مِمَّنْ یَفُوْتُ عَنْھُمْ مَحْبُوْبٌ فَیَحْزَنُوْا ۝

انہیں کوئی خوف نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی جان پر کوئی مصیبت لاحق ہونے کا کوئی خوف نہیں اور کسی محبوب چیز کا ان سے فوت ہونے کا ان کو کوئی حزن نہیں۔

اس تفسیر سے واضح ہوا جہاں اپنی جان پر کوئی مصیبت لاحق ہونے کا خطرہ ہو وہاں خوف کو استعمال کیا جاتا ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں لَا تَخَفْ کہا ہے۔

کسی محبوب کے فوت ہونے کا خطرہ ہو وہاں لفظ حزن استعمال کرتے ہیں اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں لَا تَحْزَنْ کہا کیونکہ آپ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف تھا فرمایا لَا تَحْزَنْ تم اپنے محبوب کا غم نہ کرو۔ اگر اپنی جان کی فکر ہوتی تو لَا تَخَفْ کہا جاتا

• حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زہر کا اثر موت کے وقت لوٹ آیا اس طرح آپ کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کی راہ میں رفیق رہے۔ (مرقاۃ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا نمونہ ہے کیونکہ آپ کو بھی خیبر میں ایک یہودیہ نے زہر آلود بکری کا گوشت دیا تھا اس وقت آپ سے زہر کا اثر زائل ہو گیا تھا لیکن پھر وفات کے وقت زہر کا اثر لوٹ آیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں سب سے زیادہ

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت بَيْنَا رَأْسُ رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَجْرِي فِي لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ إِذْ قُلْتُ يَا رسولَ اللہِ هَلْ يَكُوْنُ لِأَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَأَيْنَ حَسَنَاتُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ إِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ أَبِي بَكْرٍ ۝

(رواہ رزین مشکوٰۃ مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک چاندنی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر انور میری گود میں تھا (یعنی آپ میری گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آسمان کے ستاروں

جتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں آپ نے فرمایا ہاں عمر کی ہیں۔ میں نے کہا ابو بکر کی وہ نیکیاں کہاں گئیں۔ آپ نے فرمایا عمر کی تمام نیکیاں ابو بکر کی تمام نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہیں۔

حضرت ابو بکر کی وہ ایک نیکی کون سی مراد ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ شاید ہو سکتا ہے سب سے پہلے اسلام لانا مراد ہو۔ یا غار ثور میں رات گزار نا مراد ہو۔ یا آپ کے مال سے نفع حاصل ہونا مراد ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ نفع ابو بکر کے مال سے ہوا۔

حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ایمان تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے ستاروں کو جانتے ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کی تعداد کو بھی جانتے ہیں۔ ورنہ اس سوال و جواب کی کوئی حیثیت و مقصد نہیں رہتا ہو سکتا کسی کے ذہن میں یہ بات آئے یہاں ستاروں کی تعداد مراد نہیں بلکہ مطلقاً کثرت مراد ہے۔ لیکن یہ سوچ حدیث پاک کے الفاظ مبارکہ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ سے رد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو روز روشن کی طرح ظاہر کر رہے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا مقصد ہی یہ تھا یہ بتایا جائے کسی ایک کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی تعداد کے مطابق ہیں۔

اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ستاروں کی کثرت مراد ہے تعداد نہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علم ماننے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔

کہ آپ اپنی امت کے ہر ایک فرد کی تمام نیکیوں کی تعداد جانتے ہیں اسی لیے جواب یہ دیا سب سے زیادہ نیکیاں عمر کی ہیں لیکن عمر کی ساری نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کے ضمن میں جو کثرت ہے اس کے برابر نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبین

عن عمرو ابن العاص اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَہُ عَلٰی جَیْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَاَتَیْتُہُ فَقُلْتُ اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ عَائِشَۃُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْھَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالًا فَسَکَتُّ مخافۃ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ فِیْ اٰخِرِھِمْ ۝

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف۔ مناقب ابی بکر)

حضرت عمرو ابن العاص سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات سلاسل (وہ علاقہ ریگستان تھا اس لیے اس کا نام ذات سلاسل ہوا) کے لشکر پر قائد بنا کر بھیجا۔ حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا

تمام لوگوں سے زیادہ آپ کو محبوب کون ہے آپ نے فرمایا عائشہ میں نے کہا مردوں میں سے کون زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا عائشہ کا باپ میں نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا عمر۔ چند حضرات کا آپ نے اسی طرح ذکر فرمایا میں اس ڈر سے خاموش ہو گیا کہیں آپ مجھے سب سے آخر میں ذکر کر دیں۔

حضرت عمرو بن عاص کے سوال کرنے کی وجہ بھی یہ تھی کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص مصلحت کے پیش نظر جنگ میں قائد بنایا تھا آپ کی قیادت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی تھے آپ نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید مجھے آپ نے محبت کی وجہ سے قائد بنایا اسی وجہ سے سوال بھی کیا۔ حالانکہ جنگ میں قیادت کی فضیلت مراتب کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ جنگی صلاحیت کی وجہ سے ہوتی ہے یا اور کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

وعن جمیع بن عمیر قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِیْ عَلٰی عَائِشَۃَ فَسَاَلْتُ
(ای انا وفی نسخۃ بصیغۃ التانیث (مرقاۃ))

اَیُّ النَّاسِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ فَاطِمَۃُ فَقِیْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُھَا ۝

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف مناقب اہل بیت)

ترجمہ :۔ جمیع بن عمیر کہتے ہیں میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا میں نے سوال کیا (ایک نسخہ کے مطابق میری پھوپھی نے سوال کیا)، تمام لوگوں سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون محبوب تھا آپ نے فرمایا فاطمہ پھر آپ سے سوال کیا گیا مردوں سے آپ کو زیادہ محبوب کون تھا آپ نے فرمایا ان کے خاوند (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) اس حدیث پاک اور ماقبل مذکور حدیث پاک سے سمجھنا مشکل نہ رہا۔ کتنا ہی حسین امتزاج ہے صحابہ کرام اور اہل بیت کی محبت کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب بحیثیت زوجہ اور سسر یا یار غار ہونے کے۔

حضرت عائشہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما۔ اور حبیب پاک علیہ التحیۃ کے بیٹی اور داماد ہونے کے لحاظ سے سب سے زیادہ محبوب حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں۔

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے درمیان کیسے ہی محبت کا ایک سیلاب موجزن ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں سب سے افضل ابوبکر ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں سب سے زیادہ نبی کریم کے محبوب حضرت فاطمہ اور حضرت علی ہیں

تنبیہ اگرچہ اس حدیث پر بعض محدثین نے جرح بھی کی ہے تاہم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں کہا ضروری نہیں کہ اس حدیث کو موضوع قرار دیا جائے۔

عن البراء قال رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم والحسن بن علیؓ علٰی عاتقہٖ یقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ ○

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف۔ مناقب اہل بیت)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) آپ کے کندھے پر تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔

مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَ لَا شَکَّ اَنَّہٗ اَحَبَّہُ اللّٰہُ۔

کوئی شک نہیں بیشک اللہ تعالیٰ آپ سے (حضرت امام حسن) محبت کرتا ہے۔ اس لیے تمام کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات کے مطابق آپ کی اہل بیت سے محبت کریں۔

وعن اسامۃ بن زید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخُذُہٗ وَ الْحَسَنَ فَیَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَحِبَّھُمَا فَاِنِّیْ اُحِبُّھُمَا ○

(رواہ البخاری مشکوٰۃ شریف۔ مناقب اہل بیت)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (اسامۃ) اور حضرت حسن کو پکڑ کر یہ دعا فرماتے اے اللہ تو ان سے محبت فرما بیشک میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں سے محبت فقط اللہ کی رضا کے لیے تھی اسی وجہ سے اللہ کی محبت کو اپنی محبت پر مرتب فرمایا۔ اس میں ان دونوں حضرات کی زیادہ منقبت ہے۔ (مرقاۃ)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا ○

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور اے اللہ جو شخص ان دونوں سے محبت کرے اس سے تو بھی محبت کر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب الہام والقاء تھے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ ○

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف مناقب عمر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم سے پہلی امتوں میں کچھ لوگ صاحب الہام تھے۔ میری امت میں اگر کوئی شخص صاحب الہام ہے تو وہ عمر ہے۔

بظاہر اس حدیث پاک میں وہم ہوتا ہے کہ یہ کلام بالفرض پر مبنی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض میری امت میں کوئی شخص صاحب الہام ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

حالانکہ یہ مطلب نہیں اس لے کہ جب بنی اسرائیل میں کئی لوگ صاحب الہام ہوتے تھے تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں افضلیت کی وجہ سے ان سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ فضیلت والے لوگ صاحب الہام ہونے چاہئیں۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر تخصیص کی وجہ سے کیا ہے دوسروں کی نفی نہیں کی۔

جس طرح کوئی شخص کہے اِنْ یَّکُنْ لِیْ صَدِیْقٌ فَاِنَّہٗ فُلَانٌ ۔
اگر کوئی شخص میرا دوست ہے تو فلاں شخص ہے ۔
کلام کرنے والے شخص کا یہ مطلب نہیں کہ میرا اور کوئی دوست ہی نہیں
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص میرا بہت قریبی گہرا دوست ہے
اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ میری امت
میں اگر کوئی شخص الہام تک کامل درجہ رکھتا ہے تو وہ عمر ہے ۔

طریقہ عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کا حکم

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْہِمْ قُمُصٌ مِنْہَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَمِنْہَا مَا دُوْنَ ذَالِکَ وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الخطابِ وَعَلَیْہِ قَمِیْصٌ یَجُرُّہٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذَالِکَ یا رسول اللہ قَالَ الدِّیْنُ ۞

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف مناقب عمر)

حضرت ابو سعید نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے
خواب میں دیکھا لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے انہوں نے
قمیصیں پہن رکھی ہیں کسی کی قمیص سینہ تک ہے کسی کی اس سے کچھ
نیچے اور عمر کو میرے سامنے لایا گیا ان کی قمیص زمین پر گھسٹ رہی تھی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر کیا ہے۔
آپ نے فرمایا دین ۔
اس حدیث پاک کی شرح میں کہا گیا ہے :۔
قال النووی اَلْقَمِیْصُ الدِّیْنُ وَجَرُّہٗ یَدُلُّ عَلٰی بَقَاءِ آثَارِہِ الْجَمِیْلَۃِ وَسُنَّتِہِ الْحَسَنَۃِ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ لِیُقْتَدٰی بِہٖ ۞

(مرقاۃ)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے قمیص سے مراد دین ہے اور
اس کا کھینچنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے آثار جمیلہ اور آپ کا
طریقہ حسنہ آپ کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں میں باقی رہے گا تاکہ
وہ آپ کی اقتدار کریں ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم

عن ابن عمر قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَرَی الرِّیَّ یَخْرُجُ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الخطابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَہٗ یا رسول اللہ قَالَ الْعِلْمُ ۞

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف مناقب عمر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا آپ فرمانے لگے میں نے خواب میں دیکھا میرے پاس دودھ کا
پیالہ لایا گیا میں نے پیا یہاں تک کہ میں سیراب ہو گیا، دودھ کے
اثرات میرے ناخنوں سے نکلنے لگے پھر جو باقی بچ گیا وہ میں نے
عمر کو دے دیا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ آپ نے
فرمایا علم۔

اس حدیث پاک میں جس علم کا ذکر کیا گیا ہے وہ علم دین ہے۔
خواب میں علم کو دودھ کی شکل میں دیکھنے کی وجہ کیا تھی؟

عالم دنیا اور عالم ارواح کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو
عالم مثال کہا جاتا ہے۔ وہ نورانی عالم ہے جس میں جسمانی اشیاء سے
تشبیہات دی گئی ہیں۔ اور نیند عالم مثال میں نورانی روح کی سیر کا سبب
ہے جو چیز اس میں دکھائی جائے گی وہ جسمانی نہیں ہو گی البتہ جسمانی سے
تشبیہ دی گئی ہوگی۔ اس عالم مثال میں علم کو دودھ کی تصویر دینا ایک
مناسبت کی وجہ سے ہے۔

جس طرح دودھ بدن کی پہلی پہلی غذا ہے اور بدن میں صلاحیت پیدا
کرنے کا سبب ہے اسی طرح علم روح کی پہلی پہلی غذا ہے اور روح کی
صلاحیت کا سبب ہے۔

بعض حضرات نے کہا علمی تجلیات کو عالم مثال میں چار صورتوں میں

سے کوئی ایک صورت حاصل ہوتی ہے وہ چار صورتیں یہ ہیں۔ پانی
دودھ، شراب، شہد۔

قرآن پاک کی وہ آیۃ کریمہ جس میں جنت کی چار نہروں کا ذکر ہے
اس میں یہ سب مذکور ہیں۔

کیونکہ جنت کی چار نہروں میں بھی یہی چار چیزیں ہوں گی۔

پانی ایسا ہو گا جو کبھی سڑے گا نہیں اور نہ ہی اس کی بو بدلے گی۔ اور
دودھ کی ایسی نہریں ہوں گی جن کا مزہ بدلے گا نہیں یعنی دنیا کے
دودھ کی طرح نہیں ہو گا جس کا مزہ بدل جاتا ہے اور ایسے شہد کی
نہریں ہوں گی جن کا شہد صاف، شفاف ہو گا۔

اور ایسے شرابا طہورا کی نہریں ہوں گی جس میں پینے والوں کے لیے
لذت ہو گی۔

لیکن وہ شراب دنیا کے شراب کی طرح نہیں ہو گا۔ اس میں بدبو نہیں ہو
گی، نشہ نہیں ہو گا۔ جس شخص نے عالم مثال میں پانی پیا اسے علم لدنی
دیا جاتا ہے جس نے دودھ پیا اسے اسرار شریعت کا علم دیا جاتا ہے۔
جس نے شرابا طہورا پیا اسے کامل علم دیا جاتا ہے۔ جس نے شہد پیا اسے
بطریقہ وحی علم دیا جاتا ہے۔

بعض عارفین نے کہا چار نہروں سے چار خلفاء راشدین کی طرف اشارہ
ہے چونکہ دودھ کا ذکر دوسرے مرتبہ پر ہے اس لیے اس سے مراد حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے جو دوسرے مرتبہ پر ہے۔

بظاہر اس حدیث پاک پر وہم پیش کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح فرمایا کہ میں سیراب ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

(آپ کہو لے میرے رب میرے علم میں زیادتی فرما)

اس کا جواب یہ ہے کہ علم کے لیے ایک استعداد دی جاتی ہے اس کے مطابق جب علم حاصل ہو جاتا ہے پھر اور استعداد عطا ہوتی ہے اس طرح ایک دفعہ انسان سیراب ہو جاتا ہے پھر نئی طلب شروع ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہو سکتا ہے آپ کا یہ ارشاد گرامی پہلے کا ہو آیۃ کریمہ کا نزول بعد میں ہوا ہو۔

اس حدیث پاک کی شرح میں مرقاۃ میں ایک اور روایت بحوالہ مسند امام احمد، ابو حاتم اور ترمذی بیان کی ہے۔

روی ابن مسعود انہ قال لَوْ جُمِعَ عِلْمُ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ فِيْ كِفَّةِ مِيْزَانٍ وَّ وُضِعَ عِلْمُ عُمَرَ فِيْ كِفَّةٍ لَرَجَحَ عِلْمُ عُمَرَ وَلَقَدْ كَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّهٗ ذَهَبَ بِتِسْعَةِ اَعْشَارِ الْعِلْمِ ۝

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک آپ نے فرمایا اگر تمام قبائل عرب کا علم جمع کر کے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمر کا علم وزنی ہو گا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام کا اعتقاد یہ تھا کہ تمام قبائل عرب کا مجموعی علم ایک حصہ ہے اور حضرت عمر کا علم نو حصے ہے یعنی علم کے دس حصوں میں سے ایک حصہ تمام

قبائل عرب کا اور دس میں سے نو حصے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طلب

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلِ ابْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا ۝

(رواہ احمد والترمذی، مشکوٰۃ شریف، مناقب عمر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی آپ نے عرض کیا،

اے اللہ اسلام کو ابوجہل بن ہشام کے ذریعے غلبہ عطا فرما بلکہ عمر بن خطاب کے ذریعے حضرت عمر نے صبح اٹھتے ہی سویرے سویرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

پھر مسجد میں نمازیں ظاہر طور پر پڑھنی شروع ہو گئیں۔

حدیث شریف میں لفظ عزت سے مراد قوۃ اور غلبہ مراد ہے۔

لفظ اَوْ ذکر ہے جس کا معنی یا ہوتا ہے اس طرح یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اَوْ تنویع کے لیے ہو جس کا معنی اس طرح ہو۔

اے اللہ اسلام کو ابوجہل بن ہشام کی وجہ سے غلبہ عطا فرما۔

یا عمر بن خطاب کی وجہ سے ۔ لیکن شارح نے مرقاۃ میں اس طرح بھی ذکر فرمایا:۔

لَا يَبْعُدُ اَنْ تکون بل للاضراب

یہ بھی بعید نہیں کہ اَوْ معنی بل ہو اور اضراب کا معنی ہو۔
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ دعا فرمائی ہو کہ اے اللہ اسلام کو ابوجہل کے ذریعے قوت دے پھر آپ نے کہا ہو نہیں بلکہ عمر بن خطاب کے ذریعے ۔

فاصبح سے مراد یہ ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس کے بعد آنے والی پہلی صبح ۔ فغدا سے مراد یہ ہے کہ صبح سویرے سویرے چل پڑے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کہنے کی وجہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد ایمان قبول کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں آپ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں ۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم حق پر ہیں پھر مخفی نماز ادا کرنے کی کیا وجہ ہے ہم ظاہر ہو کر نماز ادا کریں گے اس طرح اس دن سے ظاہر نمازیں شروع ہو گئیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروق کہا کہ تم حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہو ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک منافق کا یہودی سے جھگڑا ہو گیا ۔
یہودی نے منافق کو کہا کہ یہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کراتے ہیں لیکن منافق کعب بن اشرف کے پاس اپنا مقدمہ لے جانے کی دعوت دے رہا تھا ۔ آخر کار دونوں رضا مند ہو گئے کہ اپنا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے ہیں ۔ جب انہوں نے اپنا معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا ۔
منافق اس پر رضامند نہ ہوا ۔ وہ کہنے لگا چلو یہ فیصلہ ہم حضرت عمر سے کراتے ہیں ۔

آپ کے پاس جب گئے یہودی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
میرے حق میں فیصلہ کر دیا لیکن یہ راضی نہیں ہوا اور آپ کے پاس لے
آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کیا اسی طرح ہے؟
اس نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔

آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ آپ گھر کے اندر
گئے تلوار لے آئے اس منافق کی گردن اڑا دی۔ فرمایا جو شخص نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا میرے پاس اس کا فیصلہ یہ ہے
اس منافق کی اس حرکت پر کہ ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف سے
کراتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ ۝

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو
تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان
کو اپنا فیصل بنائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کو قتل کر دیا اس کے اقربا
آگئے خون کا مطالبہ کرنے لگے لیکن جبرائیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ
کا یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کو بری کر دیا۔ جبرائیل نے خود یہ الفاظ کہے إِنَّ عُمَرَ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ۝
بیشک عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔

اس وجہ سے آپ کو فاروق کہا جانے لگا۔

شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بھاگ جاتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے
ہوئے یہ ارشاد فرمایا

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ
فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ ۝

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف۔ مناقب عمر)

آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں
میری جان ہے، شیطان تمہیں کسی راستے پر ہرگز نہیں ملے گا۔
سوائے اس کے وہ تمہارے راستے کو چھوڑ کر اور راستہ اختیار کرے
گا۔ اس حدیث پاک کا مطلب بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا کہ اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے مثال کے طور پر ذکر فرمایا ہو
کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شیطان کے بھٹکانے سے محفوظ ہیں، شیطان کے
راستے سے دور ہیں درست راہ پر ہیں اور شیطان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں

لیکن علامہ نووی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس حدیث کو ظاہر پر رکھنا زیادہ بہتر ہے اور ان دونوں حضرات کے نزدیک معنی یہ ہے۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ مَتٰی رَاٰہُ سَالِکًا فَجًّا ھَرَبَ لِہَیْبَتِہٖ مِنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَفَارَقَ ذَالِکَ الْفَجَّ لِشِدَّۃِ وَبَاْسِہٖ ۝

بیشک شیطان جب آپ کو کسی راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کر اس راستے سے بھاگ جاتا ہے۔ شدت خوف کی وجہ سے اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامات

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں ریاض کے حوالہ سے کچھ کرامات نقل کی ہیں جن کو ذکر کیا جارہا ہے۔

(۱) حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک مرتبہ جمعہ کے دن دوران خطبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ کو موقوف فرما کر دو یا تین مرتبہ ان الفاظ سے ندا دی یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ ۝ (اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جاؤ) پھر آپ نے اسی طرح خطبہ جاری رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض حضرات کہنے لگے۔ شاید آپ پر جنون طاری ہوگیا آپ نے خطبہ کو چھوڑ کر یَاسَارِیَۃُ الْجَبَل، کہنا شروع کردیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ کیونکہ ان کو آپ سے بے تکلفی تھی۔ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین لوگ آپ کے متعلق باتیں کر رہے ہیں آپ نے دوران خطبہ یا ساریۃ الجبل کیوں کہا اس کی کیا وجہ تھی۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اپنے آپ پر قبضہ نہ رکھ سکا جب میں نے ساریہ اور ان کے احباب کو پہاڑ کے پاس جہاد کرتے ہوئے دیکھا جبکہ ان کے مدمقابل قوم ان پر پہاڑ کی جانب سے حملہ کرنیوالی ہے۔ اسطرح اگر وہ پہاڑ کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کریں تو ان کا بہت نقصان ہوگا۔ تو میں نہ رہ سکا۔ یہاں تک کہ میں نے کہا یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ ۝ تاکہ وہ پہاڑ کے ساتھ ہوجائیں یعنی وہ

اچھی طرح اپنا اندفاع کر سکیں اور مخالفین پر کاری ضرب لگا سکیں۔ اس کے بعد چند دن ہی گزرے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا قاصد ایک خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا جس میں انہوں نے لکھا ہمارا ایک قوم سے جمعہ کے دن مقابلہ ہو گیا۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم نے ان سے جہاد شروع کر دیا جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوا، سورج ڈھل گیا۔ ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز کو سنا جو الجبل، الجبل کہہ رہا تھا، یعنی پہاڑ کے ساتھ ہو جاؤ، ہم پہاڑ کے ساتھ ہو گئے، ہم اپنے دشمن پر کامیابی سے حملہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دے دی۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے وہ کام کیا جو عام آدمی کی نظر وہاں تک کام نہیں کر سکتی تھی کیونکہ یہ اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے کئی سو میل دور تھا۔ آپ کی نظر کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا لیے گئے۔ اس طرح آپ کی آواز میں بھی اللہ تعالیٰ نے وہ طاقت رکھی جو عام انسان کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لیکن آپ کی آواز وہاں تک پہنچی۔ اس طرح حضرت ساریہ کو بھی رب قدوس نے کرامت سے نوازا۔ یعنی آپ کے کانوں نے دور دراز سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز کو سنا۔

(۲) جب مصر فتح ہوا، وہاں کا عامل (گورنر) حضرت عمرو بن عاص کو بنایا گیا۔ وہاں کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ دریا نیل اس وقت تک نہیں چلتا جب تک ہر سال ہم ایک خوبصورت جوان لڑکی نہ ڈالیں، یعنی اگر ہر سال ہم اس کی نذر ایک جوان لڑکی کر دیں۔ جسے یہ پہاڑ بہا کر لے جائے تو یہ

چلتا ہے ورنہ یہ خشک ہو جاتا ہے، شہر قحط سالی کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص نے یہ خبر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجی اور پوچھا کہ کیا کیا جائے۔

آپ نے جوابی طور پر یہ پیغام بھیجا کہ اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَا قَبْلَہٗ اسلام تمام زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کو مٹا دیتا ہے۔ پھر آپ نے رقعہ اس مضمون پر مشتمل تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِلیٰ نِیْلِ مِصْرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ بِاَمْرِ اللّٰہِ فَاجْرِ عَلیٰ رَسْمِ اللّٰہِ ۰

اللہ کے نام سے ابتدا جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے مصر کے دریا نیل کی طرف۔

تسمیہ کے بعد تجھے یہ کہا جاتا ہے اگر تو اللہ کے نام سے چلتا ہے تو اللہ کے نام پر ہی چل۔

اور یہ حکم فرمایا کہ اس خط کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب آپ کے رقعہ کو دریائے نیل میں ڈالا گیا اسی وقت وہ دریا جاری ہو گیا ایک رات میں دریا کے پانی کی چوبیس فٹ بلندی ہو گئی پھر کئی سال تک ہر سال دریا میں نو فٹ پانی بلند ہوتا گیا، کبھی خشک نہ ہوا۔

(۳) سبحان اللہ کیسی ہے شان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جن کی حکومت غیر ذوی العقول چیزوں پر بھی ہے۔

۴۔ یمن میں اسود بن قیس جھوٹا مدعی نبوت تھا جس نے ابو مسلم عبداللہ بن ایوب خولانی کو کہا تم گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن ابو مسلم خولانی نے انکار فرما دیا کہ میں تمہیں رسول ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں اس نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو محمد اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں ان کو اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ اس جھوٹے نبی کے حکم سے بہت بڑی آگ جلا کر ابو مسلم خولانی کو اس میں ڈال دیا گیا لیکن آگ نے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی۔

پھر اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو جلا وطن کر دیا جائے آپ کو وہاں سے نکال دیا گیا آپ مدینہ طیبہ میں آ گئے۔ جب آپ مسجد کے دروازے سے داخل ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین مسجد کو کہا یہ تمہارا وہ دوست ہے جس کو اسود جھوٹا مدعی نبوت گمان کر رہا تھا کہ وہ اسے جلا دے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے نجات عطا فرمائی۔

وَلَمْ يَكُنِ الْقَوْمُ وَلَا عُمَرُ سَمِعُوا قِصَّتَهُ وَلَا رَأَوْهُ ○

حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے اس واقعہ کو نہ سنا تھا اور نہ دیکھا تھا۔

ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ وَعَانَقَهُ ○

پھر حضرت عمر ابو مسلم کے استقبال کیلئے کھڑے ہوئے اور ان کو گلے سے لگایا اور فرمایا کیا تم عبد اللہ بن ایوب نہیں ہو انہوں نے عرض کیا ہاں میں ہی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے پھر کہا الحمد للہ سب تعریفیں اس ذات کی ہیں جس نے مجھے اس وقت تک فوت نہیں کیا یہاں تک مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایسے شخص کی زیارت کرا دی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مشابہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی عظمت و وسعت پر غور کریں کیسا عظیم علم ہے۔

صحابہ کرام تا جو غلامانِ مصطفٰی علیہ التحیۃ والثنا ہیں ان کا علم جب یہ ہے تو خود حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کا عالم کیا ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی کے استقبال کے لیے کھڑے ہو کر ثابت کر دیا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ صحابہ کرام خلفاء راشدین کے افعال امتِ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں سنت ہیں۔

اظہار مسرت کے لیے کسی سے گلے ملنا سنت فاروق اعظم ہربات
پر بدعت کی رٹ لگانا یہ حماقت ہے اگر کوئی شخص عید کے موقع پر
اظہار مسرت کے لیے کسی سے گلے ملتا ہے تو کچھ حلقوں کی طرف سے
آواز اٹھتی ہے یہ بدعت ہے، غیر شرعی فعل ہے، ناجائز ہے۔
معلوم نہیں ایسے حضرات کی شریعت کیا ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک رات رعایا کے
حال کی خبر گیری کے لیے گشت کر رہے تھے ایک گھر سے ایک عورت
کی آواز سنی جو اپنی بیٹی کو کہہ رہی تھی اٹھو دودھ میں پانی ملا دو اس
کی بیٹی کہتی ہے امی ایسا نہ کرو کیونکہ امیرالمؤمنین حضرت عمر نے ایسا
کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہتی ہے ان کو کیسے پتہ چلے گا۔
وہ تو نہیں دیکھ رہے۔ بیٹی کہتی ہے اگر وہ نہیں دیکھ رہے تو امیرالمؤمنین
کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ جب صبح ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے
بیٹے عاصم کو کہا جاؤ فلاں مکان میں ایک لڑکی ہے اس کا پتہ کرو اگر
وہ کہیں منسوب نہیں تو اس سے شادی کر لو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے
تمہیں مبارک اولاد عطا فرمادے۔

حضرت عاصم کا اس سے نکاح ہو گیا ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام
ام عاصم رکھا گیا ام عاصم عبدالعزیز بن مروان کے نکاح میں آئیں
اور ان کا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عمر بن عبدالعزیز ہوا۔ وہ عمر بن
عبدالعزیز جن کے فضائل و کمالات مشہور و معروف ہیں اس طرح حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد حق ثابت ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز نواسہ ابن عمر اسی
لڑکی کا نواسہ ہوا۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی کو پہاڑ سے اترتے ہوئے
دیکھا آپ نے فرمایا وہ شخص اپنے بیٹے کے فوت ہونے کی پریشانی میں
مبتلا رہے اور اس نے اپنے بیٹے کی وفات پر سات شعروں پر مشتمل
مرثیہ کہا ہے۔ میں تمہیں اس سے سنواؤں گا۔ جب وہ اعرابی قریب آیا
آپ نے فرمایا تم کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا میں اس پہاڑ کی
چوٹی سے آرہا ہوں۔

آپ نے فرمایا وہاں تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے وہاں اپنی
امانت رکھی ہے۔

آپ نے فرمایا تمہاری امانت کیا تھی؟ اس نے کہا میرا بیٹا فوت
ہو گیا ہے جس کو میں نے دفن کیا ہے۔

آپ نے فرمایا جو تم نے اپنے بیٹے کا مرثیہ کہا ہے وہ ہمیں بھی
سنا دو۔

قَالَ مَا یُدْرِیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَوَاللّٰهِ مَا تَفَوَّهْتُ بِذٰلِكَ
وَاِنَّمَا حَدَّثْتُ بِهٖ نَفْسِیْ ۝

اس نے کہا اے امیرالمؤمنین آپ کو کیسے پتہ چلا؟ قسم ہے اللہ
کی میں نے ابھی اپنی زبان سے کسی کو سنایا ہی نہیں بلکہ فقط وہ میں نے
ذہن میں سوچا ہے۔ پھر اس نے مرثیہ سنایا جس کے سات اشعار تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی کرامت اتباع سنت ہے

عن عبد اللہ بن عباس قال کان للعباس میزاب
على طريق عمر فلبس عمر ثيابه يوم الجمعة وقد كان ذبح
للعباس فرخان فلما وافى الميزاب صب ماؤه بدم الفرخين
فاصاب عمر فامر عمر بقلعه ثم رجع فطرح ثيابه و
لبس ثيابا غير ثيابه ثم جاء فصلى بالناس فاتاه العباس
وقال والله انه للموضع الذى وضعه رسول الله صلى الله عليه وسلم
فقال عمر للعباس وانا اعزم عليك لما صعدت على ظهرى
حتى تضعه فى الموضع الذى وضعه رسول الله صلى الله عليه وسلم
ففعل ذالك العباس ○

(مسند امام احمد مرقاۃ مناقب عمر)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک پرنالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستے پر تھا۔ جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کپڑے پہنے اور نماز کے لیے چلے جب پرنالے کے مقابل پہنچے تو آپ پر خون آلود پانی کے چھینٹے پڑے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ کے پاس دو چوزے تھے جن کو ذبح کیا گیا تھا اور ان کے خون کو دھونے کے لیے پانی بہایا گیا تھا جو خون آلود ہو کر پرنالے سے گر رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

کپڑے خراب ہو گئے تھے آپ نے اس پرنالے کو اکھیڑنے کا حکم دیا کہ اس پرنالے کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ آپ کے حکم سے پرنالہ ہٹا دیا گیا۔ آپ گھر واپس آئے وہ کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لائے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ پرنالہ اسی جگہ پر تھا جس جگہ پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے عباس میں تمہیں قسم دلا کر کہتا ہوں جو میں تم سے کہوں وہ تمہیں ضرور کرنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم میری پیٹھ پر چڑھ کر پرنالہ وہاں ہی لگا دو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق آپ کی پیٹھ پر چڑھ کر پرنالہ اسی جگہ لگا دیا۔

شارح اس کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ كَرَامَةٍ ○

یہ استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ پرنالہ ہمیشہ یہاں ہی رہے گا اس کو کوئی ہٹائے نہیں صرف یہ کہ آپ نے خود اس جگہ پرنالہ لگایا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمالِ اتباع کا پاس کیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے کیسی محبت کا اظہار فرمایا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوتا میرے بعد میرے خاندان سے فلاں شخص والی امور یعنی خلیفہ اور امیر المومنین ہو گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد کی مخالفت یا مخاصمت کی ہوتی؟

حاشا وکلا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو وہ بزرگ اور باکمال تھے جب ان کے سامنے ارشادِ مصطفوی ہوتا تو وہ اس کے سامنے اپنے سروں کو نیاز سے جھکا لیتے اس ارشادِ مصطفےٰ کے سامنے کبھی اپنی ذاتی رائے کو نہیں ٹھونستے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا ذکر

عن ثمامة بن حزن القشيري قال شهدتُ الدار حين أشرفَ عليهم عثمانُ فقال أنشدكُم اللهَ والإسلام هل تعلمون أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قدِم المدينةَ وليس بها ماءٌ يستعذبُ غيرَ بئرِ رومة فقال مَن يشتري بئرَ رومة فيجعلُ دلوَه معَ دلاءِ المسلمين بخيرٍ له منها في الجنّةِ فاشتريتُها من صلبِ مالي فأنتم اليومَ تمنعونني أن أشربَ منها حتّى أشربَ من ماءِ البحرِ فقالوا اللهمّ نعم فقال أنشدكم الله والإسلام هل تعلمون أن المسجدَ ضاقَ بأهلهِ فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مَن يشتري بقعةَ آلِ فلانٍ فيزيدُها في المسجدِ بخيرٍ له منها في الجنّةِ فاشتريتُها من صلبِ مالي فأنتم اليومَ تمنعونني أن أُصلّيَ فيها ركعتينِ فقالوا اللهمّ نعم قال أنشدكم الله والإسلام هل تعلمون أني جهزتُ جيشَ العسرةِ من مالي قالوا اللهمّ نعم قال أنشدكم الله والإسلام هل تعلمون أن رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كان على ثَبِيرِ مكّةَ ومعه أبو بكر وعمر وأنا فتحرّكَ الجبلُ حتى تساقطتْ حجارتُه بالحضيضِ فركضهُ برجلهِ قال اُسكُن ثبير فإنما عليك نبيٌّ وصدّيقٌ

وشہید ان وقال اللھم نعم قال اللہ اکبر شھدوا ورب الکعبۃ انی شہید ثلاثا ○

(رواہ الترمذی والنسائی والدارقطنی، مشکوٰۃ شریف مناقب عثمان)

ثمامہ بن حزن قشیری نے بیان کیا کہ میں اس مکان میں حاضر ہوا جس کا باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان محاصرین کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا جو تم پر اللہ اور اسلام کا حق ہے۔ اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، کیا تم جانتے ہو۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مدینہ میں سوائے بئر رومہ (کنوئیں کا نام) کے اور کوئی میٹھا پانی نہیں تھا آپ نے فرمایا کون ہے وہ شخص جو جنت میں اس سے بہتر کے بدلے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دے تو میں نے اپنے خالص ذاتی مال سے وہ خریدا آج تم مجھے اسی کے پانی سے منع کر رہے ہو یہاں تک کہ میں سمندر کا (نمکین) پانی پی رہا ہوں ان سب نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اسلام کے حق کے واسطے سے تم سے سوال کرتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون شخص ہے جو جنت میں بہتر جگہ کے بدلے فلاں شخص کی زمین کا حصہ خرید کر مسجد میں شامل کر دے تو میں نے اپنے خالص ذاتی مال سے خرید کر مسجد میں شامل کی آج تم مجھے اسی سے دو رکعت نماز ادا کرنے سے روک رہے ہو۔ ان سب نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ اور

اسلام کے حق کے واسطے سے تم سے سوال کرتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے جیش عسرہ کو اپنے مال سے تیار کیا تھا۔ سب نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔ آپ نے کہا میں تم سے اللہ اسلام کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کیا تم جانتے ہو بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کوہ ثبیر (بروزن نُعیل) پر تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر اور عمر اور میں بھی تھا پہاڑ نے حرکت کی یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے گرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا اے ثبیر ٹھہر جا یعنی جنبش نہ کر تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور شہید ہیں۔ سب نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔

آپ نے کہا اللہ اکبر سب نے میری شہادت کی شہادت دے دی یعنی میں شہید ہوں۔ (آپ نے اس پر کہ محاصرین نے بھی تسلیم کر لیا۔ تعجب کرتے ہوئے ان کلمات کو اللہ اکبر شھدوا ورب الکعبۃ انی شہید) تین مرتبہ کہا۔

تشریح حدیث

عقیق اصغر میں ایک کنواں تھا جس کا نام رُومہ تھا۔ عقیق کا مطلب قطع شدہ مقام۔ چونکہ حرہ مدینہ سے دو خطے منقطع یعنی علیحدہ کئے ہوئے تھے اس لیے ایک کو عقیق اصغر اور دوسرے کو عقیق اکبر کہا جاتا۔ یہ کنواں جس کا نام رومہ تھا یہ اصغر میں تھا۔

یہ کنواں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم سے خریدا

اور ایک روایت کے مطابق پینتیس ہزار میں خریدا۔ یہ کنواں غفار قبیلہ میں
سے ایک صحابی کا تھا چونکہ ان کا یہی ذریعہ معاش تھا اس لیے وہ اس
کا پانی فروخت کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا کیا تم یہ کنواں جنت میں اس
بہتر چشمہ کے بدلے فروخت نہیں کرتے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ
میرا اور میرے اہل وعیال کا اس کے بغیر اور کچھ نہیں اس لیے میں اس
کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کوئی شخص ہو جو یہ کنواں جنت میں اس سے بہتر کے بدلے خرید کر
وقف کرے اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے
خرید کر وقف کیا۔

یَجْعَلُ دَلْوَہُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ کا معنی یہ ہے اپنے ڈول کو مسلمانوں
کے ڈولوں سے ملا دے کِنَایَۃً مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے
وقف کر دے اپنے ڈول کی تخصیص ختم کر دے یہ نہ کہے اس سے
صرف میں ہی پانی بھر سکتا ہوں۔ ضمناً یہ مسئلہ سمجھ آیا، کوئیں اور تالاب
وغیرہ وقف کرنے جائز ہیں اور جو چیز وقف کر دی جائے وہ وقف
کرنے والے کی ملک سے نکل جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شہادت عثمان شہادت امام حسین سے درد والم
کے لحاظ سے کچھ کم نہیں یہ ستم ظریفی ہے کہ آپ کی شہادت کو نہ بیان
کیا جائے۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حالت سجدہ میں شہید کیا
جاتا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے شہید کیا
جاتا ہے۔ اگر میدان کربلا میں پانی بند کیا جاتا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کا پانی بھی بند کیا گیا۔

شہادت عثمان کا واقعہ اس لحاظ پر زیادہ ہی دردناک ہے کہ میدان کربلا
میں دفاع تھا مخالفین کے کشتوں کے پشتے لگائے جا رہے تھے لیکن یہاں
دفاع بھی نہیں تھا۔ صبر وتحمل کا مظاہرہ اس طرح کیا جا رہا تھا کہ میں اپنی
جان کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں خون ریزی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

دوسرا سوال آپ کا مسجد کے متعلق تھا آپ نے بیس یا پچیس ہزار درہم سے
جگہ خرید کر مسجد میں شامل کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مسجد نبوی نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی
تھی جس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ پہلی حالت
پر ہی رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں زیادتی فرمائی لیکن جس طرح نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اسی طرح کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے

بنائی گئی اور وہی لکڑی کے ستون لگائے گئے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تعمیر فرمائی جس میں بہت زیادتی کی گئی۔ دیواریں اور ستون منقش پتھروں سے بنائے گئے اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنایا گیا۔

جس طرح آپ نے مسجد نبوی میں جگہ کو خرید کر شامل کیا اسی طرح مسجد حرام میں بھی جگہ خرید کر شامل کی۔ مرقاۃ میں ذکر کیا گیا ہے ابوالخیر قزوینی حاکمی نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں روایت نقل کی ہے۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ میں سے ایک شخص کو فرمایا اے فلاں شخص کیا تو اپنا مکان جنت میں میری ذمہ داری پر ایک مکان کے بدلے مجھ پر فروخت نہیں کرتا کہ میں اس جگہ کو مسجد حرام میں شامل کر کے اس کو وسیع کر دوں۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ اس مکان کے بغیر میرا اور کوئی مکان نہیں اگر میں اپنا یہ مکان تم پر فروخت کر دوں تو میرے لیے اور میرے اہل وعیال کے لیے مکہ میں اور کوئی پناہ گاہ نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا تم اپنا مکان مجھ پر فروخت کر دو تاکہ میں مسجد حرام میں زیادتی کر دوں اس کے بدلے میں تمہارے لیے جنت میں ایک مکان کا ذمہ دار ہوں۔ اس شخص نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی مجھے اس کی حاجت نہیں۔ جب یہ خبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ اس شخص کے گھر آئے وہ آپ کا زمانہ جاہلیت سے بڑا گہرا دوست تھا آپ نے اس سے مکان خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اگرچہ ابتداءً وہ انکار کرتا

رہا لیکن آپ کے اصرار پر آخر کار وہ شخص مکان فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا آپ نے وہ مکان اس سے دس ہزار دینار سے خرید لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ فلاں شخص کا مکان خرید کر مسجد حرام میں توسیع کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بدلے جنت میں مکان دینے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ اب یہ مکان میرا ہے کیا آپ مجھ سے یہ مکان جنت میں مکان کی ذمہ داری کے بدلے لینا چاہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ مکان لے لیا اور فرمایا جنت میں مکان کا میں ذمہ دار ہوں اور اس سودے پر تمام مومن گواہ ہیں۔ تیسرا سوال محاصرین سے یہ تھا کہ تم جانتے نہیں کہ میں نے جیش عسرہ کو تیار کیا تھا۔ جیش عسرہ سے مراد غزوہ تبوک میں جنگ کرنے والا لشکر کیونکہ عسرہ کا معنی تنگی، مشکل ہے۔

غزوۂ تبوک سخت گرمیوں کے موسم میں تھا، قحط سالی تھی مسلمانوں کے پاس زادِ راہ، پانی اور سواریوں کی قلت تھی ان وجوہات کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے اس غزوہ میں نکلنا بہت مشکل تھا اس لیے اس غزوہ میں شریک ہونے والے لشکر کا نام ہی جیش عسرہ ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کو اس لشکر کی تیاری، ترتیب پر برانگیختہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ

عَلَیَّ مِائَۃُ بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۝

یارسول اللہ ایک سو اونٹ مع سازوسامان کے اللہ کی راہ میں پیش کروں گا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا آپ نے عرض کیا:۔

عَلَیَّ مِائَتَا بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اللہ کی راہ میں دوسو اونٹ مع سازوسامان کے میں پیش کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا آپ نے عرض کیا:۔

عَلَیَّ ثَلٰثُمِائَۃِ بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۝

اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ مع سازوسامان کے میں پیش کروں گا۔

راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لا رہے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں۔

مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ

اس (عطا) کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اسے کوئی نقصان نہیں۔

دومرتبہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا

خیال رہے کہ بظاہر یہ سمجھ آرہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کل تین سو اونٹ پیش کئے اس طرح نہیں بلکہ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں

فَقَالَ عَلَیَّ مِائَتَا بَعِیْرٍ اَیْ غَیْرُ تِلْكَ الْمِائَةِ لَا بِانْضِمَامِهَا كَمَا يُتَوَهَّمُ ۝

آپ نے جب دوسو اونٹ پیش کرنے کی ذمہ داری لی یہ دوسو اونٹ ان سو اونٹوں کے علاوہ تھے جو آپ پہلے عرض کر چکے تھے جیسا عام طور پہ وہم ہوتا ہے کہ شائد پہلے سو اونٹوں کو ملا کر یہ دوسو ہوں گے ایسا نہیں۔

اسی طرح بعد میں جو تین سو اونٹ پیش کرنے کی ذمہ داری لی وہ پہلے تین سو اونٹوں کے علاوہ تھی۔

مرقاۃ میں ہے :-

فَفِی الْمَقَامِ الْاَوَّلِ ضَمِنَ مِائَۃً وَاحِدَۃً وَ فِی الثَّانِی مِائَتَیْنِ وَ فِی الثَّالِثِ ثَلٰثَمِائَۃٍ فَالْمَجْمُوعُ سِتَّمِائَۃٍ ۝

پہلی دفعہ سو کی ذمہ داری لی دوسری مرتبہ دوسو کی اور تیسری مرتبہ تین سو کی اس طرح تمام چھ سو اونٹوں کی آپ نے ذمہ داری قبول کی لیکن یہ چھ سو اونٹوں پر بھی اکتفا نہیں جیسے جیسے آپ ضرورت کا اندازہ لگاتے رہے اسی طرح آپ معاونت میں اضافہ فرماتے رہے۔

مرقاۃ میں ایک روایت اسی طرح نقل کی گئی ہے۔

قَالَ اَبُو عَمْرٍو جَھَّزَ عُثْمَانُ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ بِتِسْعِمِائَۃٍ وَّخَمْسِیْنَ بَعِیْرًا وَ اَتَمَّ الْاَلْفَ بِخَمْسِیْنَ فَرَسًا ۝

حضرت ابو عمرو کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں لشکر کی تیاری کے لیے نو سو پچاس اونٹ پیش کیے اور پچاس گھوڑے اس طرح آپ کے پیش کردہ اونٹ اور گھوڑے ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔!

ایک روایت میں ہے :-

جَاءَ عُثْمَانُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ فِیْ کُمِّہٖ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی۔

یہ روایات کا اختلاف نہیں بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو

مالی پیش کیا وہ کئی مرتبہ تھا آپ نے غزوہ تبوک میں جتنا مال اللہ کی راہ میں پیش کیا اسی طرح کہا گیا ہے۔

جَھَّزَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُلُثَ جَیْشِ الْعُسْرَۃِ ۝

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں حاضر ہونے والے لشکر کی ایک تہائی کو سواریاں اور سامان عطا کیا۔

غزوہ تبوک میں لشکر کی تعداد کو مرقاۃ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فِیْ کَمِّیَّۃِ رِجَالِ جَیْشِ الْعُسْرَۃِ رِوَایَتَانِ اِحْدٰھُمَا اَنَّھَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ رَجُلٍ وَالْاُخْرٰی اَنَّھَا عِشْرُوْنَ اَلْفًا ۝

غزوہ تبوک میں حاضر ہونے والے لشکر کی تعداد میں دو روایتیں ہیں ایک کے مطابق لشکر کی تعداد ستر ہزار افراد تھی اور دوسری کے مطابق بیس ہزار افراد تھے۔

کَانَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَّثَلٰثَۃَ عَشَرَ وَیَوْمَ اُحُدٍ سَبْعُ مِائَۃٍ وَیَوْمَ الْحُدَیْبِیَۃِ اَلْفٌ وَّخَمْسُ مِائَۃٍ وَ یَوْمَ الْفَتْحِ عَشَرَۃُ اٰلَافٍ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا ۝

(مرقاۃ)

بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے والے تین سو تیرہ تھے۔

احد میں شریک ہونے والے سات سو تھے۔

حدیبیہ میں شرکاء حضرات کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھے۔

حنین میں صحابہ کرام حاضر ہونے والے بارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
"مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ"

کا مطلب یہ ہے۔

لَا يَضُرُّهُ الَّذِیْ يَعْمَلُ فِیْ جَمِيْعِ عُمُرِهٖ بَعْدَ هٰذِهِ الْحَسَنَةِ (مرقاۃ)
آپ کو اس نیکی کے بعد پوری عمر کسی عمل سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّهَا مُكَفِّرَةٌ لِذُنُوْبِهِ الْمَاضِيَةِ مَعَ زِيَادَةِ سَيِّئَاتِهِ الْاٰتِيَةِ كَمَا وَرَدَ فِیْ ثَوَابِ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ ○

اعمال ماضیہ کے لیے کفارہ ہے اور آنے والے اعمال میں ثواب میں زیادتی ہو گی جس طرح جماعت سے نماز ادا کرنے پر ثواب پچیس گنا یا ستائیس گنا ملتا ہے۔ اس طرح آپ کے تمام اعمال کا ثواب کئی گنا زائد ہو گا۔

وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی بِشَارَةٍ لَّهٗ بِحُسْنِ الْخَاتِمَةِ ○
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم غیب کی وجہ سے آپ کو ان کے حسن خاتمہ کی بشارت دی یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب انجام اور خاتمہ کا علم ہو ورنہ ماضی کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے لیکن پوری عمر کے متعلق بغیر علم کے کہنا ممکن نہیں۔

ثبیر پہاڑ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما شہید حقیقی ہیں کہ وہ زخمی ہونے کے بعد ان زخموں کے اثرات سے ہی جلدی اس ظاہری حیات سے رحلت فرما گئے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر بھی شہید ہیں اس لیے کہ دونوں زہر کے اثر سے اس دنیا سے تشریف لے گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیہ نے خیبر میں زہر آلود گوشت دیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو موذی جانور نے غار ثور میں ڈسا تھا وہی زہر لوٹ آیا تھا۔

(اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے)

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَرَفِيْقِيْ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ ٥

(رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ شریف مناقب عثمان)

طلحہ بن عبید اللہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا رفیق ہے اور میرا رفیق یعنی جنت میں عثمان ہو گا۔

اس حدیث پاک میں نبی کریم نے فرمایا جنت میں آپ میرے ساتھی ہوں گے لیکن دوسرے حضرت یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اس سے نفی ثابت نہیں ہوتی۔

بیعت رضوان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَكَّةَ فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِّنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ ٥

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف، مناقب عثمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بیعت رضوان لی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے (وہاں موجود) تمام لوگوں نے بیعت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک عثمان اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی حاجت میں ہے آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان کی بیعت لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بہتر تھا بنسبت دوسرے حضرات کے ہاتھوں کے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کی بیعت کی۔

اس بیعت سے مراد خاص بیعت ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے دین کی خاطر آپ کے حکم سے ہم اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

تفسیر روح المعانی میں بیعت رضوان کی تفصیل اس طرح ذکر کی گئی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مقام حدیبیہ میں پہنچے تو آپ نے خراش بن امیہ خزاعی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ قریش کو بتاؤ کہ ہم عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے لیکن جب وہ قریش کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں آپ کو بھی شہید کرنا چاہتے تھے لیکن کچھ لوگوں کی ممانعت کی وجہ سے قریش نے ان کو واپس کر دیا۔

جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔

تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عمر کو بھیجیں لیکن حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ لوگ میری سختیاں اور عداوت کو جانتے ہیں اور میرے قبیلہ بنی عدی کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں۔ جو ان لوگوں کی مخالفت پر میری طرفداری کرے گا۔ اس لیے آپ وہاں حضرت عثمان کو بھیجیں کیونکہ ان کے قبیلہ کے لوگ وہاں موجود ہیں جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپ کی بات کو ان لوگوں تک پہنچا سکیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور فرمایا تم قریش کے پاس جاؤ اور ان کو بتاؤ کہ ہم عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے۔ اور آپ نے یہ حکم فرمایا انہیں دعوت اسلام دو۔ اور مکہ میں مومن مرد اور عورتوں کو بشارت دینا کہ اللہ تعالیٰ جلدی مکہ میں دین اسلام کا غلبہ کر دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں قریش کی طرف گئے آپ کو ابان بن سعید بن عاص ملا وہ اپنی سواری سے اترا اور آپ کو اپنی سواری پر بٹھایا اور آپ کو پناہ دی۔

آپ قریش کے پاس آئے اور ان کو خبر دی۔ لیکن قریش نے کہا اگر تم بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو تمہارے لیے اجازت ہے لیکن ہم باقی تمہارے ساتھیوں کو کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب

تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں۔

قریش نے آپ کو وہاں روک لیا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پاس یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت آپ نے صحابہ کرام سے بیعت لی۔

اعتراض

اس سے تو یہ پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ ہو سکا کہ حضرت عثمان کو شہید کیا گیا ہے یا نہیں اگر آپ کو حضرت عثمان کے شہید نہ ہونے کا علم ہوتا تو یہ بیعت نہ لی جاتی۔

جواب

یہ درست نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تمام حالات کا علم تھا اسی وجہ سے آپ نے حضرت عثمان کو فرمایا تھا کہ فتح مکہ کی مسلمانوں کو بشارت دینا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیعت لینے کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام وعدہ کریں ہم آپ کے ہر حکم کو تسلیم کریں گے۔ بھاگیں گے نہیں اگر جان قربان کرنی پڑی تو جان قربان کریں گے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر پر یقین کر لیا تھا کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے پھر آپ نے اپنے ہی دائیں ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے کر یہ کیوں فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ کو علم تھا کہ عثمان زندہ ہیں۔ اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ عثمان باوثوق آدمی ہیں وہ بھی اس بیعت کا پاس کریں گے جو دوسرے صحابہ کرام بیعت

کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں ذکر کی ہے۔

إشارة إلى تكذيب خبر مماته ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمان کی موت کی خبر جھوٹی ہے

اعتراض بیعت رضوان جس کیکر کے درخت کے نیچے کی گئی تھی جب لوگوں نے اس کے پاس تبرک کے طور پر نماز پڑھنی شروع کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹا دیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا منع ہے تو دیگر بزرگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا یقیناً بطریق اولیٰ منع ہو گا۔

جواب درخت کے کٹانے کی دو وجہ تفسیر روح المعانی میں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک وجہ بھی ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حصول تبرک سے منع کرنا مقصود تھا

پہلی وجہ والشجرة كانت سمرة والمشهور أن الناس كانوا يأتونها فيصلون عندها فبلغ ذلك عمر رضي الله تعالى عنه فأمر بقطعها خشية الفتنة بها لقرب الجاهلية وعبادة غير الله تعالى فيهم ۝

جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی وہ کیکر کا درخت تھا۔

مشہور یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے پاس آکر نمازیں (نوافل) پڑھنی شروع کر دیں۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ قوم فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے اس لیے کہ زمانہ جاہلیت کو گزرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور لوگ زمانہ جاہلیت میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے خیال کیا ایسا نہ ہو کہ اس درخت کو معبود بنا لیا جائے۔

دوسری وجہ وفي الصحيحين من حديث طارق بن عبد الرحمن قال انطلقت حاجا فمررت بقوم يصلون قلت ما هذا المسجد؟ قالوا هذه الشجرة حيث بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيعة الرضوان فأتيت سعيد بن المسيب فأخبرته فقال حدثني أبي أنه كان ممن بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت الشجرة قال فلما كان من العام المقبل نسيناها فلم نقدر عليها ثم قال سعيد إن أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يعلموها وعلمتموها أنتم فأنتم أعلم ۝

بخاری اور مسلم شریف میں طارق بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے انہوں نے کہا میں حج کرنے کے لیے گیا میرا ایک قوم سے گزر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھی۔ میں نے کہا اس جگہ کو مسجد بنانے یعنی یہاں نماز پڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی۔

راوی کہتے ہیں میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا میں نے
ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔ انہوں نے کہا مجھے میرے باپ نے حدیث
بیان کی ہے کہ وہ بھی ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ انہوں نے کہا
جب دوسرا سال آیا ہم اس درخت کو بھول گئے اس کو صحیح جاننے پر
ہم قادر نہ ہو سکے۔ پھر سعید نے کہا بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحابہ کرام اس درخت کو نہیں جانتے اور تم اس کو جانتے ہو۔ کیا تم
زیادہ علم رکھتے ہو۔

اس حدیث پاک سے درخت کے کاٹنے کی وجہ واضح ہو گئی۔
درخت کو کاٹنے کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے نہیں فرمایا
کہ لوگ اس سے تبرک نہ حاصل کریں بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس درخت
کا تعین ہی ختم ہو چکا تھا جب معلوم ہی نہ تھا کہ یہ وہی درخت ہے یا
کوئی اور ہے۔ اس طرح اس کا کاٹنا حکمت کے تقاضا کے مطابق تھا کیونکہ
وہ درخت تو نامعلوم ہو چکا تھا تو دوسرے درخت سے تبرک حاصل ہی کیسے کیا
جاسکتا تھا۔ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جواز پر سلف
صالحین کا اجماع ہے اسی وجہ سے مسلم شریف کی شرح میں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ)
نے بیسیوں مقامات پر ذکر فرمایا التبرک بآثار الصالحین مستحب۔ آثار صالحین
سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنوں کی خبر دینا

عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا عثمان انہ لعل اللہ یقمصک قمیصا فان ارادوک علی خلعہ فلا تخلعہ لہم ○

(رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ شریف، مناقب عثمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اے عثمان بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے گا اگر لوگ تم سے اتارنے
کا ارادہ کریں تو اس کو نہ اتارنا۔

قمیص پہنانے سے مراد خلافت ہے کیونکہ بلاغت میں مجازات عام
طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

قمیص اتارنے سے مراد خلافت سے معزول کرنا۔

شارح نے مرقاۃ میں اس طرح بیان فرمایا:۔

اِنْ قَصَدُوْا عَزْلَكَ فَلَا تَعْزِلْ نَفْسَكَ عَنِ الْخِلَافَةِ لِاَجْلِهِمْ لِكَوْنِكَ عَلَى الْحَقِّ وَكَوْنِهِمْ عَلَى الْبَاطِلِ وَفِيْ قَبُوْلِ الْخَلْعِ اِيْهَامٌ وَتُهْمَةٌ ○

اگر لوگ آپ کو معزول کرنے کا ارادہ کریں تو تم خلافت سے دستبردار نہ ہونا اس لیے کہ تم حق پر ہوگے وہ باطل پر۔ خود بخود معزولیت کو قبول کرنے میں تہمت ہوگی اور وہم ہوگا کہ شاید معاذ اللہ آپ باطل پر تھے اسی وجہ سے آپ نے معزولیت کو قبول کر لیا:۔

وعن ابن عمر قال ذَكَرَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِتْنَةً فَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْهَا مَظْلُوْمًا لِعُثْمَانَ ○

(رواہ الترمذی مشکوۃ شریف مناقب عثمان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو آپ نے حضرت عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس کو ان فتنوں میں ظلماً شہید کر دیا جائے گا۔

سبحان اللہ کیسا ہے علم اللہ کے پیارے حبیب علیہ السلام کا جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا اسی طرح حرف بحرف ہو کر رہا۔

عن ابی سہلۃ قال قال لی عُثْمَانُ يَوْمَ الدَّارِ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ عَهِدَ اِلَيَّ عَهْدًا وَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ ○

(رواہ الترمذی مشکوۃ شریف مناقب عثمان)

ابو سہلہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے آپ نے مجھے فرمایا۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لیا ہے میں اس پر صابر ہوں۔

پہلی حدیث میں جو ذکر ہوا ہے اسی طرف اس میں اشارہ ہے یعنی خلافت کا لباس تمہارے زیب تن کیا جائے گا۔ باطل راہ پر چلنے والوں کی مرضی سے تم نے اسے اتارنا نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کو قبول فرما لیا لیکن آپ نے نہ قتال کا حکم فرمایا اور نہ ہی آپ نے خلافت سے دستبردار ہونے کو قبول کیا۔

عن ابی موسی الاشعری قال كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْ بَكْرٍ فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا عُمَرُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِيْ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ قَالَ اللهُ الْمُسْتَعَانُ ○

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف مناقب ھؤلاء الثلاثۃ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھا (باغ کے دروازے پر تھا) ایک شخص آیا جس نے دروازہ کھولنے کو کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لیے دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی خوشخبری دے دو۔ میں نے اس شخص کے لیے دروازہ کھول دیا وہ آنے والے ابو بکر تھے میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بشارت دے دی تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اس کی حمد کی۔ پھر ایک اور شخص آگئے جنہوں نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لیے دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ میں نے جب اس شخص کے لیے دروازہ کھولا تو وہ عمر تھے میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خبر دے دی۔ انہوں نے اللہ کا شکر بجا لاتے ہوئے اس کی حمد کی۔

پھر ایک اور شخص آگئے جنہوں نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لیے دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو اور ساتھ ہی عظیم مصیبتوں میں مبتلا ہونے کی بھی بشارت دے دو۔ پس وہ آنے والے حضرت عثمان تھے میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خبر دے دی

آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی حمد بیان کی اور کہا تمام مصائب و آلام میں اللہ تعالیٰ سے ہی امداد طلب کی جاتی ہے۔ یعنی وہ حامی و ناصر ہے کہ وہ ایسے وقت میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے

اس حدیث پاک سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری دروازہ پر دربان کی حیثیت سے کھڑے تھے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دربان نہیں ہوا کرتے تھے اس کی کیا وجہ ہے؟

شارحین نے اس کی دو وجہ بیان کی ہیں ایک یہ کہ شروع میں باغ کے دروازے پر آپ کو اس لیے کھڑا کیا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء حاجت فرمائی تھی اور استنجا کرنا تھا۔

بعد میں خود ہی حضرت ابو موسیٰ وہاں کھڑے رہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عادت دروازہ پر اس لیے ان کو کھڑا کیا تھا کہ یہ خصوصی خوشخبری آنے والوں کو دینی تھی یہ اسی وقت ہو سکتی تھی جب کوئی شخص دروازہ پر ہو اور آنے والا دروازہ کھولنے کی درخواست کرے اور اس کو جنت کی خوشخبری دی جائے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس وقت معلوم ہوتا ہے
جب آپ دروازہ کھولتے ہیں کہ یہ حضرت ابو بکر ہیں اور یہ حضرت
عمر ہیں اور یہ حضرت عثمان ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں
ایک کوئیں پر تشریف فرما ہیں (جیسا کہ دوسری حدیث سے واضح ہے)
وہاں سے آپ کو علم ہے آنے والا کون ہے اور اس کے موت تک
اعمال کیسے ہوں گے کیونکہ جنت کی خوشخبری اسی وقت دی جاسکتی ہے
جب موت تک اعمال ایسے ہوں جو جنت میں جانے کا سبب
بن سکیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنوں میں مبتلا ہونے کو بھی آپ
جانتے ہیں اور یہ بھی آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان بہت عظیم فتنوں
کی وجہ سے کئی دن تک محصور رہیں گے اور آپ کے معاونین قلیل
ہوں گے کیونکہ آپ کی تخصیص کی وجہ ہی یہ ہے ورنہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا گیا لیکن آپ پر اچانک حملہ کرکے آپ کو
شہید کیا گیا اسی وجہ سے آپ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جس طرح جنت کی بشارت دی گئی اسی طرح
مصائب اور فتن کی بھی بشارت دی گئی۔ لِاَنَّ الْبَلَاءَ نِعْمَةٌ عِنْدَ اَرْبَابِ
الْوِلَایَةِ (مرقاۃ) اللہ تعالیٰ سے قرب خاص رکھنے والے مصائب و آلام اور
آزمائشوں کو اپنے لیے نعمت سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے
قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والا مومن
بغض رکھنے والا منافق

عن زر بن حبیش قال قال علی رضی اللہ عنہ وَالَّذِیْ فَلَقَ
الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهٗ لَعَهْدُ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ صلی اللہ علیہ وسلم
اِلَیَّ اَنْ لَا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ ۝

(رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف مناقب علی)

زر بن حبیش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے نباتات کو پیدا کیا اور ہر ذی روح
چیز کا وہ خالق ہے بیشک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بڑی تاکید
سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوائے مومن کے کوئی محبت نہیں کرے گا
اور سوائے منافق کے کوئی بغض نہیں رکھے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت وہ محبت معتبر ہے جو شرعاً
معتبر ہوگی۔

اسی وجہ سے شارح نے یہ ذکر کیا۔

فَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاَبْغَضَ الشَّیْخَیْنِ مَثَلًا فَمَا اَحَبَّهٗ حُبًّا مُعْتَبَرًا فَاعْرِفْ ۝ (مرقاۃ)

جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویدار ہو لیکن حضرت
ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتا ہو وہ

محبت شریعت میں مردود ہے لہٰذا وہ شخص مومن کہلانے کا حقدار نہیں ۔!

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہا گیا ہے ۔

استاذ المحققین استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہنے کی چار وجہ ہیں ۔

ایک وجہ یہ ہے کہ ام کا معنی اصل ہے ۔ آپ کو امی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ اصل الکائنات ہیں اگر آپ نہ ہوتے تو یہ کائنات معرض وجود میں نہ آتی جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے ۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ ٥

اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زمین و آسمان کا نظم و نسق قائم نہ کیا جاتا ۔ خیال رہے کہ اس حدیث پاک کو مولانا حسین احمد صاحب مدنی اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں اس طرح نقل کرتے ہیں ۔

غرض کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیان ہیں یہی معنی لولاک لما خلقت الافلاک اور اول ما خلق اللہ نوری اور انا نبی الانبیاء وغیرہ کے ہیں اس احسان وانعام میں جملہ عالم شریک ہے ۔

دوسری وجہ یہ ہے اُمّی لیا گیا ہے اُمُّ الْكِتَابِ سے ام الکتاب کا معنی لوح محفوظ ہے ۔

آپ کو امی اس لیے لقب عطا کیا گیا کہ آپ کو لوح محفوظ کا علم عطا

کیا گیا ہے ۔!

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے مروی ہے :-

رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ٥

(مشکوٰۃ شریف باب المساجد)

میں نے اپنے اللہ عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا جس کی برودت میں نے اپنے دل میں پائی تو تمام زمین و آسمان کی چیزوں کو میں نے جان لیا ۔

اس حدیث پاک کی شرح میں شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا :

عبارت است از حصول تمام علوم جزئی و کلی واحاطہ آں ۔

یہ حدیث تمام جزئی اور کلی علوم کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کا ذکر ہے ۔

اسی طرح خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے تحت تمام تفاسیر میں ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان وما یکون کا بیان سکھایا ۔

میں نے اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں کئی تفاسیر کے حوالے پیش کیے ہیں۔

یہاں صرف تفسیر جمل کے حوالہ پر اکتفار کیا جاتا ہے۔ تفسیر جمل میں اس طرح مذکور ہے۔

وَقِيْلَ اَرَادَ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِيْ بَيَانَ مَا يَكُوْنُ وَمَا كَانَ لِاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم يُنَبِّئُ عَنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بیان کیا گیا ہے کہ انسان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علم البیان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ماکان و مایکون کا علم دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پہلے اور آنے والے لوگوں کے حالات سے مطلع فرمایا گیا اور واقعاتِ قیامت کا علم آپ کو عطا فرما دیا گیا۔!

مولانا بحر العلوم عبد العلی لکھنوی میر زاہد کے حاشیہ کے خطبہ میں فرماتے ہیں

عَلَّمَهٗ عُلُوْمًا مَا احْتَوٰى عَلَيْهِ الْقَلَمُ الْاَعْلٰى وَمَا اسْتَطَاعَ عَلٰى اِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهٗ مِنَ الْاَزَلِ وَلَمْ يُوْلَدْ اِلَى الْاَبَدِ فَلَيْسَ لَهٗ مِنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عطا فرمائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جن کے احاطہ کرنے پر لوح محفوظ اپنی وسعت کے ہونے کے باوجود قادر نہیں۔ زمانہ میں ازل سے ابد تک نہ آپ

جیسا کوئی پیدا ہوا اور نہ ہو گا۔ زمین و آسمان میں آپ کی مثل کوئی نہیں۔

تنبیہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوح محفوظ کا علم حاصل ہے اس سے شرک لازم آ جائے گا۔ یہ خیال باطل، فاسد، بے بنیاد ہے، اس لیے شرک اس وقت لازم آئے گا جب یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی فقط لوح محفوظ کا علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو سوائے لوح محفوظ کے اور کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہیں پھر تو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں برابری کا احتمال ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے وہ حدوں سے پاک ہے۔ لوح محفوظ میں جو کچھ مکتوب و مذکور ہے وہ محدود ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے ضد، عناد اور حسد کی وجہ سے لوگوں میں سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔

خدا کی قسم کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اگر بالفرض کوئی شخص اپنی حماقت وجہالت کی وجہ سے یہ کہہ ہی دے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے لیکن وہ یہ فرق کرے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے پھر بھی اس شخص کو جاہل و احمق کہنا تو

ممکن ہے لیکن مشرک کہنا مشکل ہے۔ شرک اس وقت لازم آئے گا جب
غیر خدا کو خدا کی صفات میں ہر طرح برابر شریک مانا جائے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام مخلوق (سوائے انبیاء کرام کے) کا علم جمع
کر کے کسی بھی نبی کے علم سے موازنہ، مقابلہ کیا جائے تو جمیع کائنات
کا جمع شدہ علم ایک قطرہ کی مثال ہو گا اور نبی کا علم سمندر کی مثال اور
تمام انبیاء کرام کے علم کو جمع کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے
مقابلہ کیا جائے تو جمیع انبیاء کرام کا علم ایک قطرہ کی مثال اور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سمندر کی مثال ہو گا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے علم کا اللہ تعالیٰ کے علم سے مقابلہ کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا علم ایک قطرہ کی مثال ہو گا۔

خیال رہے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں اللہ
تعالیٰ کے علم کو سمندر کی مثال کہنا بھی دشوار ہے اس لیے کہ سمندر کی حد
ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی حد نہیں۔

اتنا عظیم فرق ہونے کے باوجود اگر شرک کہہ دیا جائے تو اس کا
دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو محدود کرنا اور
اسے کم کرنا لازم آئے گا۔ اس کے بغیر صرف زبانی دعویٰ تو ممکن ہے
لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے علم کو غیر محدود بھی مانا جائے اور ذاتی بھی۔ اور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محدود اور عطائی ماننے کے باوجود شرک لازم
آتا ہے اس دعویٰ کو دلیل سے ثابت کرنا محال ہے۔

تیسری وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی کہنے کی یہ ہے کہ
امی ماخوذ ہے ام القریٰ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا ہے آپ کی
پیدائش چونکہ مکہ مکرمہ میں ہوئی اس مناسبت کی وجہ سے آپ کو امی
کہا گیا ہے کہ آپ ام القریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ سب سے پہلے زمین
کی ابتداء مقام کعبہ سے ہوئی اور روئے زمین پر سب سے پہلے بننے
والا گھر کعبہ شریف ہے۔

اسی وجہ سے مکہ کو ام القریٰ یعنی سب شہروں کا اصل کہا گیا ہے
روح المعانی میں اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کے ماتحت کہا گیا تھا
ذَهَبَ اَكْثَرُ اَهْلِ الْاَخْبَارِ اَنَّ الْاَرْضَ دُحِيَتْ مِنْ تَحْتِهِ

اکثر اہل اخبار نے یہ کہا ہے کہ زمین کے پھیلنے کی ابتداء وہاں سے
ہوئی جہاں کعبہ شریف ہے۔

سب سے پہلے روئے زمین پر بننے والا مکان کعبہ شریف ہے
اس کے متعلق روح المعانی میں کہا گیا ہے۔

حُکِیَ اَنَّ بِنَاءَ الْمَلٰئِکَۃِ لَہٗ کَانَ مِنْ یَاقُوْتَۃٍ حَمْرَاءَ ثُمَّ بَنَاہُ اٰدَمُ ثُمَّ شِیْثُ ثُمَّ اِبْرَاھِیْمُ ثُمَّ الْعَمَالِقَۃُ ثُمَّ جُرْھُمُ ثُمَّ قُصَیٌّ ثُمَّ قُرَیْشٌ ثُمَّ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الزُّبَیْرِ ثُمَّ الْحَجَّاجُ ○

بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ شریف کی سب سے پہلے تعمیر فرشتوں نے سرخ رنگ کے یاقوت سے کی پھر آدم علیہ السلام نے پھر شیث علیہ السلام نے پھر ابراھیم علیہ السلام نے پھر قوم عمالقہ نے پھر قبیلہ جرھم نے پھر قصی نے پھر قریش نے پھر عبداللّٰہ بن زبیر نے پھر حجاج بن یوسف نے تعمیر کی۔

چوتھی وجہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہنے کی یہ ہے کہ آپ کا کوئی استاذ نہیں جس سے آپ نے پڑھا ہو اور اس کے سامنے زانوئے تلمذ خم کیا ہو۔ کسی استاذ سے نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ کائنات عالم میں آپ جیسا بھی کوئی نہیں چہ جائیکہ آپ سے شان کے لحاظ پر کوئی بلند ہو۔ اگر آپ کا کوئی استاذ ہوتا تو وہ شان کے لحاظ پر آپ سے بلند مرتبہ رکھتا اس وجہ سے آپ کو بغیر کسی استاذ کے مالک الملک نے خود ہی ان علوم سے بہرہ ور فرمایا کہ جمیع علماء فضلاء وکلا، دانشوروں، فلاسفہ، قضاۃ، صلحاء، نجباء، اولیاء انبیاء کرام کے مجتمع علوم آپ کے علم کے سامنے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و محب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ دَافِعٌ غَدًا اِلٰی رَجُلٍ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَیُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یُفْتَحَ عَلَیْہِ ○ (مرقاۃ مناقب علی)

(خیبر کے دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں اس شخص کو جھنڈا دے کر میدان جنگ میں بھیجوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا یہاں تک کہ اللہ فتح عطا فرمائے گا۔

دوسری حدیث پاک میں ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ جب صبح صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر تھے کُلُّھُمْ یَرْجُوْنَ اَنْ یُعْطَاھَا ○

ہر ایک صحابی خواہش رکھتا تھا کہ یہ جھنڈا مجھے عطا کیا جائے۔

اس کی وجہ یہ تھی اَنْ یُعْطَاھَا اَیِ الرَّایَۃَ الَّتِیْ ھِیَ اٰیَۃُ الْفَتْحِ ○ اس لیے کہ

سب صحابہ کرام کو یقین تھا کہ جس کو بھی آپ نے جھنڈا عطا فرمایا اسی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو بات صادر ہوئی وہ ہو کر رہے گی۔

فَقَالَ اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَشْتَکِیْ عَیْنَیْهِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَیْهِ فَاُتِیَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْهِ فَبَرَاَ حَتّٰی کَاَنْ لَمْ یَکُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّایَةَ ۝

(مشکوٰۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی بن طالب کہاں ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو بلاؤ جب ان کو آپ کے پاس لایا گیا ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا وہ تندرست ہو گئے گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو جھنڈا عطا فرمایا۔

شارح نے اس مقام پر فرمایا:۔

فِیْهِ اَنَّهٗ وَقَعَ فِیْ هٰذَا الْمَقَامِ مُرَادًا وَغَیْرُهٗ مُرِیْدًا فَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ وَفِیْ اِعْطَاءِ الْعَزِیْزِ لِمَنْ یُرِیْدُ (مرقاۃ)

اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد تھے مرید نہیں تھے یعنی آپ نے اپنی بیماری کی وجہ سے خواہش ہی نہیں کی کہ آپ کو جھنڈا عطا کیا جائے لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب کر کے جھنڈا عطا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام و اکرام تھا وہ اپنے امور میں مستقل ہے کسی کا محتاج نہیں جسے چاہے زیادہ سے زیادہ انعامات سے نواز دے یہ اس کی اپنی مرضی اور اس کا فضل و احسان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خیبر میں کرامات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع نے بیان فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر روانہ فرمایا ہم بھی آپ کے ساتھ چلے جب قلعہ کے قریب پہنچے قلعہ والے باہر نکلے اور انہوں نے لڑائی شروع کر دی۔ ایک یہودی نے آپ پر حملہ کیا جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے پاس پڑے

ہوئے دروازے کو اٹھا کر اپنی ڈھال بنا لیا فتح تک وہی دروازہ
آپ بطور ڈھال استعمال فرماتے رہے۔ فارغ ہونے کے بعد آپ
نے وہ دروازہ اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دیا (راوی کہتے ہیں) ہم آٹھ
آدمیوں نے مل کر اس دروازہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے
(مرقاۃ)۔ ــــــــــــــ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے
دن آپ نے ایک دروازہ کو اٹھایا جس کے اوپر چڑھ کر مسلمانوں نے
قلعہ کے دروازے کھولے اس کے بعد چالیس آدمی اسے نہ اٹھا سکے
۔ (مرقاۃ بحوالہ مسند امام احمد)

ــــــــــــــــــــــــ

حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کا دروازہ ہیں

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ○

(رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف مناقب علی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ
ہیں۔ ایک روایت میں انا دار الحکمۃ کی جگہ أنا مدینة العلم ہے۔
اور ایک روایت أنا دار العلم ہے (معنی تمام کا ایک ہی ہے) ایک
روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِهِ مِنْ بَابِهِ ۔
جو شخص علم حاصل کرنا چاہے وہ دروازہ سے آئے۔

اس حدیث پاک پر کئی حضرات نے مختلف طرح بحث کی ہے۔
ذہبی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔
ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔
حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے۔

قال الحافظ ابو سعید العلائی اَلصَّوَابُ اَنَّهُ حَسَنٌ بِاِعْتِبَارِ طُرُقِهِ
لَا صَحِيحٌ وَلَا ضَعِيفٌ فَضْلًا عَنْ اَنْ يَكُوْنَ مَوْضُوْعًا ○

ــــــــــــــ (مرقاۃ)

حافظ ابو سعید علائی نے کہا ہے درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے بیان ہونے کی وجہ سے حسن ہے نہ صحیح ہے اور نہ ضعیف۔ چہ جائیکہ موضوع ہو یعنی جب ضعیف سے بھی اوپر درجے کی حدیث ہے تو موضوع کہنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ موضوع من گھڑت کو کہتے ہیں۔

سُئِلَ الْحَافِظُ الْعَسْقَلَانِيُّ عَنْهُ فَقَالَ إِنَّهُ حَسَنٌ لَا صَحِيحٌ كَمَا قَالَ الْحَاكِمُ وَلَا مَوْضُوعٌ كَمَا قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ ○

حافظ عسقلانی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ نہ صحیح ہے۔ جس طرح حاکم نے کہا ہے اور نہ موضوع ہے جیسے ابن جوزی نے کہا ہے۔

اس حدیث پاک کی وضاحت شارح مرقاۃ میں اس طرح فرماتے ہیں:-

وَالْمَعْنٰى عَلِيٌّ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِهَا وَلٰكِنَّ التَّخْصِيصَ يُفِيدُ نَوْعًا مِنَ التَّعْظِيمِ وَهُوَ كَذٰلِكَ لِأَنَّهُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى بَعْضِ الصَّحَابَةِ أَعْظَمُهُمْ وَأَعْلَمُهُمْ ○

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں لیکن آپ کا خصوصی ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو بعض صحابہ کرام پر عظمت اور علم میں فوقیت حاصل ہونے کی وجہ سے ایک خاص قسم کی تعظیم حاصل ہے۔

ورنہ تمام صحابہ کرام علم کے دروازے ہیں۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ ○

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

اگرچہ سب صحابہ کرام کو آپ نے ستاروں سے تشبیہ دی ہے لیکن ہدایت حاصل کرنے میں مراتب انوار مختلف ہیں۔

اس سے بھی واضح ہے کہ تابعین نے علوم شریعت یعنی قراءۃ، تفسیر، حدیث، فقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور صحابہ کرام سے بھی حاصل کئے۔ معلوم ہوا کہ علم کا دروازہ ہونا صرف آپ میں مسدود نہیں بلکہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہے کسی کو زائد کسی کو کم۔ البتہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خصوصیت قضاء میں حاصل ہو۔ یعنی آپ قاضی ہونے میں باقیوں سے فوقیت رکھتے ہوں۔

کوئی عمل صحابیت کے مساوی نہیں

مسلم شریف باب تحریم سب الصحابہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَضِيْلَةُ الصُّحْبَةِ وَلَوْ لَحْظَةً لَا يُوَازِيْهَا عَمَلٌ وَلَا يُنَالُ دَرَجَتَهَا بِشَيْءٍ وَالْفَضَائِلُ لَا تُؤْخَذُ بِقِيَاسٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ٥

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لحظہ بھر صحبت کا حاصل ہونا وہ فضیلت رکھتا ہے جس کے برابر کوئی عمل بھی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی صحابیت کے درجہ کو کوئی اور عمل حاصل کر سکتا ہے۔ فضائل کا دار ومدار عقل پر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دے۔

وَقِيْلَ لِلْإِمَامِ الْجَلِيْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ اَمُعَاوِيَةُ اَفْضَلُ اَمْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ غُبَارُ فَرَسِ مُعَاوِيَةَ اِذَا غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ (نبراس)

بزرگ امام حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ہے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟

آپ نے جواب دیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو جہاد کیے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہونے والے گھوڑے سے اٹھنے والا گرد وغبار بھی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقام معاویہ و یزید

سَبَّهُ (ای معاویة) رَجُلٌ عِنْدَ خَلِيْفَةِ الرَّاشِدِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَجَلَدَهُ وَقَالَ آخَرُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَزِيْدُ فَجَلَدَهُ ٥ (نبراس)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کے پاس کسی شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں آپ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

ایک اور دوسرے شخص نے کہا امیر المومنین یزید آپ نے اسے بھی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ جلیل القدر ہونے کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب التعظیم تھے لیکن یزید اپنی حقارت، ظلم کی وجہ سے امیر المومنین کہلانے کا حقدار نہیں تھا اسی وجہ سے یزید کی تعظیم کرنے والے اور یزید کو امیر المومنین کہنے والے کو آپ نے سزا کا حکم دیا۔

تنبیہ | یہ ذکر کیا جا رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو"

یہ آپ کا ارشاد عجز و انکساری پر مبنی ہے ورنہ آپ نے جہاں حقیقت حال کا ذکر فرمایا وہاں فرمایا میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات ہیں جو آپ نے عاجزی کے طور پر فرمائے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاجزانہ کلام

عن انس بن مالك قال جاءَ رجلٌ الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فقال ذاكَ اِبْرَاهِيْمُ عليه السلام ٥ (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس نے آپ کو یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ (اے تمام مخلوق سے بہتر) کہا آپ نے فرمایا یہ تو ابراھیم علیہ السلام ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

قَالَهُ تَوَاضُعًا وَاِكْرَامًا لِكَوْنِهِ اَبَاهُ اَوْ لِاَنَّهُ اَمَرَنَا بِاتِّبَاعِهِ اَوْ قَبْلَ الْعِلْمِ بِاَنَّهُ اَفْضَلُ مِنْهُ ٥

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی عاجزانہ ہے اور ابراھیم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے لیے اس لیے کہ وہ آپ کے آباؤ اجداد سے ہیں۔ یا آپ نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے کا حکم دینے کے لیے یہ فرمایا ہو کہ وہ خیر البریۃ ہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم ان کی اتباع کرو۔

یا ہو سکتا ہے کہ آپ کا علم اللہ کی عطا سے تدریجی ہے آپ کا یہ ارشاد پہلے ہو اور آپ کو تمام مخلوق سے اپنی افضلیت کا علم بعد میں عطا فرمایا ہو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمایا:۔

اِنَّمَا قَالَ صلى الله عليه وسلم هٰذَا تَوَاضُعًا وَاحْتِرَامًا لِاِبْرَاهِيْمَ صلى الله عليه وسلم لِخُلَّتِهِ وَاُبُوَّتِهِ وَاِلَّا فَنَبِيُّنَا صلى الله عليه وسلم اَفْضَلُ كَمَا قَالَ صلى الله عليه وسلم اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ ٥

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی کے طور پر یہ ارشاد فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کے خلیل اور آپ کے جدامجد ہونے کے احترام کے پیش نظر آپ نے فرمایا ورنہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں جیسے آپ نے فرمایا میں تمام کائنات کا سردار ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال قیل یا رسول اللہ من اکرم الناس قال اتقاھم فقالوا لیس ھذا نسألک قال فیوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ○

(مسلم شریف جلد ثانی کتاب الفضائل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ سب لوگوں سے زیادہ مکرم کون ہے آپ نے فرمایا جو تمام سے زیادہ متقی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا سب سے زیادہ مکرم یوسف علیہ السلام ہیں جو اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کے نبی کے بیٹے اور اللہ کے خلیل کے پوتے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام بھی عجز وانکساری پر مبنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت حال بیان فرمانا

(قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر ○

(رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نزدیک تمام کائنات کے پہلے اور پچھلے آنے والوں سے زیادہ مکرم ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

● ——— انا اکرم ولد آدم ○

(رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ شریف۔ باب فضائل سید المرسلین)

آپ نے ارشاد فرمایا میں تمام اولاد آدم یعنی مخلوق سے زیادہ مکرم ہوں

● ——— انا قائد المرسلین ولا فخر ○

(رواہ الدارمی مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین)

میں تمام رسولوں کا قائد ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

● ——— انا مقدمھم فی الاخرۃ ○ (مرقاۃ)

یعنی میں آخرت میں تمام انبیاء کرام سے آگے ہوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاجزانہ کلام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ وَیَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ یَاْوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ لُبْثِ یُوْسُفَ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ ○

(مسلم شریف، جلد اول، کتاب الایمان، باب زیادة طمانینة القلب بتظاہر الادلۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کس طرح مردے زندہ فرمائے گا۔ فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے آپ ایک مضبوط پائے کی پناہ تلاش کر رہے تھے۔ اور اگر میں یوسف علیہ السلام کی طرح زیادہ دیر قید خانہ میں رہتا تو دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انبیاء کرام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

جب آیۃ کریمہ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (رب نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں) نازل ہوئی تو ایک گروہ نے کہا ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شک نہیں فرمایا۔ اس وقت حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْهُ ہم بنسبت ان کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے۔

اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت بیان فرمائی لیکن اس کا سبب اپنا عجز و انکسار بیان کرنا تھا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اِنَّمَا رَجَّحَ اِبْرَاهِیْمَ عَلٰی نَفْسِهٖ صلی الله علیه وسلم تَوَاضُعًا وَّ اَدَبًا ○

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اپنے آپ پر عاجزی اور ادب کے پیش نظر ترجیح دی۔

اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیاء کرام کا شک کرنا محال ہے

خیال رہے اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے بلکہ اس حدیث پاک کا مطلب بیان کردہ ترجمہ سے بھی واضح ہو رہا ہے تاہم زیادتی وضاحت کے لیے علامہ نووی کا قول بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ کے معنی بیان کرنے میں علما کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابوابراہیم مزنی صاحب شافعی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

مَعْنَاهُ اَنَّ الشَّكَّ مُسْتَحِيْلٌ فِيْ حَقِّ اِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّ الشَّكَّ فِيْ اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى لَوْ كَانَ مُتَطَرِّقًا اِلَى الْاَنْبِيَاءِ لَكُنْتُ اَنَا اَحَقَّ بِهٖ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ وَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ لَمْ اَشُكَّ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَشُكَّ ۝

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے شک واقع ہو سکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے میں شک کرنے کا زیادہ حق رکھتا۔ اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں۔ تمہیں یقیناً اس کا علم ہونا چاہیے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کی سترہ وجہ بیان فرمائی ہیں، لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار وجہ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ یہ ظاہر و واضح ہیں اور باقی وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ آپ کو پہلے علم استدلالی حاصل تھا اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علم ضروری حاصل ہو جائے۔

اس لیے کہ امام ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں۔

لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے۔ جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی کے لیے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوگا البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں لہذا تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے۔ اس صورت میں اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے تم میرے پسندیدہ ہو اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اس لیے کیا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو جائے۔ کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ عین الیقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن علم الیقین میں مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

چوتھی وجہ جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے اللہ

تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کر میں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔

تنبیہ اس حدیث پاک سے بعض فاسد اذھان نے یوں سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا جس طرح ایک اور حدیث سے بعض حضرات کو مغالطہ ہوا کہ معاذاللہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔ حالانکہ حدیث پاک کو سمجھنے سے وہ لوگ قاصر رہے۔

جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہو سکتا

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ سمجھ آسکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَمْ یَکْذِبْ اِبْرٰھِیْمُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ ثِنْتَیْنِ فِیْ ذَاتِ اللہِ قَوْلُہٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُہٗ بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا وَقَالَ بَیْنَا ھُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَّسَارَۃُ اِذْ اَتٰی عَلٰی جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَۃِ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّ ھٰھُنَا رَجُلًا مَّعَہُ امْرَاَۃٌ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَسَاَلَہٗ عَنْھَا مَنْ ھٰذِہٖ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰی سَارَۃَ فَقَالَ لَھَا اِنَّ ھٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ یَّعْلَمْ اَنَّکِ امْرَاَتِیْ یَغْلِبْنِیْ عَلَیْکِ فَاِنْ سَاَلَکِ فَاَخْبِرِیْہِ اَنَّکِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ لَیْسَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَیْرِیْ وَغَیْرُکِ فَاَرْسَلَ اِلَیْھَا فَاُتِیَ بِھَا قَامَ اِبْرٰھِیْمُ یُصَلِّیْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَیْہِ ذَھَبَ یَتَنَاوَلُھَا بِیَدِہٖ فَاُخِذَ وَیُرْوٰی فَغُطَّ حَتّٰی رَکَضَ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ اُدْعِی اللہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللہَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَھَا الثَّانِیَۃَ فَاُخِذَ مِثْلَھَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ اُدْعِی اللہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللہَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِہٖ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَیْتَنِیْ بِشَیْطَانٍ فَاَخْدَمَھَا ھَاجَرَ فَاَتَتْہُ وَھُوَ

قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فَاَوْمَاَ بِیَدِہٖ مَھْیَمْ قَالَتْ رَدَّ اللہُ کَیْدَ الْکَافِرِ فِیْ نَحْرِہٖ وَاَخْدَمَ ھَاجَرَ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ تِلْکَ اُمُّکُمْ یَا بَنِیْ مَاءِ السَّمَاءِ ۝

(متفق علیہ مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ ایک آپ کا قول "انی سقیم" میں بیمار ہونے والا ہوں اور دوسرا آپ کا قول "بل فعلہ کبیرھم ھذا" ان کے اس بڑے نے کیا ہو گا۔ اور ان سے تیسرا قول جب آپ نمرود کی ہلاکت کے بعد فلسطین کی طرف ہجرت کے دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ کا ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ایک جابر، ظالم شخص مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے۔

اس کے سوال پر آپ نے فرمایا یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے ان کو کہا اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس

کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو اس لیے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو
کیونکہ تمام روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں اس
ظالم نے حضرت سارہ کے پاس اپنا قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلا
لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع
فرما دی. حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچی اس نے آپ کی
طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آگیا پاگلوں کی
طرح اس کا گلا گھونٹ گیا منہ سے جھاگ بہنے لگی ایڑیاں رگڑنے لگا
اس نے حضرت سارہ کو کہا تم میرے لیے دعا کرو میں تمہیں کوئی
تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ درست ہو
گیا۔ پھر اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی اس کا وہی حال
ہوا بلکہ پہلے سے اس کا زیادہ بُرا حال ہوا۔ اس نے پھر کہا تم میرے
لیے دعا کر دیں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ
سے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور
کہا تم نے میرے پاس کسی انسان کو نہیں لایا بلکہ کسی جن کو لے آئے
ہو۔ اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا
دیا (حضرت ہاجرہ روم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں ان سے بھی اس ظالم سے
ایسا ہی ہوا تھا اس لیے اس نے کہا ان دونوں کو یہاں سے نکال دو یہ
انسان نہیں بلکہ یہ جن ہیں)

حضرت سارہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس

آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے
سے پوچھا کیسا حال ہے۔ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اسی
کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل ہوا۔ اس نے مجھے ہاجرہ بطور خادمہ دی
حضرت ابوہریرہ نے کہا اے اہل عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے

تشریح حدیث

قال عیاضٌ الصَّحِیْحُ اِنَّ الْکِذْبَ
لَایَقَعُ مِنْهُمْ مُطْلَقًا وَّ اَمَّا الْکَذِبَاتُ الْمَذْکُوْرَۃُ
فَاِنَّمَا هِیَ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی فَهْمِ السَّامِعِ لٰکِنَّهَا فِیْ صُوْرَۃِ الْکِذْبِ
وَّ اَمَّا فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ فَلَیْسَتْ کَذِبَاتٍ ○ (مرقاۃ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انبیاء کرام سے مطلقاً جھوٹ
ثابت نہیں ہو سکتا لیکن یہ جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سننے والے
کی سمجھ کی طرف منسوب ہیں۔ جن کو سننے والوں نے جھوٹ سمجھا اس
لیے کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے تھے۔

حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے لہٰذا حبیب پاک علیہ التحیۃ
والثناء کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہو گا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین
مرتبہ اس طرح کلام فرمائی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا۔ ان تین مرتبہ کے
علاوہ آپ نے کوئی ایسی کلام نہیں فرمائی۔ جن کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو

پہلا ارشاد انی سقیم آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کو کہا جب
تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ
دے گا۔ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے
قوم نے کہا کہ کل کو ہماری عید ہے جنگل میں میلہ لگے گا ہم نفیس
کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر
تبرک کے طور پر ان کو کھائیں گے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں اور مجمع
اور میلہ کی رونق دیکھیں وہاں سے واپس ہو کر بتوں کی زینت اور
سجاوٹ اور ان کا بناؤ سنگار دیکھیں یہ تماشہ دیکھنے کے بعد ہم سمجھتے
ہیں کہ آپ بت پرستی پر ہمیں ملامت نہ کریں گے۔
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ پھر آپ نے ایک
نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یعنی آپ نے اس
طرح ستاروں کی طرف دیکھا جیسے کہ ستارہ شناس نجوم کے ماہر ستاروں
کے مواقع اتصالات وانصرافات کو دیکھا کرتے تھے۔ قوم نجوم کی
بہت معتقد تھی وہ سمجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں
سے اپنے بیمار ہونے کا حال معلوم کر لیا اب یہ کسی متعدی مرض میں مبتلا
ہونے والے ہیں اور متعدی مرض سے وہ لوگ بہت ڈرتے تھے۔
مسئلہ علم نجوم حق ہے اور سیکھنے میں مشغول ہونا منسوخ ہو چکا ہے

مسئلہ شرعاً کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا یعنی ایک شخص کا مرض بعینہٖ دوسرے میں نہیں پہنچ جاتا مادوں کے
فساد اور ہوا وغیرہ کی سمیتوں یعنی زہریلے مواد کے اثر سے ایک وقت
میں بہت سے لوگوں کو ایک طرح کے مرض ہو سکتے ہیں۔ لیکن حدوث مرض کا
سبب ہر ایک میں جداگانہ ہے کسی کا مرض کسی دوسرے میں نہیں پہنچتا۔
(خزائن العرفان)

ایک وجہ تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے بھی یہی بیان فرمائی اور
دوسری وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی۔
فَقَالَ إِنِّي سَقِيمُ الْقَلْبِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْغَيْظِ بِاتِّخَاذِكُمُ النُّجُومَ
آلِهَةً أَيْ بِعِبَادَتِكُمُ الْأَصْنَامَ ۝
آپ نے فرمایا میرا دل بیمار ہے اس لیے کہ مجھے بہت غصہ ہے
کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لیے مجھے غصہ ہے کہ تم نے
بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ اس غصے کی وجہ سے ذہنی پریشانی
میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے۔
یعنی آپ کی کلام صداقت پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن
لوگ اس کو نہ سمجھ سکے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا۔

دوسرا ارشاد بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ قوم جب میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا ان کے بڑے بت یعنی جس کو

وہ بڑا خدا سمجھتے تھے اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس
آئی تو کہنے لگے ہمارے خداؤں سے یہ کس نے زیادتی کی کسی کی ناک نہیں
کسی کی ٹانگ نہیں ٹوٹے پھوٹے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ لوگ کہنے لگے
یہ ابراھیم نے کیا ہوگا کیونکہ وہی ان ہمارے خداؤں کا ذکر برے
طریقے سے کرتا تھا کہ یہ خدا بننے کے قابل نہیں تو دوسرے کہنے لگے
ابراہیم کو بلاؤ تاکہ لوگ اس کے سامنے گواہی دیں اور اس کو سزا دی جائے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا ان سے پوچھا گیا کیا ہمارے
خداؤں کا یہ حال تم نے کیا ہے۔

آپ نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ جس کا معنی عام ذہنوں
میں یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بت نے کیا ہے یعنی اس
نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اصل
اس کا مطلب کیا ہے وہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں
مختلف وجوہ سے بیان فرمایا ہے جس کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بت
نے کیا ہے بلکہ آپ نے اس سے مراد اپنی ذات لی
یہ کلام آپ کی تعریض پر مبنی تھی یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا
ہو اور سننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص
لکھنے کا ماہر ہو وہ ایک نفیس خط لکھے دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا
وہ ماہر خط سے پوچھے کیا یہ تم نے لکھا ہے کہ وہ کہے بل کتبتہ انت

بلکہ تم نے یہ لکھا ہے یہ الزاما اس کو خاموش کرنا ہے اس میں جو
شخص قادر نہیں اس سے نفی کرنی مقصود ہے اور جو شخص قادر ہے
اس کے لیے حکم ثابت کرنا مقصود ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے بت کی طرف منسوب کرکے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے
جو یہ کام کرنے پر قادر ہے وہ کیسے کر سکتا ہے جو یہ کام کرنے پر
قادر ہی نہیں۔

دوسری وجہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں
کو مزین کیا ہوا ہے اور ان کو قوم نے بڑا برگزیدہ
سمجھا ہوا ہے تو آپ کو غصہ آیا۔

لیکن جب یہ دیکھا کہ اس بڑے بت کو زیادہ مزین کیا ہوا اور
اس کی لوگ زیادہ تعظیم کرتے ہیں آپ کا غصہ بہت شدید ہوگیا اس
وجہ سے آپ نے ان بتوں کو توڑا۔

فَاَسْنَدَ الْفِعْلَ اِلَيْهِ لِاَنَّهٗ هُوَ السَّبَبُ فِیْ اِسْتِهَانَتِهٖ بِهَا وَ
حَطْمِهٖ لَهَا وَالْفِعْلُ كَمَا يُسْنَدُ اِلَى مُبَاشِرِهٖ يُسْنَدُ اِلَى حَامِلِهٖ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بت کی طرف اس
لیے منسوب کیا کہ وہ ان کے توڑنے اور ذلت کا سبب بنا کیونکہ اسی کو
دیکھ کر آپ کو زیادہ غصہ آیا تھا۔

جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا اسی طرح اس
کام پر ابھارنے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے۔

تیسری وجہ آپ نے کلام ان کے مذہب کے مطابق کی کہ تم جب اس کو خدا سمجھتے ہو تو پھر یہ کام اس نے کیا ہو گا۔

فَاِنَّ مِنْ حَقِّ مَنْ يُعْبَدُ وَيُدْعٰى اِلٰهًا اَنْ يَقْدِرَ عَلٰى هٰذَا وَاَشَدَّ مِنْهُ ۝

جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت لے ہونی چاہیئے۔

مقصد ان کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اس نے توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو معبود کیسے بن سکتا ہے۔

چوتھی وجہ یہاں کچھ کلام غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے فَعَلَهٗ مَنْ فَعَلَهٗ وَكَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ جس نے کرنا تھا اس نے کر دیا یہ ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو۔

گویا مقصد بیان ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے۔ اپنے بڑے خدا سے پوچھو اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس میں بھی ان کی تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا یہ کام کس نے کیا ہے

پانچویں وجہ کبیرہم پر وقف ہے اور ہذا سے پھر کلام کی ابتدا ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔ یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو اگر وہ بولتا ہے۔

اِدَّعٰى نَفْسَهٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ صَنَمٍ ۝

اس سے مراد آپ نے اپنی ذات لی کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے۔

مقصد یہ تھا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے وہ میں ہی ہوں کیوں کہ میں انسان ہوں اور تمہارے تمام خداؤں سے بڑا ہوں۔

چھٹی وجہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ فَاسْئَلُوْهُمْ

آپ نے فرمایا ان کے اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔

فَتَكُوْنُ اِضَافَةُ الْفِعْلِ اِلٰى كَبِيْرِهِمْ مَشْرُوْطًا بِكَوْنِهِمْ نَاطِقِيْنَ فَلَمَّا لَمْ يَكُوْنُوْا نَاطِقِيْنَ اِمْتَنَعَ اَنْ يَكُوْنُوْا فَاعِلِيْنَ ۝

فعل کی اضافت ان کے بڑے بت کی طرف مشروط طور پر ہے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو ان کے بڑے نے کیا ہے۔ جب وہ بولتے ہی نہیں تو یہ کام ان کے بڑے بت نے نہیں کیا۔

ساتویں وجہ

محمد ابن سمیفع کی قرات میں فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ آیا ہے یعنی معنی یہ ہوا:۔

فَلَعَلَّ الْفَاعِلَ كَبِيْرُهُمْ ○

شاید یہ کام کرنے والا ان کا بڑا ہو گا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلام صداقت پر مبنی تھی اگرچہ سننے والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اِضَافَةُ الْكِذْبِ اِلٰى رُوَاتِهٖ اَوْلٰى مِنْ اَنْ يُّضَافَ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ○

اگر ایسی کوئی روایت ہو جس میں انبیاء کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو۔

اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے یعنی کوئی ایسی وجہ نہ بیان ہو سکے جس سے انبیاء کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن انبیاء کرام کو جھوٹا کہنا محال ہو گا، روایت کو رد کر دیا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی شان میں کوئی

فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔

آپ کا تیسرا ارشاد

حضرت سارہ کے متعلق آپ نے فرمایا هٰذِهٖ اُخْتِیْ یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے۔

بلکہ آپ نے حضرت سارہ کو کہا اَنْتِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ تم اسلام میں میری بہن ہو۔

اس لیے کہ اخوۃ اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں۔ ماں بیٹا بھی بھائی بہن ہیں۔ اسی طرح خاوند، بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

تنبیہ یہ حدیث پاک ضمناً بحث میں آگئی ورنہ اصل میں پہلی حدیث کی وضاحت کی جا رہی تھی۔

جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انبیاء کرام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آپ نے جو ارشاد فرمایا اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق آپ کے ارشاد گرامی کی وضاحت کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِىْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○

اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے آپ کسی مضبوط پائے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے جب لڑکوں کی شکل میں آئے جو بہت حسین وجمیل تھے تو آپ کی قوم دوڑتی ہوئی آئی جن کو پہلے ہی بری عادت تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ مجھے مہمانوں کے معاملہ میں پریشان کریں گے اس وقت آپ نے فرمایا۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ○

بولے لے کاش مجھے تمہارے مقابلے میں زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر لیا تھا اور اپنے مہمانوں سے ان کو مندفع ہونے کے لیے اندر سے ہی کہہ رہے تھے لیکن قوم دیوار پھاند کر اندر آنا چاہتی تھی۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو کہا تم دروازہ کھول دو، آپ نے دروازہ کھول دیا وہ سب اندر

گھس آئے۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ ان کو سزا دوں۔

اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی آپ نے ان کی آنکھوں پر اپنا بازو مارا وہ سب اندھے ہو کر ایک دوسرے پر گرتے ہوئے بھاگتے ہوئے کہہ رہے تھے بچ جاؤ بچ جاؤ لوط کے گھر میں جادوگر آئے ہوئے ہیں۔ (روح المعانی)

ایک مطلب اس کا کوئی علماء نے بیان کیا ہے۔

تَكُوْنُ اَوْ بِمَعْنٰى بَلْ وَيَكُوْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ اَضْرَبَ عَنِ الْجُمْلَةِ السَّابِقَةِ ○

اس مقام پر اَوْ معنی بل کے ہو جائے مطلب یہ ہو گا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے پہلے جملہ سے اعراض فرمایا ہو آپ کے ارشاد کا مطلب اس طرح ہو گا۔

بولے لے کاش مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا بلکہ میں تو ایک مضبوط پائے کی پناہ لے رہا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لے رہا ہوں جو سب سے زیادہ مضبوط ہے۔

لیکن صاحب روح المعانی نے کوئی علماء کی اس وضاحت کو رد کیا ہے کہ یہ مطلب درست نہیں۔

کیونکہ یہ مطلب صریح روایات کے مخالف ہے۔ اس لیے بہتر توجیہ وہ ہے جو علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں اسی حدیث

کی وضاحت فرماتے ہوئے بیان کی ہے۔

وَالْمَعْنٰی وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ اَنَّہٗ کَانَ بِمُقْتَضَی الْجِبِلَّۃِ الْبَشَرِیَّۃِ فِیْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ الضَّرُوْرِیَّۃِ یَمِیْلُ اِلَی الْاِسْتِعَانَۃِ بِالْعَشِیْرَۃِ الْقَوِیَّۃِ ○

انسان کی جبلت بشری کا تقاضا ہے کہ وہ بعض امور ضروریہ میں اپنے قوی قبیلے سے امداد طلب کرتا ہے۔ یہ انبیاء کرام کی شان کے خلاف نہیں۔

بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام نے اپنے قبائل کے کئی افراد سے امداد طلب کی۔

تیسرا آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا اس طرح ذکر فرمایا

وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ مَالَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ ○

اگر میں قید خانہ میں اس طرح زیادہ دیر ٹھہرتا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔

جب عزیز مصر کی زوجہ زلیخا نے کہا اگر یہ (یوسف) میرے کہنے کے مطابق نہ چلا۔

یعنی اگر اس نے میری خواہشات کو پورا نہ کیا تو میں اس کو جیل میں بھجوا دوں گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ مجھے ان

عورتوں کے مکر سے قید خانہ بہتر ہے تو آپ کو (اس دعا کے بعد) قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔

قید خانہ میں آپ کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے ان میں ایک نے کہا میں نے خواب دیکھا کہ (تین خوشوں سے) شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پہ روٹیاں ہیں جن سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتائیں۔ آپ نے پہلے انہیں وعظ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنا اس کے ساتھ بتوں وغیرہ کو شریک نہ ٹھہرانا۔

پھر آپ نے ان کو خوابوں کی تعبیر بتائی پہلے کو کہا تمہیں تین دن کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ اور تمہیں اپنے عہدے پر بحال کر دیا جائے گا تم پہلے کی طرح بادشاہ کو شراب پلاؤ گے۔ دوسرے کو کہا تمہیں سولی چڑھا دیا جائے گا اور پرندے تمہارا سر کھائیں گے۔

وہ دونوں کہنے لگے ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ ہم تمہارے ساتھ ہنسی کر رہے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم نے خواب دیکھے ہیں یا نہیں اب وہ حکم نہیں ٹل سکتا جو میں نے کہہ دیا ہے۔ بلکہ میں نے جو کہا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ ایسا ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا تھا اس واقعہ کے سات سال بعد بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گاؤں کو کھا رہی ہیں اور سات خشک بالیوں نے سات ہری بالیوں

سے لپیٹ کر خشک کر دیا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی لیکن انہوں نے کہا یہ پریشان خوابیں ہیں ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

وہ شخص جس نے قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا تھا اور آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا تھا وہ کہنے لگا قید خانہ میں ایک شخص خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں جا کر اس سے پوچھتا ہوں۔

بادشاہ نے اس کو بھیج دیا۔ اس نے جا کر آپ سے بادشاہ کا خواب بیان کیا کہ بادشاہ نے اس طرح خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتائیں۔ آپ نے فرمایا تم سات برس لگاتار کھیتی کرو گے جو تم کاٹو اس کے دانوں کو بالیوں میں ہی رہنے دو وہ بالیوں سے سوائے ضرورت کے نہ نکالو جتنا تم کھا سکو صرف اتنا ہی نکالنا۔ پھر سات سال تنگی اور خشکی کے آجائیں گے۔ جو غلہ تم نے جمع کر کے رکھا ہو گا وہ ان سالوں میں ختم ہو جائے گا گویا یہ سات سال پہلے سات سالوں کو کھا جائیں گے۔

ہاں البتہ کچھ غلہ تمہارے پاس بچ رہے گا جو تم بیج کے طور پر استعمال کر سکو گے۔

ان کے بعد ایک اور سال آئے گا جس میں کثیر بارش ہو گی لوگ انگور کا رس نکالیں گے اور زیتون سے تیل نکالیں گے۔ زمین خوب

سرسبز و شاداب ہو گی اور درخت خوب پھلیں پھولیں گے۔

جب اس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر بادشاہ کو آ کر بتائی تو بادشاہ نے کہا اس تعبیر بیان کرنے والے شخص کو میرے پاس بلاؤ۔ بادشاہ کا ایلچی جب بادشاہ کا پیغام آپ کے پاس لے کر آیا تو آپ نے فرمایا تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس چلے جاؤ اس سے جا کر پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ میرا اللہ تعالیٰ ان کے مکر کو جانتا ہے۔

بادشاہ نے ان عورتوں سے کہا تمہارا کیا کام تھا یعنی تمہارے کام کی کیا حقیقت تھی جب تم نے یوسف کو پھسلانا چاہا۔ انہوں نے کہا اللہ کی ذات پاک ہے ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں پائی۔

عزیز کی عورت بولی اب اصلی بات کھل گئی ہے۔ میں نے ان کو پھسلانا چاہا تھا لیکن بے شک وہ سچے ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی کوئی خیانت نہیں کی اور اسی طرح باقی لوگوں کو بھی پتہ چل جائے کہ میرا قید خانہ میں رہنا بغیر کسی جرم کے تھا تاکہ کوئی شخص طعنہ زنی نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو بیان فرمایا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بارہ سال قید خانہ میں رہ چکے تھے کیونکہ پانچ سال قید خانہ میں رہ چکے تھے جب ان دو شخصوں نے آپ سے خواب کی تعبیر پوچھی پھر اس واقعہ کے سات سال بعد بادشاہ نے خواب دیکھا۔

اتنی طویل مدت قید خانہ میں گزارنے کے باوجود آپ نے فوراً قاصد سے بادشاہ کے پیغام کو سن کر قید خانہ سے نکلنا پسند نہ کیا بلکہ کہا پہلے تحقیق کر لو۔ جب تمہیں بھی میرا بے گناہ ہونا ثابت ہو جائے گا تو میں باہر آجاؤں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر ہوتے تو معاذ اللہ صبر نہ کرتے بلکہ فوراً باہر آجاتے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا۔

وَقَالَ ابْنُ الْمَلَكِ اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا لَيْسَ اِخْبَارًا عَنْ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَضَجُّرِهٖ وَقِلَّةِ صَبْرِهٖ بَلْ فِيْهِ دِلَالَةٌ عَلٰى مَدْحِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَرْكِهِ الْاِسْتِعْجَالَ بِالْخُرُوْجِ لِيَزُوْلَ عَنْ قَلْبِ الْمَلَكِ مَا اتُّهِمَ بِهٖ مِنَ الْفَاحِشَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ بِعَيْنٍ مَشْكُوْكٍ ٥

ابن ملک نے کہا جان لو بیشک اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی اور صبر کی کمی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح کی گئی ہے کہ آپ نے جلدی نکلنا

پسند نہ فرمایا تاکہ بادشاہ کے دل سے یہ بات نکل جائے جو آپ پر برائی کی تہمت لگائی گئی تھی یعنی بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ آپ پر غلط تہمت لگائی گئی تھی اور وہ آپ کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

خیال رہے اس حدیث پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمانا عجز و انکساری کی وجہ سے ہے۔

بیان حقیقت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْتَظِرُوْنَهٗ قَالَ فَخَرَجَ حَتّٰی اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ یَتَذَاكَرُوْنَ فَسَمِعَ حَدِیْثَهُمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَجَبًا اِنَّ اللهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ مِنْ خَلْقِهٖ خَلِیْلًا وَقَالَ اٰخَرُ مَاذَا بِاَعْجَبَ مِنْ كَلَامِ مُوْسٰی كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِیْمًا وَقَالَ اٰخَرُ فَعِیْسٰی كَلِمَةُ اللهِ وَرُوْحُهٗ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ بِاَنَّ اللهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوْسٰی نَجِیُّ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَعِیْسٰی رُوْحُ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَیَفْتَحُ اللهُ لِیْ فَیُدْخِلُنِیْهَا وَمَعِیَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ ○ (دارمی ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ جب آپ صحابہ کرام کے قریب ہوئے تو آپ نے ان کو مذاکرہ کرتے ہوئے سنا آپ نے ان کی کلام

کو سنا ان میں سے بعض حضرات نے تعجب کرتے ہوئے یہ کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے کہنے لگے یہ کوئی اس سے زیادہ متعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (بلا واسطہ) کلام فرمائی۔ دوسرے کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ بنایا۔ اور کہنے لگے آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ بنایا۔

اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔ سلام کہنے کے بعد ارشاد فرمایا میں نے تمہاری کلام اور اظہار تعجب کو سنا (جو تم نے کہا) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ یقیناً ایسا ہی ہے اور موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں یقیناً ایسا ہی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں یقیناً یہ درست ہے کہ آپ اسی طرح ہیں۔ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔
محقق بات ہے کہ آپ صفی اللہ ہیں۔ خبردار (غور سے سنو، آگاہ رہو) میں اللہ کا حبیب ہوں۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن لواء حمد میرے ہاتھ میں ہو گا۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہی ہوں گا۔ اور سب سے پہلے میری شفاعت کو ہی قبول کیا جائے گا۔ اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔
سب سے پہلے جنت کے دروازوں کے حلقوں کو میں ہی حرکت دینے والا ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کے دروازے کھول دے گا

اور مجھے جنت میں داخل کرے گا جب کہ میرے ساتھ غریب ایمان دار لوگ ہوں گے۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ میں تمام پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں سے مکرم ہوں گا۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

نجی اللہ یہ مناجاۃ سے لیا ہوا ہے جس کا معنی آہستہ کلام کرنا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطۂ جبرائیل کلام کی اس لیے آپ کو نجی اللہ اور کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔

کلمۃ اللہ، روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے امر کُنْ سے پیدا ہوئے اس لیے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے یا آپ کی کلام و دعا کو عند اللہ مقبولیت حاصل ہونے کی وجہ سے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا روح بلا واسطہ پھونکے جانے کی وجہ سے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا آپ کی پیدائش میں مؤثر ہونے کی وجہ سے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے

صفی اللہ آدم علیہ السلام کو رسالت و نبوت سے برگزیدگی عطا کرنے کی وجہ سے آپ کو صفی اللہ کہا گیا ہے۔

خلیل و حبیب کے معانی میں فرق

اگر خلیل کا اشتقاق خلل سے ہو تو خلیل وہ ہو گا جو یکسو ہو کر خدا کی طرف ہو جائے مطلب یہ کہ خدا کی طرف یکسوئی اور اس کی محبت میں کوئی خلل و نقصان نہ ہو (مدارج)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس معنی کا حامل ہے۔

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا۝

اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نہیں۔

اس معنی کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خلیل نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام کے خلیل ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلیلی (میرے خلیل) کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور بعض صحابہ کرام سے بھی اسی طرح ثابت ہے اس کا مقصد یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض صحابہ کرام نے آپ کو خلیلی (میرے خلیل) کہا۔

نتیجہ یہ نکلا صحابہ کرام کی توجہ کا مرکز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ خلیل اگر خلتہ سے مشتق ہو تو معنی ہو گا فقر و احتیاج

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام حاجتوں کو خدا پر چھوڑ دیا تھا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی کی طرف پھیر دیا تھا اور خود کو بھی اس وقت خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ آپ کو آگ میں ڈالنے کے لیے جب منجنیق میں ڈالا گیا اس وقت جبرائیل نے آکر کہا ھَلْ لَكَ حَاجَةٌ کیا آپ کو میری امداد کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا تمہاری امداد کی مجھے ضرورت نہیں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جبرائیل کی امداد سے انکار کرنا دو وجہ سے تھا ۔

ایک وجہ یہ تھی کہ آپ نے کامل طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا ۔

اسی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے بھی یہ درخواست نہیں کی کہ اللہ مجھے آگ سے بچالے کیونکہ آپ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال سے باخبر ہے مجھے عرض کرنے کی ضرورت نہیں ۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ اس وقت کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کے بعد علو مرتبت مجھے ہی حاصل ہے تو کیا ضرورت تھی کہ آپ جبرائیل سے امداد طلب کرتے جب کہ جبرائیل آپ سے کم مرتبہ تھے اسی معنی کے پیش نظر شرح شفاء میں علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وَالْحَاصِلُ اَنَّهُ يُقَالُ مُحَمَّدٌ حَبِيْبُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ حَبِيْبُ مُحَمَّدٍ وَلَا يُقَالُ اللّٰهُ خَلِيْلُ اِبْرَاهِيْمَ مَعَ جَوَازِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ ○

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں اور اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا اللہ ابراہیم علیہ السلام کا خلیل ہے البتہ یہ کہنا جائز ہے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں ۔

اس لیے کہ حبیب بمعنی فاعل ہو تو بمعنی محب (محبت کرنے والا) ہوگا اگر بمعنی مفعول ہو تو بمعنی محبوب (جس سے محبت کی جائے) ہوگا ۔

ان دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے محبت کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرنے والا ہے ۔

یا یوں کہا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کا محبوب ہے ۔ اگرچہ حبیب بمعنی فاعل اور مفعول کے آتا ہے لیکن اس مقام میں بمعنی مفعول لینا زیادہ بہتر ہے ۔ کیونکہ معنی یہ ہوگا خبردار میں اللہ کا محبوب ہوں ۔

لاشك أن نسبة المفعولية في هذا المقام أتم من نسبة الفاعلية في المرام كما يشير إليه قوله سبحانه وتعالى يحبهم ويحبونه لا سيما ومحبة الله تعالى كاملة سابقة ذاتية أبدية أزلية ومحبة العبد ناقصة لاحقة عرضية غرضية ○

(شرح شفاء)

یقیناً اس مقام میں مفعولیت والا معنی لینا بنسبت فاعلیت کے زیادہ بہتر اور کامل ہے مقصد بیان کو زیادہ واضح کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی یحبھم و یحبونہ (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کی محبت کامل، سابق، ذاتی، ازلی، ابدی ہے اور بندے کی محبت ناقص، لاحق، عرضی اور اغراض پر مبنی ہے۔

اگر خلیل خُلتہ سے مشتق ہو تو معنی ہو گا محبت۔

اس معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اور ابراھیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہوں گے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیل اور اللہ تعالیٰ آپ کا خلیل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل ہونا پہلے حدیث پاک سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کا خلیل ہونا ان احادیث سے ثابت ہے۔

إن صاحبكم خليل الله

تمہارا آقا خلیل اللہ ہے۔

وقد اتخذ الله صاحبكم خليلا

بلاشبہ اللہ نے تمہارے آقا کو خلیل بنایا۔

اگرچہ خلیل کا معنی بھی محبت کے معنی کا حامل ہے لیکن حبیب کے معنی میں زیادتی محبت اور محبت خاصہ ہو گی۔ گویا حبیب خلیل تو ہو گا لیکن خلیل کے لیے حبیب ہونا ضروری نہیں۔

خلیل درجہ مرید میں ہو گا اور حبیب درجہ مراد میں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امید و طمع کو اس طرح بیان فرمایا:۔

والذي أطمع أن يغفر لي خطيئتي يوم الدين ○

اور (میرا رب) وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ انبیاء معصوم ہیں گناہ ان سے صادر نہیں ہوتے ان کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور امت کے لیے طلب مغفرت کی تعلیم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان صفات الٰھیہ کو بیان کرنا اپنی قوم پر ثابت کرنا ہے کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جس کی یہ صفات ہوں۔

حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق رب ذوالجلال کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔

يَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝

تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

مولائے کائنات نے اپنے خلیل کے طلب طریق کا ذکر اس طرح فرمایا۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝

اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔

لیکن اپنے حبیب کو بلا مطالبہ از خود ارشاد فرمایا یعنی خلیل طلب فرماتے ہیں اور حبیب کو مطلوب محقق از خود حاصل ہے۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ ۝

قیامت کے دن اللہ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا آپ نے اگرچہ سوال نہیں کیا۔ لیکن جبرائیل کے کہنے پر کہ آپ مجھ سے امداد نہیں طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ سے ہی امداد طلب کرو اور دعا کرو کہ وہ تمہیں اس مصیبت سے بچالے۔

آپ نے فرمایا حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ مجھے اللہ کافی ہے یعنی سوال کرنے کے بغیر ہی وہ میرے حال سے باخبر ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ ۝

اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے۔

ان دونوں قولوں میں وجہ فرق یہ ہے۔

اِنَّ كُلَّ اَحَدٍ يَدَّعِيْ اَنَّهٗ مُحِبُّ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ الْكَمَالَ هُوَ اَنْ يَقُوْلَ اللّٰهُ اَنَا مَحْبُوْبُهٗ اَوْ مُحِبُّهٗ ۝ (شرح شفاء)

بلاشبہ ہر شخص دعویٰ کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے لیکن کمال یہ ہے کہ خود رب ذوالجلال کہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں یا فلاں مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یہاں یہی صورت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خود حسبی اللہ کہتے ہیں لیکن حبیب کے متعلق خود رب کائنات کہتا ہے کہ یا ایھا النبی حسبک اللہ گویا ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ میرے ساتھ محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ کیسا ہی کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے متعلق فرما رہا ہے کہ میں اپنے پیارے نبی سے محبت کرتا ہوں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝

اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

یعنی ان امتوں میں میرا ذکر بلند فرما جو میرے بعد آئیں اور ان کے دلوں میں میری محبت ڈال۔ آپ کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ بعد میں آنے والی تمام امتیں آپ سے محبت کرتی رہیں اور آپ کی طرف منسوب ہونے کی تمنا کرتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے (آپ کی دعا کے بغیر) فرمایا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اور ھم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ آپ کا ذکر اس طرح بلند فرمایا کہ اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو رکھا۔ یہاں تک کہ اذان، نماز، مساجد کے منبروں پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا وہاں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ہو گا۔

بَلْ مَكْتُوْبًا عَلٰى سَاقِ عَرْشِهٖ وَ اَشْجَارِ جَنَّتِهٖ وَ قُصُوْرِهَا وَ نُحُوْرِ حُوْرِهَا ۝ (شرح شفاء)

بلکہ آپ کے اسم گرامی کو عرش معلیٰ اور جنت کے درختوں اور جنت کے محلات اور حوروں کے سینوں پر تحریر فرمایا۔

جو مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بعد از سوال عطا فرمایا وہی مرتبہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو بغیر طلب کرنے عطا فرمایا بلکہ اس سے بلند ترین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ ذوالجلال میں یوں دعا گو ہیں۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

انبیاء کرام علیہم السلام بت پرستی اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا کرنا بارگاہ الٰہی میں تواضع و اظہار احتیاج کے لیے ہے کہ باوجودیکہ تو نے اپنے کرم سے معصوم کیا لیکن ہم تیرے فضل و رحمت کی طرف دست احتیاج دراز رکھتے ہیں۔ (خزائن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں جو بیٹوں کا ذکر ہے اس سے مراد آپ کے صلبی بیٹے ہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کئی لوگ کافر بھی ہوئے ہیں اس لحاظ سے آپ کی یہ دعا کامل قبول ہوئی کہ آپ کے ذاتی بیٹوں سے کوئی کافر نہیں۔

لیکن خالق کائنات اپنے پیارے حبیب کے متعلق ارشاد فرماتا ہے

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

یعنی گناہوں کی نجاست سے تم آلودہ نہ ہو اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اہل بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا اور علی مرتضےٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب داخل ہیں آیات و احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی حضرت امام منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے ان آیات میں اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی تاکہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پابند رہیں۔

گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیزگاری کو پاکی سے استعارہ فرمایا گیا کیونکہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے اس طرز کلام

ہے مقصود یہ ہے کہ اربابِ عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ترغیب دی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کے گناہوں سے دور رہنے کی دعا فرماتے ہیں۔

لیکن اللہ جل شانہ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ہی بشارت دی کہ آپ کی آل یعنی ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین گناہوں کی آلودگی سے پاک ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رسائی بالواسطہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ۔ خلیل اللہ علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے"

یعنی جسطرح ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بینائی عطا فرمائی ایسے ہی انہیں آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے آسمانوں اور زمین کی خلق مراد ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ آیاتِ سمٰوٰت و ارض مراد ہے۔ یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صخرہ (پتھر) پر کھڑا کیا گیا اور آپ کے لئے سمٰوٰت (آسمان) مکشوف کئے گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے عرش و کرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب اور جنت میں اپنے مقام کا معائنہ فرمایا۔ آپ کے لئے زمین کشف فرما دی گئی یہاں تک کہ آپ کیلئے سب سے نیچے کی زمین کشف فرما دی گئی۔ یہاں تک کہ آپ نے سب سے نیچے کی زمین تک نظر کی اور زمینوں کے تمام عجائب دیکھے۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ رویت (دیکھنا) بچشم باطن تھی یا بچشم سر۔

(یہ انکشاف یہاں تک تھا) کہ ہر ظاہر و مخفی چیز ان کے سامنے کر دی گئی اور خلق کے اعمال سے کچھ بھی ان سے نہ چھپا رہا۔ (خزائن العرفان)

لیکن حبیب پاک علیہ التحیۃ والثنا کی رسائی بذاتہٖ یعنی بلا واسطہ۔

اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس رسائی کو رب ذوالجلال نے ان الفاظ مبارکہ سے ذکر فرمایا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝

تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۝

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

ان آیات مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باری تعالیٰ سے ملاقات کا تذکرہ فرمایا گیا۔

وَقَدْ اَخْرَجَ عَنْہُ اَحْمَدُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَاَیْتُ رَبِّیْ ۝ (روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند امام احمد میں روایت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ن نے اپنے رب کو دیکھا۔

عن عبد اللہ قال قلت لِاَبِیْ ذَرٍّ لَوْ رَاَیْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألتہ فَقَالَ عَنْ اَیِّ شَیْئٍ کُنْتَ تَسْاَلُہٗ قَالَ کُنْتُ اَسْاَلُہٗ ھَلْ رَاَیْتَ

رَبَّکَ ؟ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَدْ سَاَلْتُہٗ فَقَالَ رَاَیْتُ نُوْرًا ۝

(روح المعانی)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کاش کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا آپ سے سوال کرتا۔ انہوں نے فرمایا تم کس چیز کے متعلق آپ سے سوال کرتے، میں نے کہا، میں آپ سے یہ پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہی سوال آپ سے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے نور کی زیارت کی۔

محبت کسے کہتے ہیں

محبت ماخوذ ہے حَبَّۃُ القلب۔ معنی یہ ہوا کہ محب کا اپنی طبیعت کے موافق محبوب کی طرف قلبی میلان اور اس سے تلذذ حاصل کرنا۔

محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی مخالفت نہ کرے بلکہ اس کے ہر امر کی اطاعت کرے۔ بندے کا رب سے محبت کرنا بھی بطور نتیجہ ہی معتبر ہے۔ یعنی بندے کا رب سے محبت کرنے کا مقصود مفہوم یہ ہوگا کہ بندہ اپنے رب کا مطیع ہے۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہے۔ مخالفت کرنے والا نہیں۔

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا اس مقصد عظیم کو ان الفاظ میں پیش فرماتی ہیں۔

تعصی الالٰہ وانت تزعم حبہ ۝ ھذا لعمرک فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ ۝ ان المحب لمن یحب مطیع

تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا بھی دعویدار ہے۔
تیری عمر کی قسم تیرا یہ فعل بہت ہی عجیب و غریب ہے۔
اگر تو اپنی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے تو اپنے رب کا مطیع ہو جا۔
بیشک سچا محب تو وہی ہے جو اپنے محبوب کا مطیع ہو۔

لیکن یہ معنی تو اس وقت مراد ہو سکتا ہے جب دل کا میلان اور تلذذ اور انتفاع ثابت ہو سکے لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب حدوث سے پاک ہے۔ اس کے لیے دل کا ثبوت اور اس کے دل کا میلان اور اس کا کسی سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ اغراض سے پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ اپنے بندے کو طاعت و عبادت کی قدرت عطا فرماتا ہے اور اس کو گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ فرماتا ہے۔ اور اس کو نیکیوں کے ارتکاب اور گناہوں سے اجتناب کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اسکی قربت کے اسباب یعنی نوافل، روزہ، صدقات، تسبیح و تحمید، تکبیر و تحلیل وغیرہ مہیا فرماتا ہے اور اس پر فیضان رحمت فرماتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو اپنا مقرب بناتا ہے۔ سب سے بڑھ کر محبت کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندے کے دل سے حجابات کو اٹھا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے بندہ اپنے دل کی آنکھوں سے تجلیات انوار الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے تو انسان کو رب کی یاد میں محویت اور اللہ کے

دربار میں حضوری حاصل ہوتی ہے۔

تنبیہ ابتداء کلام سے جس حدیث پاک پر بحث کی جا رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام میں سے بعض پر فضیلت دینے سے منع فرمایا اس کی پانچ وجہ ہیں۔ جن میں سے تین پر بحث مکمل ہو چکی ہے۔ اب چوتھی وجہ بیان کی جاتی ہے۔

انبیاء کرام کی فضیلت کی ممانعت کی چوتھی وجہ

والرابع انما نھی عن تفضیل یؤدی الی الخصومۃ والفتنۃ ۝ (نووی)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کو ایکدوسرے پر اس طرح فضیلت دینے سے منع فرمایا جو جھگڑے اور فتنے کا سبب بنے۔

جیسا کہ آپ کے اس ارشاد گرامی کا سبب اور وجہ بھی یہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے کہا۔

لا والذی اصطفی موسیٰ علیہ السلام علی البشر قال فسمعہ رجل من الانصار فلطم وجھہ قال تقول والذی اصطفی موسیٰ علیہ السلام علی البشر ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اظھرنا ۝

ایک یہودی نے جب یہ کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو

تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ انصار میں سے ایک صحابی نے سنا انہوں نے اس کو تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا تو کہتا ہے قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں۔

وہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا اے ابوالقاسم میں ذمی ہوں (میری جان اور مال کی ذمہ داری آپ پر ہے) لیکن پھر بھی میرے چہرے پر فلاں شخص نے تھپڑ مار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے پوچھا۔ تم نے اس کو تھپڑ کیوں مارا وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ حالانکہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں۔

قَالَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى عُرِفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ ۝

(مسلم شریف کتاب الفضائل)

راوی کہتے ہیں (صحابی کی یہ بات سنتے ہی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں آ گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی ناراضگی کے آثار آپ کے چہرہ انور سے ظاہر ہونے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ایسے حالات میں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا جو لڑائی جھگڑے، فتنہ و فساد کا سبب بنے ورنہ بیان حقیقت وہی ہے جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ آپ کائنات عالم کے سردار ہیں اور سبھی سے افضل ہیں۔

فضیلت سے ممانعت کی پانچویں وجہ

وَالْخَامِسُ اَنَّ النَّهْيَ مُخْتَصٌّ بِالتَّفْضِيْلِ فِيْ نَفْسِ النُّبُوَّةِ فَلَا تَفَاضُلَ فِيْهَا وَاِنَّمَا التَّفَاضُلُ بِالْخَصَائِصِ وَفَضَائِلَ اُخْرٰى وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِقَادِ التَّفْضِيْلِ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۝

(نووی)

پانچویں وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ بیشک نفس نبوت میں انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں (بلکہ تمام انبیاء کرام کی نبوت میں برابری ہے) البتہ خصائص کمالات وغیرہ کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اس طرح انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر افضلیت کے حاصل ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بعض انبیاء کرام کی بعض دوسرے انبیاء کرام پر افضلیت کو ان الفاظ سے بیان کیا۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۝ یہ رسول ہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

نبوت کی تقسیم بالذات اور بالعرض سے درست نہیں

اس آخری وجہ سے یہ نتیجہ واضح ہوا کہ تمام انبیاء کرام کی نفس نبوت میں برابری

ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بالذات اور باقی انبیاء کرام کی نبوت کو بالعرض کہنا درست نہیں۔

اسی وجہ سے مولانا قاسم نانوتوی صاحب کی تحذیر الناس کی یہ عبارت باعث نزاع بنی۔

"آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض ہیں"

مولانا کی اس عبارت اور تحذیر الناس کی دیگر قابل مواخذہ عبارات کا غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ التبشیر برد التحذیر میں رد بلیغ فرمایا۔

ایک عظیم علمی تحقیق ہے ہر منصف مزاج مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، متعصب کے لیے تو کتابوں کے انبار بھی ناکافی ہیں۔ ذیل میں علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ رسالہ سے بمع تغیر و تبدل کے میں اپنے اس موضوع پر کچھ عبارات نقل کر رہا ہوں۔

نبوت کو بالذات اور بالعرض تقسیم کرنا شرعاً باطل ہے۔ کیونکہ وصف ذاتی اصلی ہوتا ہے۔ اور وصف عرضی غیر اصلی۔ یقیناً وصف ذاتی اور اصلی وصف عرضی اور غیر اصلی سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا ذاتی نبوت عرضی نبوت سے افضل ہوگی۔ کیونکہ نبوت بھی ایک وصف ہے۔ اس طرح مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے نزدیک نفسِ نبوت میں فضیلت ثابت ہوگی۔ حالانکہ نفس نبوت میں فضیلت ثابت کرنا قرآن و حدیث اور علماء امت کے مسلک کے منافی ہے۔

علامہ نووی کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک نفس نبوت میں فضیلت کی ممانعت ہے۔

نبوت کی تقسیم بالذات اور بالعرض سے قرآن پاک کے منافی ہے

آیۃ کریمہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ میں اسی تقسیم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ اس آیۃ کریمہ میں نفس نبوت اور رسالت میں تفریق نہ کرنے کا ذکر ہے۔

روح المعانی پ۳ میں ہے اِنَّ الْمُعْتَبَرَ عَدَمُ التَّفْرِيْقِ مِنْ حَيْثُ الرِّسَالَةِ دُوْنَ سَائِرِ الْحَيْثِيَّاتِ ۝

یعنی آیت کریمہ میں جو کہا گیا ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے، یہاں معتبر تفریق نہ کرنا باعتبار نفس رسالت کے ہے۔ باقی حیثیات سے نہیں۔ یعنی باقی خواص و کمالات کے لحاظ سے بعض کو فضیلت حاصل ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیۃ کے ماتحت اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

مَحَلُّ مَعْنَى الْاٰيَةِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَبَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ غَيْرِهٖ فِي النُّبُوَّةِ ۝

بلکہ اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم کسی ایک نبی کو دوسرے سے نفس نبوت میں فضیلت دینے سے امتیازی حیثیت نہیں دیتے۔

ابوالسعود بہامش الکبیر میں اسی مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ○ لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ عَدَمُ التَّفْرِيْقِ مِنْ حَيْثُ الرِّسَالَةِ دُوْنَ سَائِرِ الْحَيْثِيَاتِ الْخَاصَّةِ ○

یہاں مراد یہ ہے کہ نفسِ رسالت میں کسی رسول کو ہم امتیازی حیثیت نہیں دیتے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم باقی خاص حیثیات اور فضائل کی وجہ سے بھی کسی کیلئے امتیازی حیثیت نہیں مانتے۔

مدارک میں تلک الرسل فضلنا آیۃ کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے۔

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض بالخصائص وراء الرسالۃ

لِاسْتِوَائِهِمْ فِيْهَا كَالْمُؤْمِنِيْنَ يَسْتَوُوْنَ فِيْ صِفَةِ الْاِيْمَانِ وَيَتَفَاوَتُوْنَ فِي الطَّاعَاتِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ○

یہ رسول ہیں۔ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کرام کو ان کی بعض خصوصیات کے پیش نظر فضیلت دی نہ کہ نفسِ رسالت میں کسی کو فضیلت دی کیونکہ نفسِ رسالت میں سب انبیاء کرام برابر ہیں۔ جس طرح تمام مومن نفسِ ایمان میں برابر ہیں۔ البتہ ایمان کے بعد طاعات و نیکیوں کی وجہ سے بعض کے مراتب بلند، بعض کے بلند تر۔ بعض کے بلند ترین ہیں۔

نفسِ نبوت میں فضیلت، حدیث پاک کی مخالفت

ایک یہی حدیث پاک جو زیر بحث چلی آرہی ہے اسمیں نفسِ نبوت میں فضیلت

کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث پاک۔

لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى ○ الخ (مرفوع عن ابی ہریرۃ بخاری جلد اول باب الخصومات)

عینی شرح بخاری میں اس پر یہ بحث کی گئی ہے۔

اَلْخَامِسُ اَنَّهُ نَهٰى عَنِ التَّفْضِيْلِ فِيْ نَفْسِ النُّبُوَّةِ لَا فِيْ ذَوَاتِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعُمُوْمِ رِسَالَتِهِمْ وَزِيَادَةِ خَصَائِصِهِمْ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ○

پانچویں فضیلت کی ممانعت کی وجہ نفسِ نبوت میں ہے یہ وجہ نہیں کہ انبیاء کرام کی ذوات میں یا ان کی عموم رسالت اور زیادتی خصائص میں فضیلت سے منع کیا گیا ہے بلکہ ان وجوہ سے فضیلت بعض کی بعض پر ثابت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض ○

اسی حدیث کے تحت حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۶ میں بیان فرماتے ہیں۔

وَقِيْلَ النَّهْيُ عَنِ التَّفْضِيْلِ اِنَّمَا هُوَ فِيْ حَقِّ النُّبُوَّةِ نَفْسِهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ تَفْضِيْلِ بَعْضِ الذَّوَاتِ عَلٰى بَعْضٍ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ○

نفسِ نبوت میں فضیلت سے منع کیا گیا ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

گرامی کے لا نفرق بین احد من رسلہ۔

بعض ذوات انبیاء کی افضلیت بعض پر ممنوع نہیں بوجہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے۔ تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔

مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی ۝ بخاری جلد سابع

کسی ایک کے لیے مناسب نہیں کہ مجھے ابن متی سے بہتر کہے۔

اس حدیث پاک کے تحت علامہ قسطلانی نے ذکر فرمایا۔

اَیْ فِیْ نَفْسِ النُّبُوَّةِ اِذْ لَا تَفَاضُلَ فِیْہَا نَعَمْ بَعْضُ النَّبِیِّیْنَ اَفْضَلُ مِنْ بَعْضٍ کَمَا ھُوَ مُقَرَّرٌ ۝

یعنی نفس نبوت میں فضیلت کی ممانعت ہے ہاں البتہ بعض انبیاء کرام کی بعض پر فضیلت یقیناً ثابت ہے۔

نیز اسی صفحہ پر آٹھ سطر کے بعد فرماتے ہیں۔

وَنَفْسُ النُّبُوَّةِ لَا تَفَاضُلَ فِیْہَا اِذْ کُلُّہُمْ فِیْہَا عَلٰی حَدٍّ سَوَاءٍ کَمَا مَرَّ ۝

نفس نبوت میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں جبکہ نفس نبوت میں تمام انبیاء کرام برابر ہیں۔ عبارت منقولہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آگئی کہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک کسی نبی کی نبوت میں دوسرے نبی کی نبوت کے بالمقابل کوئی فرق نہیں پایا جاتا نہ کسی نبی کا وصف نبوت کسی دوسرے نبی کے وصف نبوت سے کم و بیش ہو سکتا ہے۔ "لا تفضیل فی النبوۃ"

نفس نبوت میں قطعاً کوئی تفضیل نہیں۔ البتہ ذوات انبیاء کرام و رسل عظام

علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خصوصیات کی بنا پر ضرور تفضیل ہے

لہٰذا ثابت ہوا کہ صاحب تحذیر الناس نے نبوت کی تقسیم بالذات اور بالعرض سے کر کے صریح غلطی کی ہے جس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

الفرقان وغیرہ میں کم فہمی یا مغالطہ کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا تمہارا دونوں کا متفق علیہ مسلک ہے کہ کسی کو کوئی کمال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر نہیں ملا اور نبوت بھی کمال ہے۔ وہ حضور کے واسطے کے بغیر کسی کو کیونکر مل سکتی ہے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ہر نبی کو وصف نبوت بواسطہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دیا گیا اور بالذات اور بالعرض سے یہی مراد ہے۔

اس کے جواب میں گذارش کروں گا کہ یہ ایک عجیب قسم کا مغالطہ ہے جس سے جہلاء تو متاثر ہو سکتے ہیں مگر ذی علم انسان کی نظر میں اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ نانوتوی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصف نبوت کے ساتھ بالذات موصوف مانا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے تحذیر الناس میں لکھا ہے۔

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے معلوم ہے۔ کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔" (تحذیر الناس ص ۳)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے چنانچہ
خدا کے بیٹے کسی اور خدا کے نہ ہونے کیوجہ اگر ہے تو یہی ہے۔ (تحذیر الناس ص[illegible])

ان دونوں عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک وصف
ذاتی سے وہ وصف مراد ہے جس پر وصف عرضی کا قصہ ختم ہو جائے جیسا کہ انہوں
نے خدا کیلئے کسی اور خدا کہ نہ ہونے کی یہی وجہ بیان کی ہے۔

لیکن امت مسلمہ کے نزدیک حصول کمال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ
ہونے سے یہ مراد نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال کے حصول میں واسطہ ہیں۔
خواہ وہ نبوت ہو یا غیر نبوت۔ حتیٰ کہ حصول ایمان میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں۔
نانوتوی صاحب بھی اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تحذیر الناس میں ارقام فرمایا
"اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصف ایمانی آپ میں بالذات ہو، اور
مومنین میں بالعرض۔" (تحذیر الناس ص[illegible])

مگر آج تک کسی نے نہیں کہا کہ معاذ اللہ ایمان، علم، عمل، ایقان، ہدایت و تقویٰ
کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مومن
نہیں ہوا۔ نہ صالح نہ متقی نہ مجتہد، العیاذ باللہ بلکہ یہ سب اوصاف و کمالات اب بھی
جاری ہیں۔ اور آئندہ بھی جاری رہیں گے اور نبوت کے جاری نہ ہونے کی یہ وجہ آج
تک کسی نے نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں اس
وصف کے عرضی ہونے کیوجہ سے موصوف بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پہ
ختم ہو گیا۔ بلکہ محض اس لیے کہ آیۂ کریمہ"
اور اسی طرح احادیث متواترۃ المعنیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر النبیین ہونے پر

دلالت قطعیہ کے ساتھ دال ہیں۔ ورنہ اگر وصف ذاتی کی بنا پر امت مسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات مقدسہ پر سلسلہ نبوت ختم ہونے کی قائل ہوتی تو اسے یقیناً تمام اوصاف کو بھی
اسی اتصاف ذاتی کیوجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرنا پڑتا۔

یعنی اس امر کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ نبوت کے ساتھ ایمان ایقان
علم، ہدایت و تقویٰ وغیرہ تمام اوصاف حسنہ بلکہ سب کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم
پر ختم ہو گئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاذ اللہ نہ کوئی مومن ہے نہ متقی نہ
صالح نہ عالم کیونکہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو گیا۔

مگر ایسی بات کا تسلیم کرنا تو درکنار اس کا تصور بھی اسلامی ذہن کے لیے ناقابل
برداشت ہے۔

واسطہ کمال نبوت ہونا اور نبوت سے بالذات متصف ہونا ایک بات نہیں

معلوم ہوا ہے کہ امت مسلمہ کے مسلک کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
واسطہ کمال نبوت ہونا اور صاحب تحذیر الناس کے قول کے مطابق حضور کا کمال نبوت
سے متصف بالذات ہونا ایک بات نہیں، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے
کیونکہ نانوتوی صاحب کے قول پر نفس نبوت میں فضیلت کا ماننا لازم آئے گا جس
کو ہم کتاب و سنت اور اقوال محدثین و مفسرین سے باطل کیا جا چکا ہے
اور امت مسلمہ کے مسلک کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفس نبوت میں
تمام انبیاء کرام کے مساوی ہوں گے۔ لیکن آپ کی ذات خصوصیات و کمالات اور دیگر

انبیاء کرام کے حصول کمالات کا واسطہ ہونے کی وجہ سے تمام انبیاء کرام کی ذوات سے افضل ہے۔ جس کی حقانیت پر آیۃ کریمہ۔

تلک الرسل فضلنا بعضہم علیٰ بعض ۞ شاہد عدل ہے۔

لیکن برخلاف اس کے مولانا نانوتوی صاحب نے نبوت کی جو تقسیم بالذات اور بالعرض سے کی ہے اس پر کوئی آیۃ کریمہ یا حدیث پاک بطور دلیل پیش کرنا ممکن نہیں آپ کے عقیدتمند وارادتمند اس تقسیم پر قرآن وحدیث سے شہادت پیش کرنے سے عاجز ہیں اور تاقیامت عاجز رہیں گے۔

موصوف بالذات کیلئے تاخر زمانی کا لزوم

صاحب تحذیر الناس کا بنیادی نکتہ ہی یہ ہے کہ موصوف بالذات کیلئے تاخر زمانی لازم ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک موصوف بالذات پر موصوف بالعرض کا سلسلہ ختم کر کے موصوف بالذات کے لیے تاخر زمانی لازم آتا ہے۔ جب تک موصوف بالعرض قائم ہے، موصوف بالعرض ہے۔ موصوف بالذات کا وجود نہیں تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان وایقان، علم وعمل، ہدایت، تقویٰ غرضیکہ ہر خوبی اور ہر کمال سے متصف بالذات ہوں گے۔ اور دوسرے تمام مومنین ان صفات سے متصف بالعرض ہوں گے۔ چونکہ مولانا کے قانون کے مطابق جب تک موصوف بالعرض ہو اس وقت تک موصوف بالذات نہیں آسکتا۔ لہٰذا جس طرح کسی نبی کا حضور کے بعد آنا اس لئے محال ہے کہ آپ نبوت

سے متصف بالذات ہیں۔ اسی طرح کسی مومن، صالح، متقی، مجتہد، عالم بلکہ کسی خوبی کے مالک کا حضور کے بعد آنا محال ہو گا۔ کیونکہ حضور ان صفات سے متصف بالذات ہیں۔

لہٰذا نبوت کی تقسیم قبیح نتائج پر منتج ہے بلکہ محدثین ومفسرین کی راہ سے ہٹ کر نئی راہ ہے

تمت بالخیر

وماتوفیقی الا باللہ العظیم

عبدالرزاق (بھترالوی حطاروی) ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی رحمتہ اللہ علیہم

جمعرات یکم جون ۱۹۸۹ء بمطابق ۲۶ شوال ۱۴۰۹ھ

تسکین الجنان

فی

محاسن کنز الایمان

اعلیٰحضرت الشاہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ کے ترجمہ کا تقابلی جائزہ

تالیف

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

خطیب مسجد غوثیہ الیف ۱-۶

اسلام آباد

[illegible]

حسن بن عمار بن علی بن یوسف الوفائی الشرنبلالی

نور الایضاح

مع الحاشیۃ المرضیۃ المسماۃ

بذریعۃ النجاح

محشی

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

خطیب مسجد غوثیہ الیف ۱-۶

اسلام آباد

حضرت علامہ قاضی عبد الرزاق بھترالوی

۔۔۔ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ۔۔۔ کی گرانقدر تصنیفات

نجوم الفرقان فی تفسیر القرآن

